علی اصغر حکمت

ترجمہ، حواشی و تکملہ

عارف نوشاہی

جامی

علی اصغر حکمت

ترجمہ، حواشی و تکملہ

عارف نوشاہی

ح ک م حکمت، علی اصغر (۱۸۹۳-۱۹۸۰ء)
جامی/علی اصغر حکمت/مترجم: عارف نوشاہی
اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان؛ راول پنڈی: الفتح پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء،
۴۹۲ صفحات
۱- جامی، نورالدین عبدالرحمان (۱۴۱۴-۱۴۹۸ء)، سوانح حیات
۲- فارسی ادب ۳- عارف نوشاہی (۱۹۵۵ء-)
ISBN: 978-969-498-055-3

کتاب: جامی
مصنف: علی اصغر حکمت
اردو ترجمہ، تحشیہ، تکملہ: عارف نوشاہی
سرورق: مریم خدادادی
ناشران: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد؛ سلسلۂ مطبوعات: ۲۰۱
الفتح پبلی کیشنز، راول پنڈی
طبع اول: مئی ۱۹۸۳ء
طبع دوم (نظر ثانی، اضافات اور تصاویر کے ساتھ): اسفند ۱۳۹۱ شمسی/ ربیع الثانی ۱۴۳۳ قمری/
مارچ ۲۰۱۲ عیسوی
تعداد: ۵۰۰
قیمت: ۹۵۰ روپے

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
مکان نمبر 4، گلی نمبر 47، سیکٹر F-8/1، اسلام آباد، +92 51 2816074

الفتح پبلی کیشنز
A-392، گلی نمبر A-5، لین نمبر 5، گلریز سکیم-2، راولپنڈی، +92 51 5814796
www.vprint.com.pk

پیغمبران معنی روشنگرانِ فکر اند
در ہر کجا تپد دل، باشد جہانِ جامی
ابرار سبحہ سازند، احرار تحفہ آرند
خاکِ مزار جامی، نقدِ روانِ جامی
برخاست بادِ شوقی از جانبِ سمرقند
کز بوی مشک بیزش شد زندہ جانِ جامی
از غزنہ تا بخارا، وز وخش تا ہرات است
ہم جلوہ گاہ جامی، ہم آشیانِ جامی

خلیل اللہ خلیلی (۱۹۰۷-۱۹۸۷ء)

فہرست

باب اوّل
سیاسی ماحول

باب دوم
جامی کے حالاتِ زندگی

باب سوم
جامی کے خصائل وفضائل

باب چہارم
جامی کے عقائد

باب پنجم
جامی کا مزار

باب ششم
تصانیفِ جامی

تکملۂ آثارِ جامی

جامی کا کتب خانہ اور اُن سے منسوب چند عمارات

مولانا جامی کی منتخب نعتیں اور غزلیں

بہ نام خداوند جان آفرین

سخن مدیر*

وہ ایک جہاں دیدہ بزرگ تھے جنھیں اسلامی ممالک کی مشرقی حدود سے لے کر مغربی حدود تک، عالم اسلام کی اہم زبانوں فارسی، عربی اور ترکی کے تمام اہل زبان اُن کی زندگی ہی میں جانتے تھے۔ وہ جس مجلس میں بھی قدم رکھتے، سب ان کی زبان دانی، شاعرانہ قدرت، عصری علوم پر احاطہ اور روحانی اثر و رسوخ میں ان کی بڑائی کا اعتراف کرتے۔ وہ صدر مجلس قرار پاتے اور ان کی قدر کی جاتی۔

وہ اپنے عہد اور ماقبل کے تمام فکری فرقوں کو جانتے تھے اور اسلاف کی معنوی میراث میں پائی جانے والی مشکلات کی گرہیں کھولتے تھے اور اعلیٰ افکار کے بہت بڑے شارح تھے۔

وہ اپنے زمانے کی ثقافتی کشاکش سے الگ تھلگ نہ تھے۔ چونکہ خود مفکّر اور دانشور تھے، خواہ نخواہ، اس کشاکش میں شامل رہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے افکار اور نظریات فکری تحریک کے طور پر باقی رہے اور فکری حلقوں میں اپنے شارحین، موافقین اور مخالفین کا ایک طبقہ پیدا کیا جو اب تک موجود پایا جاتا ہے۔

وہ صرف فکر و فلسفہ کے میدان کے شہسوار نہ تھے، بلکہ شعر و ادب میں بھی مکمل دسترس رکھتے تھے۔ ادبی تاریخ کے بعض مورّخین نے فارسی شاعری کی تعریف ان کے وجود کی وجہ سے کی ہے اور انھیں فارسی شاعری کی ثقافتی زندگی کے ایک دَور کی حدّ فاصل قرار دیا ہے اور فارسی شاعری کے ایک عہد کو ان کے آثار و افکار سے منسوب کرتے ہوئے انھیں فارسی شاعری کا "خاتم الشعراء" کہا ہے۔ ان مورّخین کا یہ نظریہ بھی ہے کہ ان کے بعد، فارسی ادب کے وسیع میدان میں ویسی عظمت کا کوئی اور شاعر پیدا نہیں ہوا۔

وہ نہ تو شیخ طریقت تھے اور نہ انھوں نے اپنے ارد گرد مرید جمع کیے، لیکن ان کی جودت طبع اور صفائے باطن کے باعث عقیدت مند اور پیروکار خود ہی ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے اور

صدیاں گذر جانے کے باوجود لوگوں کی ان سے عقیدت جوں کی توں برقرار ہے۔ اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ آج بھی اسلامی تصوّف کے عقاید اور افکار کے وسیع میدان میں وہ موجود ہیں اور ان کے اثرات پائے جاتے ہیں، تو مبالغہ نہیں ہوگا۔

ان کا معنوی وجود ایک طرف ایران و ترکی سے لے کر ہندو پاکستان اور وسطی ایشیا تک اور دوسری طرف افریقا کے شمال اور مشرقی یورپ تک پایا جاتا ہے اور عالمِ اسلام کو اس خطّے میں ان کی فیض رسانی اب بھی جاری ہے۔

وہ عملی اور نظری تصوّف کا نقطۂ اتصال ہیں اور اس میدان میں وہ صاحبِ نظریہ بھی ہیں اور فکر کے شارح اور عامل بھی۔ عالمِ اسلام کی فکری اور روحانی تحریکوں پر بہت کم کوئی ان جیسا اثر انداز ہوا ہے اور نہ ہی کسی اور شخصیت میں ان جیسا تنوّع نظر آتا ہے۔ یہ شخصیت، فارسی زبان کے شہرہ آفاق شاعر عبدالرحمان جامی کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

ظاہر ہے ایسی بڑی شخصیت کی حیات و افکار کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور پڑھا جانا چاہیے، بالخصوص اس لیے بھی کہ خود انھوں نے بھی بہت لکھا اور پڑھا ہے۔ خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ جامی کی تمام تصانیف آج بھی موجود ہیں جو نہ صرف دنیاے اسلام، بلکہ زبان کی معنوی میراث کے لیے بھی ایک قابل قدر اضافہ ہیں۔ اس عظمت و مرتبت کے باوجود ابھی تک اُن پر ان کے شایانِ شان کام نہیں ہوا ہے!

ایرانی اور غیر ایرانی محققین نے جامی کی تصانیف کی تحقیق و تدوین پر جو محنت کی ہے، اس کے باوجود ابھی ضرورت ہے کہ ان کی تمام تصانیف کو یکجا عالمانہ انداز میں مرتّب و مدوّن کیا جائے۔ ان کی حیات، شخصیت، تصانیف اور افکار پر جو کتب لکھی گئی ہیں وہ ایسی اور اتنی نہیں ہیں کہ مختلف ذوق کے حامل، جستجو کا مادّہ رکھنے والے قارئین کو اس طرح مطمئن کر سکیں کہ گویا جامی کے بارے میں جو کچھ کہا جانا تھا ان کتب میں کہہ دیا گیا ہے۔

جامی کے بارے میں جو مستقل کتب لکھی گئی ہیں، ان میں علی اصغر حکمت مرحوم کی کتاب کو اگرچہ تصنیف ہوئے کئی دہائیاں گذر گئی ہیں، لیکن وہ اب بھی جامی کے بارے میں ایک اصیل اور عالمانہ مأخذ ہے۔ جو شخص بھی اس بزرگ شخصیت - جامی - کی زندگی کا محققانہ مطالعہ شروع کرنا چاہتا ہے اسے یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔

خوش قسمتی سے برّ عظیم میں حکمت کی اس کتاب کی قدر پہچانی گئی اور فاضل مکرّم جناب ڈاکٹر عارف نوشاہی نے اس کا عالمانہ ترجمہ شائقین تک پہنچایا۔ یہ کتاب کئی سال قبل [۱۹۸۳ء میں] مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نے شایع کی تھی اور شائقین کے اردو حلقوں میں اس سے استفادہ کیا جاتا رہا۔ اگرچہ اس عرصے میں جامی کی حیات وافکار پر کئی کتب تصنیف ہو کر شایع ہو چکی ہیں، لیکن حکمت کی کتاب کی اہمیت اپنی جگہ برقرار ہے۔ اسی لیے مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نے الفتح پبلی کیشنز کے تعاون سے اسے دوبارہ شایع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

موجودہ اشاعت کی خصوصیت یہ ہے کہ نہ صرف سابقہ اشاعت کے تسامحات کی درستی کی گئی ہے بلکہ حالیہ سالوں میں جامی پر جو جدید مطالعات ہوئے ہیں، ان سے بھی اس اشاعت میں فائدہ اٹھایا گیا ہے اور فاضل مترجم نے جامی پر تازہ ترین علمی تحقیقات قارئین تک پہنچائی ہیں۔ اس کے لیے مترجم نے اپنی طرف سے ''تکملہ'' کا اہتمام کیا ہے۔

مرکز تحقیقات فارسی کو امید ہے کہ اس کتاب کی اشاعت دو برادر ملّت ایران و پاکستان کی مزید پیوستگی کی طرف قدم ہو گا۔

بمنہ وکرمہ

قہرمان سلیمانی

ڈائریکٹر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

۲۱ فروری ۲۰۱۲ء، اسلام آباد

* سخن مدیر، فارسی سے اردو ترجمہ: ڈاکٹر عصمت درّانی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ فارسی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

زیرِ نظر کتاب

آج سے کوئی ستر سال پہلے، ایرانی فاضل اور سفارت کار، علی اصغر حکمت (م:۱۹۸۰ء) نے فارسی شاعر، ادیب، تذکرہ نویس اور عارف مولانا نورالدین عبدالرحمان جامی (۸۱۷-۸۹۸ھ / ۱۴۱۴-۱۴۹۲ء) کے حالات وتصانیف پر ایک کتاب لکھی جو **جامی، متضمن تحقیقات در تاریخ احوال و آثار منظوم ومنثور خاتم الشعراء نورالدین عبدالرحمٰن جامی ۸۱۷-۸۹۸ ہجری قمری**، نام سے شایع ہوئی (طبع اوّل: تہران، چاپ خانۂ بانک ملی ایران، ۱۳۲۰ شمسی / ۱۹۴۲ء؛ مکرر اشاعت: تہران، انتشارات توس، ۱۳۶۳ ش / ۱۹۸۴ء)۔ اگرچہ یہ کتاب ایران کے ہائی سکولوں کے طلبہ کے لیے ترتیب دی گئی تھی اور بظاہر تدریسی ضروریات پورا کرنے کے لیے تھی، تاہم مصنف نے جس جامعیت اور علمی روش کے ساتھ اسے مرتّب کیا، اس سے یہ جامی پر ایک معیاری تحقیقی کتاب بن گئی جو طلبہ کے ساتھ ساتھ محققین کے لیے بھی راہ نما اور مفید ثابت ہوئی اور بعد میں ہر لکھنے والے نے جامی پر تحقیق کرتے ہوئے اس سے ضرور استفادہ کیا۔

جیسا کے خود کتاب پڑھ کر قارئین کو اندازہ ہوگا یہ اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ایک جدید نوعیت کی کتاب ہے جس میں جامی کے حالات زندگی اور ان کے ہم عصر ماحول کی تاریخ کے ساتھ ساتھ ان کے آثار پر تنقیدی اشارات بھی ملتے ہیں۔ حکمت نے یہ کتاب بڑی عقیدت مندی سے لکھی اور ہر جگہ جامی کا احترام ملحوظ رکھا ہے۔

مصنف کی غیر جانب داری کے باعث، یہ کتاب اطراف واکناف کے ممالک میں بھی مقبول ہوئی اور ترکی میں م. نوری گنج عثمان (M.Nuri Gencosman) نے اس کتاب کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا جس کے اب تک چار ایڈیشن نکل چکے ہیں:

پہلا ایڈیشن: سرورق *Cami*، مطبع Milli Egitim Basimevi استنبول، ۱۹۴۹ء، ۱۶۸ صفحات

دوسرا ایڈیشن، توضیحی عنوان: *Cami, hayati ve eserleri*، انقرہ، ناشر: Turkiye Cumhuriyeti Milli Egitim Bakanligi، ۱۹۶۲ء، ۶+۲۶۰ صفحات؛ ۱۹۹۴ء میں استنبول سے اسی کا چوتھا ایڈیشن نکلا ہے۔

اردو ترجمہ کے بارے میں

میں نے حکمت کی کتاب جامی کا فارسی سے اردو ترجمہ، ۸۱-۱۹۸۰ء میں کیا تھا جو فوراً ہی شایع ہو گیا تھا (پہلی اشاعت: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، رضا پبلی کیشنز، لاہور، مئی ۱۹۸۳ء، ۵۱۲ صفحات، تصاویر، نقشے)۔

اس ترجمے میں، میں نے مندرجہ امور ملحوظ رکھے ہیں:

✦ جامی کے سوانحی حصے میں چند ایک مقامات پر تلخیص کی ہے۔ یہ تلخیص ایسے مقامات کی ہے جہاں حکمت نے طویل فارسی اقتباسات اور اشعار بطور حوالہ درج کیے ہیں۔ میں نے محض مآخذ کا حوالہ دینا کافی سمجھا ہے یا اس اقتباس کا لبِّ لباب اردو میں منتقل کر دیا ہے۔

✦ جامی کی تصانیف کے تعارف پر حکمت کی تحقیقات نامکمل تھیں، اس لیے ان کا ازسرِ نو جائزہ لیا گیا ہے اور اس حصے کا نہ صرف مکمل ترجمہ کیا ہے بلکہ حکمت کے نواقص کو دور کرنے کے لیے ضمیمہ کے طور پر ''تکملۂ آثار جامی'' بھی لکھا ہے، جو ہمارے الگ مقدّمہ کے ساتھ زیرِ نظر کتاب کے آخر میں موجود ہے۔

✦ متن کے بعض ابہامات کو دُور کرنے، نواقص کو مکمل کرنے اور جامی سے متعلق تازہ تحقیقات و معلومات کو یکجا کرنے، واقعات کو باحوالہ اور مستند بنانے کے لیے کتاب پر حواشی لکھنے کی ضرورت بھی تھی۔ حکمت نے یہ کام کماحقہ انجام نہیں دیا تھا یا تحقیق کی پرانی روش کے مطابق کیا تھا۔ میں نے میسّر وسایل کی مدد سے یہ کام بھی انجام دیا ہے۔

✦ حکمت نے جامی کے اشعار کا جو انتخاب دیا تھا وہ بہت طویل تھا۔ میں نے اسے حذف کرتے ہوئے اور برّصغیر کے اردو خوان طبقے کے ذوق کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اپنی طرف سے اشعار کا انتخاب کیا ہے۔ جسے صرف نعتوں اور غزلوں تک محدود رکھا گیا ہے۔

وہ ترجمہ ایک ایسے نو آموز کے قلم سے نکلا تھا جس نے تازہ تازہ فارسی زبان سیکھی تھی اور ابھی تحقیق کی وادی میں قدم رکھا ہی تھا۔ نہ زبان و بیان پر گرفت تھی اور نہ اصولِ تحقیق سے

کماحقہ واقفیت؛اس کے باوجود خدا کا شکر ہے کہ وہ ترجمہ علمی حلقوں میں پسند کیا گیا۔ چونکہ اس ترجمے کے ساتھ مترجم کی طرف سے جامی کی تصانیف کے سلسلے میں ایک تکملہ بھی تھا،اس نے خاص توجہ حاصل کی۔ چنانچہ:

مولانا جامی کے ایک ہم وطن اور جامی شناس ،نجیب مایل ہروی نے **مقامات جامی** کی تدوین کرتے وقت اس کی تعلیقات میں بار بار اس تکملہ کا حوالہ دیا ہے اور مقدمے میں خاص طور پر اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں (ترجمہ):

> ''ہمارے زمانے میں مرحوم علی اصغر حکمت نے جامی عنوان سے ان کے حالات زندگی اور تصانیف پر ایک کتاب لکھی جو اپنے زمانے کے لحاظ سے اگرچہ اہم ہے لیکن اس کا اسلوب تنقیدی نہیں ہے اور کچھ مضامین ناقص ہیں۔ کتابیات اور نسخہ شناسی کے حوالے سے اس کتاب کے تمام نواقص عارف نوشاہی نے اس کے اردو ترجمے (مطبوعہ اسلام آباد،۱۴۰۳ھ) کے صفحات ۳۴۴-۳۵۱ میں دور کردیے ہیں۔''(۱)

نجیب مایل نے جامی پر اپنی ایک اور کتاب میں ایک بار پھر اس تکملہ کی افادیت کا ذکر کیا ہے (ترجمہ):

> ''علی اصغر حکمت کی کتاب کا اردو ترجمہ سیّد عارف نوشاہی نے اسی نام [**جامی**] سے کیا ہے اور اس پر ایک مفید مقدمہ اور جامی کی تصانیف اور ان کے نسخوں کے حوالے سے سودمند تکملہ لکھ کر حکمت کی معلومات پر اضافہ کیا ہے۔ (۲)

اسی سلسلے کو نجیب مایل ہروی آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں (ترجمہ):

> ''اگرچہ دو معاصر کتاب شناسوں، نصراللہ مبشر الطرازی نے کتاب...... میں اور سیّد عارف نوشاہی نے علی اصغر حکمت کی کتاب **جامی** کے اردو ترجمہ کے تکملہ میں، جامی کی نگارشات کے قلمی نسخوں پر غور وفکر کیا ہے، لیکن ان دونوں حضرات میں سے کوئی ایک بھی، اُس مشکل کے باعث جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں، جامی کی مسلم الثبوت تصانیف کے صحیح اعداد وشمار تک نہیں پہنچ پایا۔''(۳)

نجیب مایل ہروی کی خواہش تھی کہ وہ ہمارے تکملہ کا فارسی زبان میں ترجمہ کریں اور جب

کبھی ایران سے حکمت کی کتاب دوبارہ شایع ہو تو یہ تکملہ بھی اس کے ساتھ بطور ضمیمہ چھپے۔اس خواہش کا اظہار انھوں نے میرے نام کئی خطوط میں کیا ہے۔

اس تکملہ کو فارسی میں منتقل کرنے کی بات استاد خلیل اللہ خلیلی نے بھی پیشِ نظر کتاب پر اپنی تقریظ میں کی ہے۔

ہمارے مرحوم دوست ڈاکٹر رحیم بخش شاہین (۱۹۴۲-۱۹۹۴ء) نے اس کتاب پر ایک تبصرہ ریڈیو پاکستان، راول پنڈی سے نشر کیا اور بعد میں غالباً ماہنامہ سب رس، کراچی میں چھپا تھا۔

قصہ کوتاہ، وہ ترجمہ ایک طرح سے مشقِ سخن ہونے کے باوجود سنجیدہ علمی حلقوں کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اور مجھے لگا کہ میری کوشش رایگاں نہیں گئی۔

نظرثانی کی ضرورت

اب اس ترجمے کی تکمیل اور اوّلین اشاعت پر تقریباً ستائیس سال گذر چکے ہیں۔اس عرصے میں ایک طرف جامی پر کئی نئے مآخذ طبع ہو کر سامنے آ چکے ہیں اور دوسری طرف جامی کی بعض تصانیف کے محقق نسخے شایع ہوئے ہیں۔اس پر مستزاد یہ کہ میرا وہ ترجمہ چھپ کر نایاب ہو چکا تھا۔ان سب باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے ضرورت محسوس کی کہ ترجمے کو دوبارہ شایع کر کے نئی نسل کے قارئین تک پہنچایا جائے۔جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، جس زمانے میں وہ ترجمہ ہوا تھا، میں فارسی زبان کے فہم اور اصطلاحات کے خاص مفاہیم کے ادراک میں، بہ ہر حال کوتاہ دست تھا۔تحریر میں بھی پختگی نہ تھی۔اس لیے ترجمہ کی مکرر اشاعت سے قبل اس پر نظر ثانی ضروری سمجھی گئی۔چنانچہ موجودہ اشاعت، نظر ثانی کے کڑے عمل سے گذر کر قارئین کے ہاتھوں تک پہنچی ہے اور اس میں مندرجہ ذیل امور کو مدّنظر رکھا گیا ہے:

- اردو ترجمہ، اصل سے دوبارہ لفظ بہ لفظ ملایا گیا ہے اور ترجمے میں مناسب ترامیم اور اصلاحات کی گئی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ اصل سے دوبارہ مقابلے کے بعد، پہلے ترجمے کی کئی غلطیاں یا نارسائیاں سامنے آئی ہیں جنھیں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- حواشی میں وہ مآخذ جو مصنف (حکمت) کو دستیاب نہیں تھے اور مترجم کو طبع اوّل کے بعد دستیاب ہوئے ہیں، مناسب مقامات پر ان سے بھی حواشی میں استفادہ کیا گیا ہے۔
- طبع اوّل پر میں نے جو ''تقدیم'' لکھی تھی، اس میں خاطر خواہ اضافات اور اصلاحات کی

ہیں اور جامی پر دستیاب نئے مآخذ کو متعارف کیا ہے۔ ''تقدیم'' کے بعض مضامین کو حذف کر دیا گیا ہے اور اب ایک جدید ''مقدّمہ'' لکھا گیا ہے جو بہتر مواد پر مشتمل ہے۔

- ''تکملۂ آثار جامی'' میں جامی کی تصانیف کے جو نئے محقق ایڈیشن اور تراجم سامنے آئے ہیں، ان کا ذکر بڑھا دیا گیا ہے۔
- موجودہ ایڈیشن میں شامل بعض فارسی عبارات اور اشعار کو رائج ایرانی املاء کے مطابق لکھا گیا ہے۔ نون غنّہ (ں) کی جگہ نون اعلان (ن) اور یائے مجہول (ے) کی جگہ یائے معروف (ی) کو استعمال کیا گیا ہے۔
- موجودہ ایڈیشن میں کچھ نئی تصاویر (مزارات، مخطوطات) کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۹۸۳ء میں، جامی پر کتاب پیش کرتے ہوئے میں جس علمی سفر پر روانہ ہوا تھا، اس وقت میرے سان وگمان میں بھی نہیں تھا کہ آگے چل کر میں مولانا جامی کے مراد و محبوب، خواجہ عبیداللہ احرار کو بھی موضوعِ تحقیق بناؤں گا اور اپنی عمر کا بڑا حصہ سلسلۂ نقشبندیہ کے رجال کے آثار و افکار پر تحقیق میں صرف کر دوں گا۔ خواجہ احرار اور نقشبندیات پر مواد کا مطالعہ کرنے کا ایک فایدہ یہ ہوا کہ مولانا جامی پر ایسا مواد نظر سے گذرا جو پہلے نقشبندی ادب میں کہیں مذکور نہیں ہوا تھا۔ اس سلسلے میں میں خاص طور پر زین الدین قوّاس محمود بہدادنی خوافی (م: ۹۶۷ھ / ۱۵۶۰ء) کے **ملفوظات** کا ذکر کروں گا جس میں مولانا جامی سے متعلق ان کے معاصرین کی روایتیں بیان ہوئی ہیں۔ [۴]

جامی (ترجمہ) پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے اور اس کی اشاعت دوم سے پہلے میرے لیے جو اہم ترین واقعہ پیش آیا وہ کوئی بتیس سال بعد میرا سفر ہرات اور مزار جامی پر میری دوبارہ حاضری تھی۔ پہلی حاضری اگست ۱۹۷۶ء میں ہوئی تھی اور دوسری جولائی ۲۰۱۰ء میں، جب میں اس کتاب کی اشاعت ثانی کی تیاری میں مصروف تھا۔ اس حاضری سے بہت روحانی تقویت ملی۔ یقین ہے کہ ان بزرگوار کی معنوی توجہ شامل حال ہے۔ اس حاضری کا مختصر احوال بھی کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

مولانا جامی ایران، تاجکستان، افغانستان، ترکی اور برّصغیر پاکستان و ہند کا مشترکہ ورثہ ہیں۔ اور یہ پورا خطہ جامی کے علمی فیضان سے معمور ہے اور یہاں کے کتب خانے اپنی اپنی جگہ پر

جامی کی تصانیف یا ان کے بارے میں تصانیف کا اہم منبع ہیں اور مجھے ان سے دور یا نزدیک سے استفادہ کا موقع ملا ہے۔ ان میں سرفہرست مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد کا کتب خانہ گنج بخش ہے۔ نیز لاہور کے فقیر خانہ اور کتب خانۂ دانشگاہ پنجاب سے بھی مدد لی، ترکی کے کتب خانوں سے بالواسطہ، یعنی معلومات کی حد تک تبادلے سے فائدہ اٹھایا۔ ایران کے کتب خانۂ آستان قدس رضوی، (مشہد)، کتاب خانۂ ملی (تہران)، اور کتابخانۂ مجلس شورای اسلامی (تہران) کے مخطوطات سے بھی حسب ضرورت مستفید ہوا۔ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ (بھارت) سے مخطوطات کے عکس فراہم ہوئے۔ ان تمام کتب خانوں کے مہتممین، بالخصوص شعبہ ہائے مخطوطات کے کار پردازوں کا ممنون ہوں۔

اولین اشاعت کے وقت ایرانی محققین استاد احمد منزوی اور ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی اور پاکستانی فاضل ڈاکٹر سفیر اختر (اختر راہی) نے کتابیات کے حوالے سے مواد مہیا کیا تھا۔ دوسری اشاعت کی تیاری میں اسی نوعیت کا مواد ترکی سے ڈاکٹر نجدت طوسون نے فراہم کیا۔ موجودہ اشاعت کے لیے تیار شدہ مواد دوست مکرّم ڈاکٹر معین نظامی کی عالمانہ نظر سے بھی گذرا ہے اور انھوں نے اپنے معمول لطف و کرم کے مطابق اس کی بہتری کے لیے صائب تجاویز دیں۔ چونکہ وہ خود چاشنی چشیدۂ چشتیہ ہیں، سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں جامی کی مقبولیت کے حوالے سے کئی شواہد مہیا کیے جن کا ذکر میرے مقدمہ میں ہوا ہے۔ میں اپنے ان تمام کرم فرما احباب کا شکر گزار ہوں۔

جب ۱۹۸۳ء میں اس ترجمہ کی پہلی طباعت ہو رہی تھی تو افغان ادیب، شاعر اور محقق استاد خلیل اللہ خلیلی (م: ۱۹۸۷ء) نے طباعت سے قبل یہ ترجمہ ملاحظہ کیا تھا اور اس پر پسندیدگی کے اظہار اور میری حوصلہ افزائی کے لیے اس کے لیے تقریظ، توصیفی قطعہ اور قطعۂ تاریخ طباعت لکھ کر مجھے عنایت کیا۔ یہ تینوں چیزیں مرحوم کی یادگار اور میرا قیمتی اثاثہ ہیں۔ سابقہ اشاعت میں یہ تحریریں بخط استاد خلیلی چھپی تھیں، موجودہ اشاعت میں انھیں مشینی کتابت کروا کر شامل کیا گیا ہے۔ خداوند تعالی مرحوم کے درجات اخروی بلند فرمائے۔

عارف نوشاہی

۲۳ مارچ ۲۰۱۱ء

اسلام آباد

مقدّمہ

از عارف نوشاہی

مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی (۸۱۷-۸۹۸ھ/۱۴۱۴-۱۴۹۲ء) کے علمی اور روحانی مقام کے بارے میں انگریز مستشرق ایڈورڈ براؤن (۱۸۶۲-۱۹۲۶ء) نے کیا خوب کہا ہے:

"جامی ان ناموراساتذہ اوراکابر میں سے ہیں جنھیں سرزمینِ ایران نے پروان چڑھایا اور وہ اُن اساتذہ واکابر کے درمیان اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ وہ بیک وقت عظیم شاعر، نکتہ رس محقق بھی ہیں اور عالی مرتبت عارف بھی ...ایران میں کسی دوسرے شاعر کی نظیر کم ملتی ہے جو جامی کی طرح اپنی زندگی ہی میں ایسی غیر معمولی عزت وتکریم اور بے پایاں شہرت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہو...کوئی استادِ سخن اور فارسی کا شاعر موضوعات کے تنوع اور مختلف فنون کے تفنّن میں جامی کے پایۂ کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔"(۱)

جامی کے معاصر سوانح نگار اور جامی پر بنیادی مآخذ

جامی کی جامع الصفات شخصیت نویں صدی ہجری / پندرھویں صدی عیسوی سے لے کر اب تک اہلِ علم وتحقیق کے ہاں خصوصی توجہ کی حامل رہی ہے۔ مشرقی علوم کے بیشتر مصنّفین اور تذکرہ نگاروں نے اُن کے حالاتِ زندگی اور افکار واشعار نقل کیے ہیں۔ اگر صرف فارسی شعراء کے اُن عمومی تذکروں پر نظر ڈالی جائے جن میں جامی کے حالاتِ زندگی درج ہوئے ہیں تو یہ چالیس سے کم نہیں ہیں۔(۲) تاہم جامی پر مآخذ کی یہ تعداد قطعی طور پر ابتدائی ہے۔ اگر "کتابیات جامی" پر کام تحقیقی اور تکنیکی بنیادوں پر کیا جائے تو بلا مبالغہ جامی پر مختلف زبانوں میں مآخذ کی یہ تعداد سیکڑوں تک پہنچ جائے گی۔

جامی اپنی بلند پایہ علمی اور روحانی شخصیت کے باعث اس بات کے مستحق تھے کہ ان پر عمومی انداز سے ہٹ کر مستقل اور بطور خاص کام کیا جائے۔ چنانچہ ان کی وفات (۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) کے فوراً بعد ان کے معاصرین اس جانب متوجہ ہوئے اور تقریباً پندرہ سال کے اندر اندر تین اہم مصنفین نے، جو انھیں ذاتی طور پر جانتے تھے، ان پر قابل قدر مواد فراہم کیا۔ ان میں اوّلیت جامی کے شاگرد رشید مولانا رضی الدین عبدالغفور لاری (م: ۹۱۲ھ / ۱۵۰۶ء) کو حاصل ہے۔ جامی کے دانشور دوست امیر علی شیر نوائی (م: ۹۰۶ھ / ۱۵۰۱ء) اور ایک اور عقیدت مند نظام الدین عبدالواسع باخرزی (م ۹۰۹ھ / ۱۵۰۴ء) نے جامی پر مستقل تذکرہ نویسی کی بنیاد رکھی۔ جامی کے ہم زلف فخر الدین علی کاشفی (م: ۹۳۹ھ / ۱۵۳۳ء) نے اسی دور میں خواجگان و مشائخِ نقشبندیہ کے حالات پر جو کتاب لکھی اس میں جامی کے بارے میں بھی قابل قدر معلومات بہم پہنچائیں۔ ہم یہاں جامی کے ان تمام سوانح نویسوں اور ان کی جامی پر تصانیف کا مختصر جائزہ لے رہے ہیں:

رضی الدین عبدالغفور لاری (م: ۵ شعبان ۹۱۲ھ / ۲۱ دسمبر ۱۵۰۶ء) (۳)

مولانا لاری، جامی کے عزیز اور ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ جیسا کہ ان کی نسبت سے ظاہر ہے وہ لار سے تعلق رکھتے تھے۔ (۴) یہ مقام ایران کے جنوبی صوبہ، فارس میں واقع ہے جس کا مرکز شیراز ہے، اسی لیے باخرزی نے **مقامات جامی** میں ہر جگہ انھیں لاری کی بجائے شیرازی لکھا ہے۔ لاری اپنے وطن سے ہرات آئے اور مولانا جامی کا تلمذ اختیار کیا اور ایک طویل مدّت ان کی خدمت میں رہے۔ صوفیہ کی کتب اور خود جامی کی اکثر تصانیف خود جامی کی خدمت میں پڑھیں۔ مولانا جامی نے بھی ان کی علمی قابلیت کو بھانپ لیا تھا اور ان سے اپنے علمی کاموں میں مدد لیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ **شرح فصوص الحکم** کے کسی نسخے کے مقابلے میں لاری کو اپنے ساتھ بٹھایا۔ اس نسخہ کے آخر میں جامی نے اپنی یادداشت میں لاری کے بارے میں ''اخ الفاضل و المولیٰ الکامل، ذوی الرأی الصائب والفکر الثاقب'' جیسے قابل قدر الفاظ استعمال کیے ہیں۔ (۵)

لاری ۵ شعبان ۹۱۲ھ کو ہرات میں فوت ہوئے اور اپنے مرشد اور استاد جامی کی پائنتی دفن ہوئے۔ (۶)

لاری کی دستیاب پانچ تصانیف میں سے چار کا تعلق کسی نہ کسی طرح جامی سے ہے۔

۱۔ **حاشیۂ نفحات الانس**، اس میں لاری نے نفحات کے اعلام کے صحیح املا اور تلفظ کا اہتمام کیا

ہے اور نفحات کے بعض پیچیدہ مباحث کھول کر بیان کیے ہیں۔ یہ حاشیہ لاری نے اپنے مرشد زادہ ضیاء الدین یوسف (۸۸۲-۹۱۹ھ / ۱۴۷۸-۱۵۱۳ء) کے لیے تحریر کیا۔

۲۔**حاشیۂ فواید الضیائیہ**، یہ بھی ضیاء الدین یوسف کے لیے تحریر کیا۔ اصوات کے مباحث تک لکھ کر ادھورا چھوڑ دیا۔ مولانا عبدالحکیم سیال کوٹی (م: ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۶ء) نے اس تطبیق کے ساتھ اسے مکمل کیا کہ ہرگز تمیز نہیں ہو سکتی کہ لاری کا حاشیہ کہاں تک ہے اور مولانا عبدالحکیم کا تکملہ کہاں تک۔

۳۔**شرح رسالۂ تحقیق مذہب صوفی و متکلم و حکیم**، جامی کے رسالہ **الدرۃ الفاخرہ** کی شرح ہے۔

۴۔**ترجمہ و شرح الاصول العشرۃ**، شیخ نجم الدین کبریٰ کے رسالے کا عربی سے فارسی ترجمہ و شرح ہے۔ اس میں کبرویہ کے دس اصول طریقت بیان ہوئے ہیں۔ (۷)

۵۔**تکملۂ حاشیۂ نفحات الانس** (فارسی)

مولانا لاری نے **نفحات الانس** کے مشکل مقامات کی توضیح کے لیے جو حاشیہ لکھا تھا اس میں مولانا جامی کے حالات درج نہیں کیے تھے، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے **تکملۂ حاشیۂ نفحات الانس** پر تکملہ تحریر کیا۔

اسی تکملہ میں مصنف نے مولانا جامی کی اخلاقی، روحانی، علمی اور معاشرتی خصوصیات و عادات پر اپنے مشاہدات (اور بعض مقامات پر معاصرین کی روایت) کی روشنی میں معلومات درج کی ہیں اور جامی کے حالات اور ملفوظات کو ساتھ ساتھ کیا ہے۔ جگہ جگہ جامی کے اقوال و اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ اس تکملہ کا آخری حصہ بہت اہم ہے جہاں مصنف نے جامی کی تصانیف، سوانح زندگی، اسفار اور واقعۂ وفات کا ذکر کیا ہے۔

تکملہ کی اب تک دو محقق اشاعتیں ہو چکی ہیں:

۱۔ **تکملۂ حواشی نفحات الانس: شرح حال مولانا جامی قدس سرہ**، بہ تصحیح و مقابلہ و تحشیۂ علی اصغر بشیر ہروی، انجمنِ جامی، کابل، ۱۳۴۳ش / ۱۹۶۴ء، ۹۸+۴۴ص

۲۔ **تکملۂ نفحات الانس**، بہ تصحیح و توضیح دکتر محمود عابدی، انتشارات جام گل، کرج (ایران)، ۱۳۸۰ش / ۲۰۰۱ء، ۲۰۷ص؛ ڈاکٹر عابدی کے پیش نظر بشیر ہروی اشاعت کے علاوہ

تہران یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ تکملہ کے کسی نسخہ کا عکس (نمبر ۱۷۶۸) بھی تھا جو ۹۴۳ھ کا کتابت شدہ اور بقول مرتب ''تکملہ کا قدیم ترین اور صحیح ترین'' نسخہ ہے۔ مرتب نے اس پر قدرے مفصل تعلیقات کا اہتمام کیا ہے اور جامی کی تصانیف کی جدید اشاعتوں کی نشان دہی کی ہے۔

امیر علی شیر نوائی (۸۴۴-۹۰۶ھ/۱۴۴۰-۱۵۰۱ء)

میر علی شیر نوائی، سلطان حسین بایقرا کے وزیر با تدبیر تھے اور ہرات میں مولانا جامی کے عقیدت مند اور ایک طرح سے مربّی بھی تھے۔ دونوں کے درمیان علمی دوستی بہت گہری تھی۔ مولانا جامی نے اپنی بعض تصانیف، نوائی کی فرمایش پر تصنیف کی ہیں جن کا ذکر ہماری کتاب میں آئے گا۔ آپس میں مراسلت بھی تھی۔ مولانا جامی نے نوائی کو جو خطوط لکھے تھے، نوایی نے ایک البم میں اصل حالت میں سنبھال کر رکھے۔ یہ البم، **مرقع نوائی** کے نام سے تاشقند میں محفوظ ہے (تفصیل بذیل انشاے جامی آئے گی) مولانا جامی کی وفات کے بعد نوائی نے ان کے حالات پر چغتائی ترکی زبان میں **خمسۃ المتحیرین** نام سے کتاب لکھی۔

نوائی، ہرات میں باغ گوہر شاد میں دفن ہیں۔ (۸)

خمسۃ المتحیرین (ترکی)

یہ کتاب ایک مقدمہ، تین فصول اور ایک خاتمہ پر بترتیبِ ذیل مشتمل ہے:

مقدمہ: جامی کے آبا و اجداد، مقام ولادت، حالات زندگی اور نوائی کے ان کے ساتھ تعلقات کے بارے میں؛

پہلی فصل: نوائی اور جامی کے مابین ہونے والے مکالمات اور واقعات کا ذکر؛

دوسری فصل: نوائی اور جامی کے درمیان ہونے والی مراسلت اور مکاتبت؛

تیسری فصل: نوائی کی درخواست، تجویز اور خواہش پر لکھی جانے والی جامی کی کتب کا ذکر؛

خاتمہ: ان کتب اور رسائل کے ذکر میں جو نوائی نے جامی کی راہنمائی اور ہدایت کے مطابق پڑھے تھے۔

اس کتاب میں جامی کی وفات، وفات کے بعد تعزیت کی رسوم اور ہرات کے فضلا، علما، امرا، نجبا اور شاہی خاندان کے افراد اور عوام الناس کی جامی کے جنازے میں شرکت کا حال بھی لکھا

ہے۔

یہ کتاب انقرہ سے ۲۰۰۶ء میں ترکی زبان کے رومن رسم الخط میں حسب ذیل کوائف کے مطابق شایع ہوئی ہے:

Khamsat ul-mutahayyirin, (ed. in modern Turkish alphabet by Aysehan Deniz Abik), Ankara: Seckin Yayincilik (publications), 2006, 345 pages.

خمسۃ المتحیرین کا فارسی ترجمہ تبریز میں **محمد نخجوانی** نے ۱۹۴۱ء میں کیا تھا۔ اس ترجمہ کے بعض مندرجات سے علی اصغر حکمت نے **جامی** میں اس وقت استفادہ کیا تھا جب یہ طبع نہیں ہوا تھا، اب یہ مہدی فراہانی منفرد کے اہتمام سے **نامۂ فرہنگستان**، فرہنگستان زبان وادب فارسی، تہران کے ضمیمہ ۱۲، ۱۳۸۱ش / ۲۰۰۲ء کے طور پر شایع ہو گیا ہے۔

نوائی نے جامی کی وفات پر معاصر شعرا کی طرف سے کہے جانے والے مرثیوں اور قطعاتِ تاریخ کا مجموعہ بھی مرتّب کیا تھا۔

عبدالواسع نظامی باخرزی (م:۹۰۹ھ / ۴-۱۵۰۳ء)[۹]

آپ ہرات کے قریب واقع قصبہ، باخرز کے رہنے والے تھے۔ تیموری سلاطین میرزا محمد بایسنغر، ابوسعید گورکان اور حسین بایقرا کے دیوان میں منشی تھے۔ ان سلاطین کے طرف سے انھوں نے جو خطوط لکھے تھے اپنی کتاب **منشأ الانشاء** میں جمع کیے ہیں۔[۱۰] باخرزی کو تاریخ نویسی سے بھی دل چسپی تھی، چنانچہ اپنے دوست عبدالرزاق سمرقندی کی کتاب **مطلع سعدین و مجمع بحرین** کا خاتمہ لکھا۔[۱۱] سلطان حسین بایقرا کے حالات پر انھوں نے کتاب **جامع البدایع سلطانی** لکھی۔ باخرزی کی شاعری کا ذکر تو ملتا ہے لیکن اس کے کلام کا کوئی مدوّن نسخہ تا حال دستیاب نہ تھا۔ چند سال پہلے راقم السطور نے باخرزی کے فارسی قصاید کا ایک قلمی مجموعہ، نیشنل آرکائیوز آف پاکستان کے مفتی کلیکشن (نمبر اسلام ۲۱/۷) میں دیکھا ہے۔

مقامات جامی (فارسی)

یہ کتاب باخرزی نے میر علی شیر نوائی کے کہنے پر لکھی۔ جیسا کہ مقدمے میں درج ہے:

"روزی... اشارت عالی بہ جمع و ترتیب احوال خجستہ مآل آن حضرت (یعنی جامی)

چنان کہ سابقاً مکنون ضمیر این فقیر بود، بہ زبان کرامت ارزانی داشتند و بہ تقریب رابطۂ خصوصیت و اخلاصی کہ این بی بضاعت راعلیٰ تواری الشھور والاعوام بہ موقف شریف آن حضرت ثابت بود در باب تمام اہتمام بہ امضای آن عزیمت فرخندہ فرجام ہیچ دقیقہ فرونگذاشتند ... بر سبیل بدیہہ و استعجال بہ حدّ اتمام و درجۂ اختتام رسانید۔"(۱۲)

جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ باخرزی، جامی کے اخلاص مندوں میں سے تھے اور ان سے خصوصی رابطہ رکھتے تھے۔ اس کتاب کا مسودہ انھوں نے جامی کو دکھایا تھا اور جامی نے کچھ اعتراضات کیے اور اصلاحات تجویز کیں۔ (۱۳) لیکن اس کی تکمیل مولانا جامی کی وفات کے بعد ہی ہوئی۔ چونکہ باخرزی انشا نویس تھے یہ کتاب بھی انھوں نے منشیانہ اسلوب میں پر تکلف نثر میں لکھی ہے اور اس میں عربی عبارات، الفاظ اور تراکیب کی بھرمار ہے۔ اس کے مقابلے میں مولانا لاری کا **تکملہ** سادہ نثر میں ہے اسی وجہ سے وہ زیادہ مقبول ہے اور باخرزی کی **مقامات** مہجور رہی ہے۔

یہ کتاب نہ صرف جامی کے ذاتی حالات، نظریات اور اپنے معاصرین کے بارے میں ان کی ذاتی آراء کے سلسلے میں ایک اہم مأخذ ہے بلکہ نویں صدی ہجری میں خراسان کی سیاسی، مذہبی، معاشی، اقتصادی تاریخ کے کچھ گوشے ایسے ہیں جو صرف اسی کتاب میں مذکور ہیں۔ اس دور کے مذہبی (شیعہ سنی) اور صوفیہ کے درمیان اختلافات پر بھی یہ کتاب روشنی ڈالتی ہے۔

یہ کتاب نجیب مایل ہروی نے بطریق احسن مرتب کی ہے۔ اس پر مقدمہ اور تعلیقات تحریر کی ہیں اور اسے **مقامات جامی** نام سے شایع کیا ہے (تہران، نشر نی، ۱۳۷۱ش / ۱۹۹۲ء)

علی اصغر حکمت، جامی لکھتے وقت اس کتاب سے باخبر نہ تھے۔ حالانکہ اس کے مخطوطات اُس وقت سوویت یونین کی ریاستوں میں موجود تھے۔ (۱۴)

فخرالدین علی بن حسین واعظ کاشفی سبزواری (۸۶۷-۹۳۹ھ / ۱۴۶۳-۱۵۳۳) (۱۵)

مولانا جامی کے ہم زلف اور دوست تھے۔ دونوں خواجہ عبیداللہ احرار کے بھی عقیدت مند تھے۔ کاشفی نے جب خواجہ عبیداللہ احرار اور دیگر مشایخ نقشبندیہ کے حالات پر کتاب **رشحات عین الحیات** (سال تألیف ۹۰۹ھ / ۱۵۰۳ء) لکھی تو اس میں اختصار کے ساتھ مولانا جامی کے حالات و ملفوظات بھی لکھے۔ چونکہ یہ جامی کے ایک معاصر اور قرابت دار کی تحریر ہے اس لیے قابل

اعتماد ہے۔

علی کاشفی کی قبر ہرات میں ہلالی چغتائی پارک میں ہلالی کی قبر کے پہلو میں ایک چبوترے پر واقع ہے۔ قبر پر قدیم کتبہ موجود ہے اور اچھی حالت میں ہے۔ (۱۶)

محمد ہاشم کشمی نے ۱۰۴۰ھ / ۳۱-۱۶۳۰ء رشحات کا جو تکملہ **نسمات القدس من حدایق الانس** نام سے لکھا ہے اس کے مقصد اول، فصل دوم میں مولانا جامی سے براہ راست فیض یافتہ لوگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ (۱۷)

جامی کے احفاد و اخلاف اور مشایخ طریقت کے انساب اور شجروں پر مشتمل ایک نامعلوم مصنف کی فارسی کتاب **بحر الانساب**، کتاب خانۂ آیت اللہ مرعشی، قم (نمبر ۱۴۴۴۹) میں موجود ہے۔ (۱۸)

جامی شناسی کی روایت میں توسیع

انیسویں صدی عیسوی سے مشرق و مغرب میں جامی پر تحقیقات کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ جس میں ایک طرف جامی کے حالات زندگی پر تحقیق کو موضوع بنایا گیا اور دوسری طرف جامی کی تصانیف کے محقق نسخے تیار اور شایع کیے گئے۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ یہاں علاقوں کی جغرافیائی تقسیم کی بنیاد پر چند اہم کتب کا ذکر کیا جائے گا جو جامی کے احوال و آثار پر ہیں۔ جامی کی تصانیف کے محقق ایڈیشنوں کا ذکر ''تکملۂ آثار جامی'' میں ہوگا۔

افغانستان میں جامی شناسی

۱۹۶۴ء میں جامی کی ولادت (۱۴۱۴ء) کو ۵۵۰ سال مکمل ہونے پر افغانستان کی وزارت اطلاعات ونشریات نے جامی کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے کابل اور ہرات میں بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی اور اس موقع پر جامی سے متعلق کتب کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اس کانفرنس میں پڑھے جانے والے فارسی اور پشتو مقالات کا مجموعہ حسب ذیل کوائف سے شایع ہوا ہے:

تجلیل پنجصد و پنجاہمین سال تولد نور الدین عبدالرحمٰن جامی، انجمن جامی، وزارت اطلاعات ونشریات افغانستان، کابل، سرطان، ۱۳۴۴ش، ی + ۱۴۸ + ۴۴ص

کتاب کے مندرجات اس طرح ہیں:

پیغامات

۱۔ اعلیٰ حضرت معظم ہمایونی (ظاہر شاہ) کا پیغام؛

۲۔ [میر غلام رضا] مایل ہروی کا مقدمہ؛

۳۔ ڈاکٹر محمد یوسف، صدر اعظم کا پیغام؛

۴۔ ڈاکٹر انس، وزیر تعلیم کا پیغام؛

۵۔ کابل یونیورسٹی کا پیغام؛

۶۔ پشتو اکیڈمی، کابل کا پیغام؛

۷۔ انجمن تاریخ کابل کا پیغام؛

۸۔ پنجاب یونیورسٹی، لاہور کا پیغام؛

۹۔ دانشگاہِ تہران کا پیغام؛

۱۰۔ استاد خلیل اللہ خلیلی کا پیغام۔

مقالات

۱۔ طریقتِ جامی، از عبدالحی حبیبی (افغانستان)، فارسی مقالہ؛

۲۔ جامی و خواجہ عبداللہ انصاری ہروی، از بورکوی (فرانس)، فارسی مقالہ؛

۳۔ پنبتانہ ادیبان او نور الدین جامی، از پروفیسر رشتین (افغانستان)، پشتو مقالہ؛

۴۔ روابط جامی با ہندو پاکستان، از ڈاکٹر محمد باقر (پاکستان)، فارسی مقالہ؛

۵۔ آغاز و انجام عشق و عشقبازی در لیلیٰ و مجنون، از ڈاکٹر روان فرہادی (افغانستان)، فارسی مقالہ؛

۶۔ ملّا جامی و شرح کافیہ، از ملّا جامی شرح بر کافیہ باندی، از قیام الدین خادم (افغانستان)، پشتو مقالہ؛

۷۔ لطائف و ظرائف جامی، از گویا اعتمادی (افغانستان)، فارسی مقالہ؛

۸۔ شاعر و متفکر بزرگ شرقی عبدالرحمٰن ابن احمد جامی، از غفور غلام (روس)، فارسی مقالہ؛

۹۔ جامی و مستشرقین، از میر حسین شاہ (افغانستان)، فارسی مقالہ؛

۱۰۔ خردنامۂ اسکندر، از ایرج افشار (ایران)، فارسی مقالہ؛
۱۱۔ ہرات و جامی، از توفیق (افغانستان)، فارسی مقالہ؛
۱۲۔ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی، از عبدالمنعم محمد عمر (مصر)، فارسی مقالہ۔

دیگر شایع ہونے والی فارسی کتب یہ ہیں:

- **تکملۂ حواشی نفحات الانس**، بہ اہتمام بشیر ہروی، کابل، ۱۳۴۳ش
- **جامی و ابن عربی**، محمد اسماعیل مبلغ، کابل، ۱۳۴۳ش
- **خلاصۂ سوانح مولینا جامی** محمد اسداللہ نصرت، کابل، ۱۳۵۰ش، ۲۱ص
- **نامہ ہای دست نویس جامی**، بہ اہتمام غلام رضا مایل ہروی و عصام الدین اورون بایف کابل، ۱۳۶۴ش
- **اندیشۂ جامی**، عبدالحی حبیبی، مرکز تحقیقات علامہ حبیبی، کابل، ۱۳۸۴ش
- **دائرۃ المعارف آریانا** میں جامی پر مقالہ۔

ہرات کے تاریخی مقامات کے حوالے سے جو کتب افغانستان میں لکھی گئی ہیں ان میں بھی جامی اور ان کی آرامگاہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس نوعیت کی کتب میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

- **رسالہ مزارات ہرات با تعلیقات فکری سلجوقی**؛ کابل، ۱۹۶۷ء
- **آثار ہرات**، خلیل اللہ خلیلی؛ تہران، ۱۳۸۳ش / ۲۰۰۴ء، ص ۱۵۹-۱۷۲
- **آبدات نفیسہ ہرات**، سرور گویا اعتمادی، وزارت مطبوعات، کابل، ۱۳۴۳ش

۱۹۷۸ء سے افغانستان پر ابتلا کا جو دور شروع ہوا ہے اور تا حال جاری ہے، اس دوران افغانستان میں علمی ذخائر کی تباہی، درجۂ اول کے محققین کی ہجرت اور علمی اداروں کی بے سرو سامانی کا مشاہدہ مجھے ۲۰۱۰ء میں سفر کابل اور ہرات کے دوران ہوا۔ اس کے گہرے اثرات یہ مرتب ہوئے کہ ان تیس سالوں میں وہاں کوئی زیادہ ٹھوس علمی کام نہیں ہو سکے۔ افغان محققین، غیر ممالک میں سکونت پذیر ہو کر علمی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے ہیں، جیسے نجیب مایل ہروی جو ایران میں مقیم ہیں اور ان کے کاموں کا تذکرہ ایران میں جامی شناسی کے ضمن پر ہوگا۔

جامی کی ولادت کو ۶۱۰ سال پورے ہونے کے موقع پر حکومت افغانستان نے انسٹی ٹیوٹ زبان و ادب دری اکادمی علوم افغانستان کے زیر اہتمام ۵-۶ حوت ۱۳۸۵ش / ۲۴-۲۵ فروری

۲۰۰۷ء کو کابل میں ملکی سطح پر جامی سمینار منعقد کیا۔اس میں پڑھے گئے ۷ پیغامات اور۲۲ مقالات (فارسی، پشتو) مذکورہ انسٹی ٹیوٹ کے مجلّہ خراسان، کابل، شمارہ ۲۷، دورۂ سوم، سال ۲۷، حمل-ثور ۱۳۸۶ش (مارچ-اپریل ۲۰۰۷ء) کے جامی نمبر میں شایع ہوئے ہیں۔ یہ مقالات ایک طرح سے افغانستان کی موجودہ نسل کی جامی پر نگاہ کا پرتو ہیں اوران میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو ۱۹۶۴ء کی کانفرنس میں شریک تھا!

۱۹۷۸ء کے بعد افغانستان کے اندر، محمد آصف گلزاد (ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ زبان وادب دری اکادمی علوم افغانستان) نے مختصر کتاب **مولانا جامی** تألیف کی ہے (انتشارات سعید، کابل، ۱۳۸۹ش / ۲۰۱۰ء)

ایران میں جامی شناسی

جدید ایران میں جامی کی سوانح نویسی کی روایت کے بانی، علی اصغر حکمت ہیں جنھوں نے ۱۹۴۲ء میں **جامی** تألیف اور شایع کی۔اس کے بعد یہ روایت تسلسل کے ساتھ جاری ہے بلکہ یہ کہنے میں کوئی مضایقہ نہیں کہ اس وقت تک ایران میں جامی کے حوالے سے جو کتب شایع ہوئی ہیں اوران پر جو کام ہوا ہے وہ دیگر ممالک سے بڑھ کر ہے۔ایرانی جامعات میں جامی پر جو تحقیقی مقالات ڈگری کی ہر سطح پر لکھے گئے ہیں وہ الگ ہیں۔ آرام نیکو کی ایک رپورٹ کے مطابق، ۱۹۷۷ تا ۲۰۰۷ء، تقریباً تیس سالہ عرصے میں ایران میں جامی کی مختلف تصانیف ۱۳۶ بار شایع ہوئیں اور چھپنے والے نسخوں کی مجموعی تعداد ۶۴۶ ہزار نسخے تھی۔ (۱۹)

مصطفیٰ درایتی نے ایران میں کسی بھی عربی تصانیف کے سب سے زیادہ مخطوطات کا جو جائزہ ۲۰۱۱ء میں پیش کیا ہے،اس میں جامی کی عربی تصنیف **الفواید الضیائیہ فی شرح الکافیہ** نویں درجے پر ہے اوراب تک اس کے کل ۳۵۷ قلمی نسخے ایران میں فہرست کیے جا چکے ہیں۔ **الفواید الضیائیہ** ۱۱ رمضان ۸۹۷ھ کو تصنیف ہوا تھا۔ چار ایرانی نسخوں کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ اسی تاریخ کو کتابت کیے گئے تھے۔ (۲۰)

حکمت کے بعد، ایران میں مقیم افغان محقق، نجیب مایل ہروی (پ:۱۳۲۹ش / ۱۹۵۰ء) کا جامی کے حوالے سے وقیع کام ہے۔وہ ۱۹۷۸ء سے تا حال ایران میں سکونت پذیر ہیں اوران کے سارے تحقیقی کام ایران ہی میں چھپے ہیں۔تصوّف وعرفان اور تدوین متون پر ان کو ایران میں

صاحبِ رائے مانا جاتا ہے۔ جامی کے حوالے سے ان کی تین تحقیقات ہیں۔ پہلے انھوں نے جامی کا رسالہ **حلیہ حلل** مرتب کیا (مشہد، ۱۹۸۲ء) اور اس پر مقدمہ لکھا جس میں پہلی بار ان کی جامی کے بارے میں کچھ تنقیدی آراء سامنے آئیں جنھیں وہ بعد میں بھی اپنی دیگر تحقیقات میں دہراتے رہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جامی کو ''خاتم الشعراء'' کہنا بے جا ہے! ان کی دوسری تحقیق باخرزی کی **مقامات جامی** کی تدوین ہے جس کا ذکر گذر چکا ہے۔ اس کے مقدمے اور تعلیقات میں بھی ان کے جامی کے بارے میں نظریات کا واضح اظہار ہوا ہے۔ مقامات کے مقدمہ میں انھوں نے بتایا ہے کہ وہ جامی کی مثنوی سلسلۃ الذہب پر جداگانہ تحقیق کر رہے ہیں [۲۱] یہ تحقیق ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی۔ ان کی جامی پر مستقل تحقیقی کتاب کا ذکر ذیل کی سطور میں کیا جا رہا ہے۔

شیخ عبدالرحمان جامی / جامی، انتشارات طرح نو، تہران، ۱۳۷۷ش / ۱۹۹۸ء، ۳۴۱ص

اس کے ابواب کے عنوانات یہ ہیں:

جامی کا زمانہ

دشت اصفہان سے خیابان ہریوا (ہرات) تک

جامی کے معاصر سیاسی دربار اور عوام کی معاشرتی - ثقافتی پسندیں

ادب اور دانشوری کی سطح

جامی تصوّف کے میدان میں

جامی تیموری حکومت کے بعد

مزید مطالعہ کے لیے مواد (تصانیف جامی، تصانیف جامی کی تنقیدی تدوین کی ضرورت، جامی کے بارے میں دوسروں کی تحریریں)

یہ کتاب جدید دور میں جامی پر تنقیدی کتاب ہے۔ لاری نے **تکملہ** اور باخرزی نے **مقامات** میں جامی کو تقدس کے جس ہالے میں رکھا ہے، وہ نجیب کی اس کتاب میں نظر نہیں آتا۔ مصنف نے اس کتاب میں کیا لب ولہجہ اختیار کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ کتاب کی پہلی سطر سے ہی ہو جاتا ہے۔ مصنف نے اپنا دیباچہ یہاں سے شروع کیا ہے (ترجمہ):

''بہ زر بفتِ سلاطین جامی از اشعار خود لافد
چو درویش ار بہ جولائی فتد، بینم چہ می بافد

یہ منفرد بیت، جامی کے ایک ہم عصر شاعر درویش دہکی قزوینی کا ہے جو اپنی جگہ پر ادب اور سیاست پر ایسی تنقید ہے کہ جامی کی شاعری کو اسی معیار پر پرکھا جا سکتا ہے۔ اس بیت سے یہ پتا چلتا ہے کہ نویں صدی ہجری میں ایسے دیدہ ور بھی گذرے ہیں جن کی نظر زمانے کی زیادتیوں پر تھی۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ جامی کو کچھ لوگ ''مجدّد'' اور نویں صدی کا مصلح کہتے تھے اور ان کی وفات سے چند صدیاں بعد، انھیں ایک رشک انگیز لقب ''خاتم الشعراء'' سے پکارنے لگے اور ان کی تصانیف ایران کے شرق و غرب اور پھر دنیا کے کونے کونے میں پھیلاتے رہے؛ عربی اور فارسی ادب میں جامی کو بے مثل قرار دیتے رہے اور تصوّف و عرفان میں ابن عربی سے ان کا مقام بالاتر گردانتے رہے۔ برتری اور بلندی کا یہ تانا بانا جامی کے گرد کیسے تن گیا؟''(۲۲)

نجیب مایل ہروی نے دراصل اسی سوال کا جواب اپنی کتاب میں دیا ہے۔

☆☆☆

سنگی چھاپہ کا دور گذرنے کے بعد، جامی کی تصانیف کی از سر نو تدوین اور انھیں بہتر انداز میں شایع کرنے میں بھی ایرانی فضلاء کا بہت حصہ ہے۔ ایسی سب کتابوں کا تذکرہ، تکملۂ آثار جامی میں ہوگا، یہاں محض اشارات کافی ہیں۔

مہدی توحیدی پور نے **نفحات الانس** کی تدوین کی (تہران، ۱۳۳۷ش)۔

مرتضی مدرس گیلانی نے **مثنوی ہفت اورنگ** میں جامی کی ساتوں مثنویوں کی یک جا تدوین کی (تہران، ۱۳۳۷ش)۔

جامی کے دواوین کی تدوین کے سلسلے میں ہاشم رضی کے مرتبہ **دیوان کامل جامی** (تہران، ۱۳۴۱ش) کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ اس پر مرتّب نے ایک طویل مقدمہ نویں صدی ہجری کی ادبی، فلسفی اور سیاسی تاریخ پر لکھا ہے اور جامی کے احوال و آثار اور اشعار پر تنقیدی بحث کی ہے۔ ۳۰۲ صفحات پر مشتمل یہ مقدمہ بجائے خود ایک کتاب ہے۔ صرف یہی نہیں، آخر میں پچیس قسم کے مختلف اشاریے لگا کر ایک طرح سے جامی کے اشعار کا موضوعاتی تجزیہ کر دیا گیا ہے۔ اس تدوین میں مرتّب نے دیوان جامی کے دس مخطوطات سے استفادہ کیا ہے۔

ڈاکٹر محمود عابدی نے جامی کے حوالے سے تدوین کا بہت عمدہ کام کیا ہے۔ **نفحات الانس** اور **تکملۂ نفحات الانس** کی تدوین ان کے کارنامے ہیں۔ نفحات کی تصحیح و تدوین کا کام انھوں نے

تقریباً ۱۹۸۹ء میں مکمل کیا اور اگلے سال یہ کتاب شایع ہوئی۔ مرتب نے اپنے ۶۰ صفحات کے مقدمہ میں جامی کے حالات زندگی، تصانیف اور نفحات کے بارے میں مباحث شامل کیے ہیں۔ ''تعلیقات وتوضیحات'' کے تحت جو کچھ لکھا ہے (ص ۶۳۷-۹۳۱) وہ بجائے خود نفحات کی شرح ہے۔ تکملۂ نفحات الانس کی تدوین میں بھی انھوں ''تعلیقات وتوضیحات'' کا اہتمام کیا ہے جس میں جامی کے احوال وآثار پر معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں (ص ۸۹-۱۷۰)

محمد روشن نے دیوان جامی کی ایک اشاعت پر مقدمہ لکھا ہے اور جامی کی سلامان وابسال پر تنقیدی کام کیا ہے۔

یہاں چند دیگر ایرانی مطبوعات کا بھی ذکر کیا جاتا ہے:

شیخ عبدالرحمٰن جامی، کیومرث پارسای، انتشارات دبیر، ۱۳۷۸ش، ۳۲ص

مجموعۂ مقالات ہمایش بین المللی دربارۂ عبدالرحمان جامی، فریدالدین عطار وحکیم عمر خیام، بہ اہتمام حسن بیک باغبان، مرکز نشر دانشگاہی، تہران، ۱۳۸۱ش، ۳۰۴ص

جامی، محمود برآبادی، سازمان پژوہش وبرنامہ ریزی آموزشی، انتشارات مدرسہ، تہران، ۱۳۸۳ش، ۸۰ص

عرفان جامی در مجموعۂ آثارش، سوسن آل رسول، وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی، سازمان چاپ وانتشارات، تہران، ۱۳۸۳ش، ۲۲۸ص

عارف جام (زندگی جامی)، مجید جلالی، شرکت توسعہ کتاب خانہ ہاے ایران، تہران، ۱۳۸۴ش، ۲۳۲ص

نقد روان جامی، منوچہر دانش پژوہ، انتشارات ہمشہری، تہران، ۱۳۸۸ش / ۲۰۰۹ء، ۱۸۴ص

ایران کے اسلامی انقلاب (۱۹۷۹ء) کے بعد ایران میں دائرۃ المعارف نویسی کی جو تحریک چلی ہے وہ کہیں تھمتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اس کے نتیجے میں ایران میں کچھ معیاری اور کچھ غیر معیاری انسائیکلوپیڈیا ئیں چھپی ہیں۔ دونوں طرح کے دائرہ ہاے معارف میں جامی اور ان کی تصانیف پر مقالات موجود ہیں۔

اس نوعیت کا معیاری اور مفصل مقالہ ڈاکٹر اصغر داد بہ کا ہے جو **دائرۃ المعارف بزرگ**

اسلامی میں مادّہ ''جامی'' کے تحت چھپا ہے (تہران، ۱۳۸۸ش / ۲۰۱۰ء، ج ۱۷، ص ۳۶۳-۳۸۷)۔اس مقالے کے ذیلی عنوانات یہ ہیں: حالات زندگی، تصانیف، ممدوحین اور مدحیں، صفات، نجی زندگی، ادبیات، تصوّف وعرفان۔اس کے ساتھ ہی ''جامی وموسیقی'' عنوان کے تحت امیر حسین پور جوادی کا مقالہ ہے (ایضاً ص ۳۸۷-۳۸۹)

دانش نامۂ جہان اسلام میں ''جامی'' پر مہدی مجتبیٰ کا مقالہ قدرے مختصر ہے (تہران ۱۳۸۴ش / ۲۰۰۵ء، ج ۹، ص ۴۰۵-۴۱۱)۔اس میں جامی کے حالات زندگی بیان ہونے کے بعد ذیلی عنوانات یہ ہیں: جامی کا ہم عصر تاریخی ماحول، جامی کا تصوّف، اشعار وآثار۔

دل چسپ امر یہ ہے کہ خالص شیعی موضوعات کے لیے مخصوص دائرۃ المعارف تشیّع میں بھی جامی پر مقالہ موجود ہے جسے ایک خاتون اکرم ارجح نے لکھا ہے (تہران، ۱۳۷۵ش / ۱۹۹۶ء، ج ۵، ص ۲۷۵-۲۷۷)۔اس میں جامی کے حالات وتصانیف پر معلومات ہیں۔مضمون کا آخری حصہ جامی کے مذہبی عقاید پر بحث کرتا ہے۔مضمون نگار کا خیال ہے کہ جامی، جبری مذہب اشعری تھے اور شافعی مکتب فقہ کے پیروکار تھے۔ان میں شیعی تعصب نہ تھا لیکن انکار ایمان ابوطالب کے قائل تھے جو شیعی عقاید کے برعکس ہے۔اسی وجہ سے شیعوں کے ہاں جامی کی شہرت ایک سنّی کی ہے (ص ۲۷۶)۔

ایران میں خالص ادبی موضوعات پر جو دائرۃ المعارف مرتّب ہو رہے ہیں، لامحالہ ان بھی ''جامی'' مقالہ موجود ہے۔اس نوعیت کے مقالات حسب ذیل ہیں:

دانش نامۂ ادب فارسی (ادب فارسی در افغانستان)، زیر نظر حسن انوشہ، تہران، ۱۳۷۸ش / ۱۹۹۹ء، ج ۳، ص ۲۷۲-۲۷۴، ادارے نے خود ہی مقالہ لکھا ہے۔زیادہ تر جامی کی تصانیف کا تعارف ہوا ہے۔تنقیدی اشارات اور نئی تحقیقی اطلاعات نہیں ہیں۔

دانش نامۂ زبان وادب فارسی در شبہ قارہ، زیر نظر فرہنگستان زبان وادب فارسی، تہران، ج ۲، ص ۱۱۸۷-۱۱۹۰، اس میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی کے ایک استاد اخلاق احمد آہن کا لکھا ہوا مقالہ ''جامی در شبہ قارہ'' (جامی برّصغیر میں) ہے۔جس میں جامی کے ہندوستان کے ساتھ تعلقات، جامی کی تصانیف کے برّصغیر میں مخطوطات، ان کے تراجم اور شروح کا ذکر کیا گیا ہے۔ برّصغیر میں جو مثنویات، جامی کی مثنویوں کی پیروی میں لکھی گئی ہیں ان کی بھی فہرست دی گئی ہے۔

دانشنامۂ زبان وادب فارسی، بہ سرپرستی اسماعیل سعادت، ناشر فرہنگستان زبان وادب فارسی، تہران، ۱۳۸۶ش / ۲۰۰۷ء، ج ۲، ص ۴۹۳-۴۹۶، محمد روشن کا مقالہ ''جامی'' ہے۔

کتب پر مقالات کے لیے مخصوص **فرہنگ آثار ایرانی - اسلامی**، بہ سرپرستی احمد سمیعی گیلانی، کی اب تک دو جلدیں شایع ہو چکی ہیں (انتشارات سروش، تہران، ۲۰۰۷-۲۰۰۹ء)، اس میں جامی کی بعض تصانیف، جیسے بہارستان، تائیہ، تحفۃ الاحرار پر مقالات ہیں۔

ایران کے اشاعتی اداروں نے جامی کی تصانیف کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ غیر ایرانی محققین کی تدوین کردہ کتب بھی ایرانی ناشرین نے شایع کی ہیں۔ ولیم چِٹک کی مرتبہ **نقد النصوص فی شرح الفصوص**، جس پر ایرانی فلسفی سید جلال الدین آشتیانی نے مقدمہ لکھا، انقلاب ایران سے ذرا پہلے ۱۹۷۸ء میں انجمن شاہنشاہی فلسفۂ ایران نے شایع کی۔ تاجک محققین نے تصانیف جامی کی تدوین کا جو کام اپنے ملک میں شایع کیا تھا اور وسطی ایشیا سے باہر رہنے والے محققین کی دسترس میں نہیں تھا اور طباعت کی خوب صورتی سے بھی عاری تھا، مرکز نشر میراث مکتوب، تہران نے انھیں طباعت کے عمدہ معیار کے ساتھ، از سر نو شایع کیا ہے۔ اعلا خان افصح زاد کی کتاب **نقد و بررسی آثار و شرح احوال جامی** (۱۹۹۹ء)، **دیوان جامی** (۱۹۹۹ء)، **نامہ ہا و منشآت جامی** (۲۰۰۰ء) **بہارستان و رسائل جامی** (۲۰۰۰ء)، ان میں شامل ہیں۔

روس اور وسطی ایشیا میں جامی شناسی

وسطی ایشیا کی اسلامی ریاستوں سے جامی کا تعلق زمانۂ طالب علمی ہی سے رہا ہے، جب وہ سمرقند کے مدرسۂ الغ بیگ میں پڑھتے تھے۔ اب بھی اس مدرسہ میں دائیں ہاتھ کے دوسرے حجرے پر یادگاری تختی نصب ہے جس پر لکھا ہے، ''یہ جامی کا حجرہ رہا ہے۔'' سمرقند ہی کے میرزا ہمدم نامی نوجوان کے ساتھ اُن کے تعلق خاطر کے قصے مشہور ہیں۔ جامی کا فاراب (تاشقند) بھی جانا ہوا۔

وسطی ایشیا میں جامی کی تصانیف کے مخطوطات کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔ ارکن اف نے اپنے ایک مقالے میں وسطی ایشیا میں جامی کی تصانیف کے مخطوطات کی تعداد ۸۳۷ بتائی ہے۔ یہ تخمینہ صرف مطبوعہ فہارس مخطوطات کی بنیاد پر ہے، اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ (۲۳)

وسطی ایشیا کے جن علاقوں میں فارسی زبان رائج ہے وہاں اب بھی جامی کے احوال و آثار سے دلچسپی پائی جاتی ہے۔ اس بات کا اندازہ جامی کی تصانیف کی وہاں طباعت و اشاعت اور ان تصانیف کے روسی اور اُزبکی زبانوں میں تراجم کی اشاعت سے بھی ہوتا ہے۔ تاشقند اور ماسکو سے مثنویات **ہفت اورنگ**، **فوائد الضیائیہ** اور **رسالۂ علم موسیقی** شائع ہو چکے ہیں، جب کہ روس کی سائنسز اکیڈمی نے **بہارستان**، **لیلیٰ و مجنون**، **یوسف و زلیخا** اور **سلامان و ابسال** کے تراجم طبع کیے ہیں۔

ا.ای. کریمسکی کی روسی تصنیف **تاریخ ایران، ادبیات و تصوّف** تین جلدوں میں شایع ہوئی (۱۹۰۶-۱۹۱۴ء)، اس کتاب میں پہلی بار جدید تنقیدی نظریات کی رو سے جامی کے اسلوب، ادبی مقام اور موضوعات کی رنگارنگی پر بحث کی گئی ہے۔

مشہور روسی ایران شناس آنجہانی ی.ا. برٹلس نے جامی سے متعلق تین کتابیں لکھیں:

-**جامی: زمانہ اور تصانیف**، (روسی زبان میں)، استالین آباد، ۱۹۴۹ء

-**خردنامۂ اسکندری جامی کی تدوین**، (روسی مقدمے کے ساتھ)، ماسکو، ۱۹۴۹ء

-**آثار منتخب نوایی و جامی**، (روسی زبان میں)، مطبوعہ ۱۹۶۵ء

پروفیسر شامحمد اف (گورنمنٹ یونیورسٹی، تاشقند) نے اُزبک قارئین کے لیے ایک کتاب **عبدالرحمان جامی (حیات و ایجادیات)**، تاشقند، ۱۹۶۳ء، شایع کی۔

فلی یف، ا، **عبدالرحمان جامی**، باکو، ۱۹۶۴ء

کابیدزی، د.ا، **عبدالرحمان جامی**، (گرجی زبان میں)، تفلیس، ۱۹۶۴ء

نصرالدین اف، ا، جامی شاعر و متفکر بزرگ، دوشنبہ، ۱۹۶۴ء

ہاشم رحیم، **ہیکل بزرگ نظم**، دوشنبہ، ۱۹۶۴ء

رجب اف، اف. ایم، **عبدالرحمان جامی اور پندرہویں صدی میں تاجک فلسفہ**، (روسی زبان میں)، دوشنبہ، ۱۹۶۸ء

ستار اف، عبدالنبی، **از تاریخ آموزش اندیشہ ہای ادبی جامی**، دوشنبہ، ۱۹۷۵ء

واحد اف، اف. الیس، **دائرۂ آموزشی و حیات و ایجادیات جامی در اتفاق ساویتی**، دوشنبہ، ۱۹۷۵ء

پارسا شمسی اف، جو اکادمی زبان و ادبیات، ازبکستان سے وابستہ ہیں، انھوں نے ایک

کتابچہ جامی سے متعلق نوائی کی تحریریں مرتّب کیا ہے۔

ابوریحان بیرونی انسٹی ٹیوٹ، تاشقند، ازبکستان نے **فہرست مخطوطِ آثار جامی** تدوین کی ہے جس میں جامی کی تصانیف و تألیفات کے پانچ سو سے زائد قلمی نسخوں کا ذکر ہے۔

م.م. اشرفی نے **تصانیف جامی کے مخطوطات میں سولہویں صدی کی تصاویر** (روسی اور انگریزی زبان میں لکھی، طبع ماسکو، لائپزک، ۱۹۶۶ء، ۵۰۰ص (۲۴)

وسطی ایشیا کے جامی شناسوں میں نمایاں ترین نام اعلاخان افصح زاد (۱۰ نومبر ۱۹۳۵-۱۵ جولائی ۱۹۹۹ء) کا ہے۔ ان کا تعلق تاجکستان سے ہے۔ افصح زاد نے جامی کے احوال و آثار پر جو تحقیقی کام کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کا قیمتی حصہ جامی پر تحقیق کی نذر کیا ہے۔ انھوں نے جامی پر اپنی کتاب کے مقدمے کا عنوان ہی ''تمام عمر با جامی'' رکھا ہے اور اس میں انھوں نے بتایا کہ کس طرح جامی سے اُنس ان کے خاندان میں نسل در نسل منتقل ہو کر ان تک پہنچا۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنے دادا (اور خاندان کے دیگر افراد) کے جو واقعات بیان کیے ہیں وہ پڑھ کر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے کہ کس طرح جامی کی شاعری فارسی زبان کے علاقوں میں لوگوں کی زندگی میں شامل تھی اور جامی ہر جگہ موجود تھے۔ افصح زاد نے جامی کی جو تصانیف مرتّب کر کے، کیمونسٹ دور میں سوویت یونین کی ریاستوں سے شایع کیں ان میں **بہارستان** (دوشنبہ، ۱۹۷۲ء، ۱۹۷۶ء، ۱۹۸۷ء، ماسکو، ۱۹۸۷ء) **لیلی و مجنون**، **فاتحۃ الشباب**، **واسطۃ العقد**، **خاتمۃ الحیات** (ماسکو، ۱۹۸۱-۱۹۷۴ء)، **گلشن ادب** جلد سوم میں **خردنامۂ اسکندری**، **سلامان وابسال کا انتخاب** (دوشنبہ، ۱۹۷۶ء) روسی زبان میں **جامی کے آثار کا انتخاب** (لنین گراد، ۱۹۷۸ء)، **آثار جامی**، جلد ۱، ۲، ۵، ۶، ۷ (دوشنبہ، ۱۹۸۹-۱۹۸۶ء)، **لیریکہ**، **داستانہا**، **بہارستان** (روسی زبان میں، دوشنبہ، ۱۹۸۹ء)۔ دیگر مرتبین کی طرف سے جامی کی تصانیف کی تدوین میں بھی افصح زاد شریک رہے جیسے ح.ا. تربیت اور محمد عاصمی کے مدوّنہ متون **تحفۃ الاحرار**، **سبحۃ الابرار**، **خردنامۂ اسکندری** (ماسکو، ۱۹۸۴ء)، ابوبکر ظہور الدین، علی محمدی اور اسرار رحمان اف کے مرتب کردہ **جامی کے رسائل** آٹھ جلدوں میں (دوشنبہ، ۱۹۸۹ء)، عصام الدین اوروں بایف اور اسرار احمان اف اور یو.بس. مالتسوف کے مرتب کردہ **مکتوبات جامی**؛ A.Bolijuwa کی مرتب کردہ فہرست ''**جامی سوویت یونین میں**''۔ افصح زاد اور سوویت یونین دور کے دیگر محققین نے جامی کے

متون کی تدوین میں سوویت یونین کی ریاستوں کے کتب خانوں میں محفوظ جامی کی تصانیف کے اُن نسخوں کو استعمال کیا جو اُس وقت دنیا کے دیگر محققین کی دسترس سے باہر تھے۔ افصح زاد کے مرتب کردہ ان تمام کاموں کا ذکر اپنے اپنے مقام پر ہوا ہے۔ یہاں ان کی اس کتاب کا تعارف کروانا مقصود ہے جو خاص جامی کے احوال و آثار پر ہے:

نقد و بررسی آثار و شرح احوال جامی، مرکز مطالعات ایرانی و دفتر نشر میراث مکتوب، تہران، ۱۳۷۸ ش / ۱۹۹۹ء، ۲۷۷ ص

فصل اول: جامی کا زمانہ
فصل دوم: جامی کی زندگی اور شخصیت
فصل سوم: جامی کی علمی اور ادبی میراث
فصل چہارم: جامی بہ حیثیت متبحر عالم (جامی کی ادبی اور دینی تصانیف کا جائزہ)
فصل پنجم: جامی بہ حیثیت شاعر اور ادیب (جامی کی نثری اور منظوم تصانیف کا جائزہ)
فصل ششم: جامی بحیثیت مفکّر

اس کے بعد تین الگ مقالات ہیں:

جامی شاعر غزل سرا
قصہ لیلی و مجنون کا تجزیہ
جامی کی داستان گوئی میں اسلوب اور صنایع بدایع کی خصوصیات

من جملہ دیگر خوبیوں کے، اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ دیگر معلومات کے پہلو بہ پہلو، مصنف نے سوویت یونین میں جامی پر ہونے والے کام پر معلومات بھی بہم پہنچائی ہیں جن سے ہم لوگ بہ ہر حال ناواقف ہیں۔ یہ جامی پر جامع ترین کتاب ہے جس میں خاص طور پر جامی کی تصانیف کا تنقیدی جائزہ بڑی خوبی سے لیا گیا ہے۔

وسطی ایشیا کے محققین کے تدوین کردہ رسائل جامی ایران سے شایع ہوئے ہیں:

بہارستان و رسائل جامی (مشتمل بر رسالہ ہای: موسیقی، عروض، قافیہ، چہل حدیث، نائیہ، لوامع، شرح تائیہ، لوائح، سررشتہ) مقدمہ و تصحیح اعلا خان افصح زاد، محمد جان عمر اُف، ابوبکر ظہور الدین، مرکز نشر میراث مکتوب، تہران، ۱۳۷۰ش

سلسلۂ بیعت امیر بخاری، عبداللہ الہی، خواجہ عبید اللہ احرار، یعقوب چرخی سے ہوتا ہوا، خواجہ بہاء الدین نقشبند تک پہنچتا ہے، انھوں نے جامی کی تصانیف **شواہد النبوۃ** **نفحات الانس**، **سلامان و ابسال** کے ترکی زبان میں تراجم کیے۔ اسی وجہ سے انھیں ''جامی روم'' کہا جاتا ہے۔

جامی کی **بہارستان** بھی عثمانی دور میں بہت مقبول رہی ہے۔ یہ پہلی بار ۱۲۵۲ھ میں استنبول سے اپنی شرح سمیت شایع ہوئی۔ شرح کا نام **ہدایت العرفان** اور شارح محمد شاکر ہیں۔ **بہارستان** کا عثمانی ترکی زبان میں محمد فوزی نے پہلی بار ترجمہ کیا اور یہ استنبول سے ۱۳۲۷ھ میں چھپا۔ بیسویں صدی عیسوی میں **بہارستان** کا جدید ترکی زبان میں بھی دو بار ترجمہ ہوا۔ محمد نوری گنج عثمان کا ترجمہ انقرہ سے ۱۹۴۵ء میں اور رفعت بیلگہ کا استنبول سے ۱۹۷۰ء میں شایع ہوا۔

جامی کے **شرح بیتین مثنوی** (نائیہ) کا ترکی ترجمہ سلیمان نشأت نے کیا جو **ترجمۂ دو بیت مثنوی** کے نام سے ۱۲۶۳ھ میں استنبول سے چھپا۔

علی اصغر حکمت کی کتاب **جامی** کا ترکی ترجمہ محمد نوری گنج عثمان نے کیا جو وہاں سے دو بار شایع ہو چکا ہے، جیسا کہ ہم ص ۱۷ پر بتا چکے ہیں۔

جامی کی سلطنت عثمانیہ کی حدود میں مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ترکی کے کتب خانے جامی کی تصانیف کے قلمی نسخوں سے بھرے پڑے ہیں۔ میرے پاس ترکی کے کتب خانوں میں موجود آثار جامی کے ۱۸۹۸ مخطوطات کے کوائف موجود ہیں۔ (۲۷)

ترکیہ دیانت وقف کے **اسلام انسکلو پیڈیا** (*Islam Ansiklopedisi*) جلد 7، ص 94-99، استنبول، 1993، جامی پر یہ مقالہ موجود ہے:

CAMI, Abdurrahman نوشتۂ Omer Okumus

مغرب میں جامی شناسی

یورپ اور امریکہ میں جامی پر جو کام ہوا ہے اور وہاں جامی کی بعض تصانیف کے جو تراجم ہوئے ہیں، راقم السطور کے لیے ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اتنا ہے کہ فارسی ادب کی جتنی تواریخ وہاں لکھی گئیں، ان سب میں جامی کا مہتم بالشان ذکر ہوا ہے۔ بالخصوص برطانوی مشرق شناس ایڈورڈ براون (Edward Granville Browne ,1862 - 1926) کی *Literary History of Persia* اور چیک مستشرق جان ریپکا (Jan

سلسلۂ بیعت امیر بخاری، عبداللہ الٰہی، خواجہ عبید اللہ احرار، یعقوب چرخی سے ہوتا ہوا، خواجہ بہاء الدین نقشبند تک پہنچتا ہے، انھوں نے جامی کی تصانیف **شواہد النبوۃ، نفحات الانس، سلامان و ابسال** کے ترکی زبان میں تراجم کیے۔ اسی وجہ سے انھیں ''جامی روم'' کہا جاتا ہے۔

جامی کی **بہارستان** بھی عثمانی دور میں بہت مقبول رہی ہے۔ یہ پہلی بار ۱۲۵۲ھ میں استنبول سے اپنی شرح سمیت شایع ہوئی۔ شرح کا نام **ہدایت العرفان** اور شارح محمد شاکر ہیں۔ **بہارستان** کا عثمانی ترکی زبان میں محمد فوزی نے پہلی بار ترجمہ کیا اور یہ استنبول سے ۱۳۲۷ھ میں چھپا۔ بیسویں صدی عیسوی میں **بہارستان** کا جدید ترکی زبان میں بھی دوبار ترجمہ ہوا۔ محمد نوری گنج عثمان کا ترجمہ انقرہ سے ۱۹۴۵ء میں اور رفعت بیلگہ کا استنبول سے ۱۹۷۰ء میں شایع ہوا۔

جامی کے **شرح بیتین مثنوی** (نائیہ) کا ترکی ترجمہ سلیمان نشأت نے کیا جو **ترجمۂ دو بیت مثنوی** کے نام سے ۱۲۶۳ھ میں استنبول سے چھپا۔

علی اصغر حکمت کی کتاب **جامی** کا ترکی ترجمہ محمد نوری گنج عثمان نے کیا جو وہاں سے دوبار شایع ہو چکا ہے، جیسا کہ ہم ص ۱۷ پر بتا چکے ہیں۔

جامی کی سلطنت عثمانیہ کی حدود میں مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ترکی کے کتب خانے جامی کی تصانیف کے قلمی نسخوں سے بھرے پڑے ہیں۔ میرے پاس ترکی کے کتب خانوں میں موجود آثار جامی کے ۱۸۹۸ مخطوطات کے کوائف موجود ہیں۔ (۲۷)

ترکیہ دیانت وقف کے **اسلام انسکلو پیدیسی** (*Islam Ansiklopedisi*) جلد 7، ص 94-99، استنبول، 1993، جامی پر یہ مقالہ موجود ہے:

Omer Okumus نوشتۂ CAMI, Abdurrahman

مغرب میں جامی شناسی

یورپ اور امریکہ میں جامی پر جو کام ہوا ہے اور وہاں جامی کی بعض تصانیف کے جو تراجم ہوئے ہیں، راقم السطور کے لیے ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اتنا ہے کہ فارسی ادب کی جتنی تواریخ وہاں لکھی گئیں، ان سب میں جامی کا مہتم بالشان ذکر ہوا ہے۔ بالخصوص برطانوی مشرق شناس ایڈورڈ براون (Edward Granville Browne ,1862 – 1926) کی *Literary History of Persia* اور چیک مستشرق جان ریپکا (Jan

Rypka,1895-1968) کی مرتبہ *History of Iranian literature* میں جامی کا بہت عمدہ ذکر ہوا ہے۔

ہندوستان میں موجود برطانوی مستشرقوں کے کام کو بھی اگر اس زمرے میں شامل کر لیا جائے تو ولیم ناسولیس نے بہت پہلے جامی پر تحقیق کا آغاز کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو:

William Nassau Lees(1825-1889),*A biograpical sketch of the mystic philosopher and poet Jami*, Calcutta, 1859, 20pp.

اسی مستشرق نے **نفحات الانس** کو مرتب کیا اور کلکتہ سے شایع کیا۔

ہڈلینڈ ڈیوس کی جامی پر علیحدہ کتاب ''ایرانی صوفی جامی'' موجود ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

Frederick Hadland Davis,***The Persian Mystics Jami,***The Wisdom of the East Series, London, , 1908 , 107 pp.

Contents:

1. The life of Jami.
2. The story of Salaman and Absal.
3. The teaching of the *Lawaih*.
4. The story of "Yusuf and Zulaikha".
5. The *Baharistan* or "Abode of spring".
6. Selections from *Salaman and Absal*, *Lawaih*, *Yusuf and Zulaikha* and *Baharistan*.

انسائیکلوپیڈیا اف اسلام *Encylopaedia of Islam* (طبع لائیڈن) میں جامی پر مقالہ کارل ہوارت کا مقالہ موجود ہے:

C.Huart, "Djami", vol. II, pp. 421-22 (rev. H. Massé)

انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا *Encylopaedia Iranica* طبع نیویارک میں Jami کے تحت مقالہ تین حصوں میں ہے اور یہ تین الگ الگ محققین نے لکھا ہے:

i. LIFE AND WORKS,Paul Losensky

ii. JAMI AND SUFISM,Hamid Algar

iii. JAMI AND PERSIAN ART,Chad Kia

جامی کے برّصغیر کے ساتھ تعلقات

حکمت نے کتاب جامی میں، جامی کے برّصغیر سے تعلقات پر نہایت ہی اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ جامی کی برّصغیر میں غیر معمولی مقبولیت اور اہمیت کے پیشِ نظر اور ان پر یہاں پاکستان میں کام کرتے وقت ہمارے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ ہم ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لیں جو جامی اور اس خطّہ کے باہمی تعلقات اور یہاں ان کے افکار و اشعار کے داخل ہونے کے اسباب، وسائل اور مقبولیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

جامی بذاتِ خود کبھی برّصغیر نہیں آئے، لیکن وہ یہاں حافظ شیرازی کی طرح آنے کی دلی خواہش ضرور رکھتے تھے۔ جیسا کہ ہندوستان میں اپنے مکتوب الیہ ملک التّجار۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ کے نام اپنے ایک خط میں اس آرزو کا اظہار بھی کرتے ہیں:

جامی آن دارد کہ آرم رو بہ ہندوستان کہ شد　　ہند رشکِ روم از عکس جمال انورش

ملک او ہندست و من آن بشر؟ عشق آئین کہ بود　　عمرہا سودای ہند اندر دل غم پرورش (۲۸)

لیکن وہ اپنی کہولت اور بڑھاپے کے باعث اس طویل سفر پر روانہ نہ ہو سکے۔ اسی خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

> "بہ واسطۂ تزاحم علائق و تراکم عوائق کہ از آن جملہ مراقبۂ اوقات کہن سالی است شکستہ احوال کہ بہ حکم "الجنّة تحت اقدام الامهات ..." این نیت بہ عمل نرسید و این منیت محصّل نگردید..." (۲۹)

اس طرح برّصغیر سے جامی کے گوناگوں تعلقات کی نوعیت معنوی ہے۔ ہم ان تعلقات کا مندرجہ ذیل زاویوں سے جائزہ لیں گے:

جامی کا برّصغیر کے شعرا سے متاثر ہونا؛

جامی اور علماے برّصغیر کے درمیان مراسلت؛

جامی اور علماے برّصغیر کے مابین ملاقاتیں؛

جامی کی کتب کا برّصغیر میں پہنچنا اور مقبول ہونا؛

برّصغیر میں جامی کی تصانیف سے اعتناء اور جامی شناسی؛
برّصغیر میں جامی کے شاگرد؛
برّصغیر میں جامی کے حالات پر کتب نویسی۔

ہندی شعرا سے متاثر ہونا

امیر خسرو دہلوی (۶۵۱-۷۲۵ھ)

مولانا جامی ہندوستانی شعرا میں سے پہلے درجے پر یمین الدین ابوالحسن خسرو دہلوی سے غیر معمولی طور پر متاثر تھے۔ جامی کی تصانیف سے ہمیں اس کے متعدد ظاہری اور معنوی شواہد ملتے ہیں۔ **بہارستان** کے روضۂ ہفتم میں جامی نے دیگر اساتذۂ سخن کے پہلو بہ پہلو خسرو کا شاندار ذکر کیا ہے۔ **نفحات الانس** میں جامی نے برّصغیر کے جن گنے چنے مشائخ طریقت کا ذکر کیا ہے ان میں امیر خسرو بھی شامل ہیں۔ جامی امیر خسرو کی غزل سے بہت متاثر تھے۔ تاجک محقق اعلا خان افصح زاد نے اس موضوع پر بڑی جامع تحقیق کی ہے، ان کے بقول:

"غزل سرائی میں جامی، امیر خسرو سے متاثر ہیں۔ اس کا اظہار کبھی وہ فخر سے اور کبھی احترام اور کسر نفسی سے کرتے ہیں۔ غزل گوئی میں جامی، خسرو سے کس طرح متاثر تھے؟ اس سوال کا جواب دو پہلوؤں سے لیا جانا چاہیے۔

اول: جامی، خسرو کی غزلیات کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے؟
دوم: جامی، خسرو کی کس قسم کی غزلیات کی تقلید کرتے ہیں؟

جامی زیادہ تر خسرو کی ایسی غزلوں کو پسند کرتے ہیں جو عاشقانہ ہیں یا ان میں عشق و تصوّف کا آمیزہ ہے اور وہ عشق کے سوز و گداز سے بھرپور ہیں۔ جامی نے خسرو کی ایسی ہی غزلوں کی تقلید کی ہے۔

جامی نیَم، کہ خسرو وقتم بہ ملک عشق
منشور خسروی، غزل عاشقانہ ام!

یا

جامی از خسرو ہمی گیرد طریق سوز و درد
طور او نبود خیالات محال انگیختن

یا

تا کند نسخۂ خسرو کہ بود طوطی ہند
جامی از رشح نی کلک شکر می سازد

جامی نے تقریباً ۳۰ سے ۳۶ غزلیں، خسرو کے جواب میں لکھی ہیں۔ جنھیں فخری ہروی نے اپنی کتاب **تحفۃ الحبیب** (سال تصنیف ۹۲۹ھ) میں درج کر دیا ہے۔"(۳۰)

جامی کے ہاں خسرو کا تتبع صرف غزل تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ قصیدے میں بھی وہ خسرو کے مقلد ہیں۔ جامی کے قصاید جلاء الروح اور لجۃ الاسرار خسرو کے قصاید کی تقلید میں لکھے گئے ہیں۔ مثنویات کو دیکھا جائے تو جامی نے اپنا خمسہ، دو مثنویوں کے اضافہ کے ساتھ تخلیق کیا۔ اس میں خسرو اور نظامی کے **پنج گنج** کی پیروی کی گئی ہے۔ اس امر کا اظہار اور اعتراف انھوں نے **خردنامۂ اسکندری** میں کیا ہے:

نظامی کہ استاد این فن وی است — درین بزمگہ شمع روشن وی است
ز ویرانۂ گنجہ شد گنج سنج — رسانید گنج گہر را بہ پنج
چو خسرو بہ آن پنجہ ہم پنجہ شد — وزان بازوی فکرتش رنجہ شد
من و شرمساری زدہ گنجشان — کہ این پنج من نیست دہ پنجشان (۳۱)

اپنا دیوان اشعار مرتّب کرتے وقت بھی جامی کے پیشِ نظر خسرو کے دواوین ہی تھے، چنانچہ انھوں نے انھی دواوین کی ترتیب کے مطابق اپنی عمر کے ابتدائی، درمیانی اور آخری حصے میں کہے گئے اشعار کو تین دواوین میں تقسیم کیا۔

تتبع اور تقلید سے ہٹ کر جامی نے خسرو کے متفرق اشعار کی شروح بھی لکھی ہیں۔ مثلاً خسرو کے شعر:

ز دریاے شہادت چون نہنگِ 'لا' بر آرد سر
تیمّم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

اور خسرو کی مثنوی **قران السعدین** کے بیت:

ماہ نوی کاصل وی از سال خاست
گشت یکی ماہ بدہ سال راست

کی شرح پر جامی کے مستقل رسائل موجود ہیں۔

علمائے برّصغیر سے مراسلت

لاری، جامی کے حالات میں لکھتے ہیں:

''سلاطین و بزرگان دیگر از ہر صوب چون ترکستان، ہندوستان... کہ ازین (منظور شرفِ صحبتِ جامی است) مہجور وازین سعادت دُور بودند، دایم الاوقات بہ وسیلۂ نامہ ای یا ارسال ہدیہ وتحفہ ای خود را بر خاطر خطیر وضمیر منیر حضرت ایشان می گذرانیدند۔''(۳۲)

یعنی ترکستان اور ہندوستان کے جو اکابر وقت، جامی کی ظاہری صحبت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے تھے، وہ خط کے ذریعے یا تحفہ بھیج کر جامی کی توجہ سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔

برّصغیر میں مندرجہ ذیل اکابر کے ساتھ جامی کی خط وکتابت تھی:

الف: **ملک التّجار**، دکن (۸۱۸-۸۸۶ھ)

خواجۂ جہان عماد الدین محمود گیلانی مشہور بہ محمود گاوان ۸۵۱ھ میں بغرض تجارت، گیلان سے احمد آباد پہنچے اور سلطان علاء الدین بہمنی (۸۳۸-۸۶۲ھ) کے منظورِ نظر ٹھہرے۔ سلطان نے انھیں اپنے دربار میں جگہ دی۔ ہمایون شاہ ظالم بہمنی (۸۶۲-۸۶۵ھ) نے محمود گاوان کو ملک التّجار کا لقب دیا اور اپنی وفات (۸۶۵ھ) سے قبل اپنے نابالغ بیٹے نظام شاہ بہمنی (۸۶۵-۸۶۷ھ) کا وزیر مقرر کیا۔ محمود گاوان کی اصل ترقی اور شہرت سلطان محمد شاہ بہمنی (۸۶۷-۸۸۷ھ) کے زمانے میں ہوئی۔

صوفی منش محمود گاوان سیاسی اور تجارتی بصیرت کے علاوہ علوم منقول ومعقول میں بھی ماہر تھے۔ فارسی انشا نگاری میں وہ استاد تھے۔ ان کی کتابیں **ریاض الانشاء**، **مناظر الانشاء**(۳۳) اور **قواعد الانشاء**، انشانویسی میں مصنف کی مہارت کا بہترین نمونہ ہیں۔(۳۴)

عبدالواسع باخرزی (م ۹۰۹ھ) نے انھیں ''خواجہ کمال الدین محمود قاوان جملۃ الملکِ مُلکِ گلبرگہ'' کے نام والقاب سے یاد کیا ہے اور جامی کے ساتھ ان کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے بقول، محمود قاوان [گاوان] ہر سال دس ہزار کپکی دینار قیمت کے نفیس تحایف ہندوستان سے جامی کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ محمود گاوان اپنے اور جامی کے تعلقات کو خواجۂ

یثربؐ اور اویس قرنیؓ کے تعلقات سے بھی بڑھ کر بتاتے۔ انھوں نے جامی کو ہندوستان بلانے کے بہت جتن کیے، بلکہ یہاں تک کہتے کہ اگر انھیں یقین ہو کہ مولانا جامی ہندوستان آئیں گے تو وہ ان پر زر و لعل و گوہر و یاقوت نچھاور کرنے اور ان کے استقبال کے لیے مصر، شام، عراق، خراسان کے ''صبیح الوجہ رشیق القد'' نو جوانوں کو دکن بلاتے۔ (۳۵)

انشائے جامی اور **ریاض الانشاء** سے جامی اور محمود گاوان کی باہمی مکاتبت کا ثبوت ملتا ہے۔ طرفین نے ایک دوسرے کو نہایت احترام سے مخاطب کیا ہے۔ مثلاً جامی نے اپنے خط میں محمود گاوان کے لیے مندرجہ ذیل القاب استعمال کیے ہیں:

''بہ عالی جناب، نقابت قباب، ایالت ایاب، مخدومی، اعظمی، اکملی، اکرمی، الذی یقصر البیان عن ان یحیط بالقابہ بل الالقاب مطروحۃ دون سُدّۃ بابہ مدّاللہ تعالیٰ ظلال افضالہ غیاثا للدنیا و الدین مغیثا للاسلام و المسلمین۔''(۳۶)

جامی نے ان مکتوبات میں مجموعی طور پر تصوّف کے نکات بیان کیے ہیں۔ جامی کی تحریر فارسی اور عربی اشعار سے مزیّن ہے۔ جامی کو اتنے مرصّع خطوط لکھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ خود محمود گاوان بھی جامی کو بڑے آراستہ و پیراستہ خطوط بھیجتے تھے۔

جامی نے اپنے معاصر اکابر کی بہت کم مدح سرائی کی ہے، لیکن جامی اور محمود گاوان کے درمیان جو غائبانہ رشتۂ مودّت و محبت قائم ہو چکا تھا، اُس کی بنا پر جامی نے محمود گاوان کو اپنے اشعار میں بھی جگہ دی ہے اور اُن کے ایک مکتوب کے جواب میں مفصّل قصیدہ لکھا ہے، جس کا مطلع ہے:

مرحبا اے قاصد ملک معانی مرحبا
الصلا کز جان و دل نذر تو کردم الصلا

اس مفصّل قصیدہ میں جامی نے محمود گاوان کی استادانہ نثر نویسی اور شعر گوئی کی تعریف کی ہے اور ایک بار پھر ان سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا لیکن:

از گران جانی نیارم سویت آمد، ور نہ ہست
جذب شوق از پیش روی و دفع اضداد از قفا (۳۷)

انشائے جامی اور **ریاض الانشاء** کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں اساتذہ کی مکاتبت اور باہمی

تعلق کی گہرائی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ **ریاض الانشاء** میں سات خطوط مولانا جامی کے نام ہیں۔(۳۸)

مثلاً محمود گاوان نے اپنے ایک مکتوب میں جامی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی:

''اگر رباع و بقاع این مرز و بوم را بہ قدوم فیض موسوم منور سازند و دماغ جان وراغ جنان اہل این مکان را بہ نسیم ملاقات مضاہات معطر گردانند، از مکارم عرفان ولوازم احسان آن مطلع مہر ایقان عجیب وغریب نخواہد بود۔''(۳۹)

مگر جواباً جامی نے یوں معذرت کر لی:

''بہ واسطۂ تزاحم علائق وتراکم عوائق کہ از آن جملہ مراقبۂ اوقات کہن سالی است شکستہ احوال کہ بہ حکم ''الجنّة تحت اقدام الامهات ...'' این نیت بہ عمل نرسید و این منیت محصّل نگردید... با این ہمہ امید چنان است کہ حضرت مسبب الاسباب جل شانہ سببّی کہ متضمن نیل این دولت ومتکفل ادراک این سعادت باشد، مہیا دارد و میسر گرداند۔''(۴۰)

جامی نے یہاں اپنی جس پیرانہ سالی کا ذکر کیا ہے اُس کی تائید محمود گاوان کے نام ان کے ایک دوسرے خط سے بھی ہو جاتی ہے:

''فقیر را سنین از ستین گذشتہ و بر حدود سبعین مشرف گشتہ۔''(۴۱)

یعنی اس وقت جامی کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی اور وہ ستر کے پیٹے میں تھے۔ یہ ۸۷۷ھ اور ۸۸۷ھ کا زمانہ ٹھہرتا ہے۔ چونکہ اسی خط کے ہمراہ جامی نے محمود گاوان کو **نفحات الانس** (سال تألیف ۸۸۳ھ) کا ایک نسخہ بھی بھیجا تھا، لہٰذا یہ خط ۸۸۳ اور ۸۸۷ھ کے درمیان لکھا گیا ہوگا۔

مورّخ دکن سیّد محمد بیدری (معاصر) نے لکھا ہے کہ محمود گاوان نے مولانا عین الدین بیجاپوری کی تصنیف **کتاب الانوار** (تذکرۂ اولیاء) کو تصحیح اور نظر ثانی کے بعد مولانا جامی کی خدمت میں بھیجا اور اُن سے مزید حالات لکھنے کی فرمائش کی۔(۴۲)

رسالۂ سوال وجواب ہندوستان

جامی کی تصانیف میں مذکورہ رسالہ کا ذکر ملتا ہے۔ اگرچہ ہمیں یہ رسالہ دستیاب نہیں ہوا

لیکن اس کے نام سے ظاہر ہے کہ جامی نے ہندوستان سے کسی کی طرف سے بھیجے گئے سوال (یا سوالات) کا جواب دیا ہے۔ چونکہ ہند میں تصوّف اور علمی مسائل پر جامی کی محمود گاوان ہی سے باقاعدہ مراسلت تھی، لہٰذا گمان ہے کہ یہ رسالہ، محمود گاوان ہی کے کسی استفسار کے جواب میں لکھا گیا ہوگا۔

ب: **خواجہ علی بن ملک التجّار**

انشاے جامی میں ایک مکتوب ملک التجّار کے بیٹے خواجہ علی کے نام بھی ہے، جس میں جامی نے ان کے لیے اپنی محبت اور مودّت بھرے احساسات کا اظہار کیا ہے۔ (۴۳)

ج: **سیّد عبداللہ حسینی اوچی (م: ۹۷۸ھ)۔ اُچ شریف**

ان سے جامی کی مراسلت اور رابطے کا جائزہ ہم آگے چل کر اسی مقدمے میں لیں گے۔

ہندوستانی علما و شعرا سے ملاقاتیں

برّصغیر میں جامی کے افکار منتقل ہونے کے سلسلے میں ہم ایسی ملاقاتوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے جو یہاں کے علما، شعرا اور جامی کے مابین واقع ہوئیں۔ اس سلسلے میں ہمیں برّصغیر کے ایک مشہور اور کثیر التصانیف عالم، جمالی دہلوی کی جامی سے مفصّل نشست کا حال دستیاب ہوا ہے۔

شیخ جمالی دہلوی (۸۶۳ھ؟ - ۱۰ ذوالقعدہ ۹۴۲ھ / ۱۴۵۹؟ - ۱۵۳۶ء)

حامد بن فضل اللہ جمالی دہلوی اپنے زمانے کے نامور شاعر، ادیب، سیّاح اور سہروردی صوفی گذرے ہیں۔ انھوں نے علم و ادب کی مجلسوں کو رونق بخشی۔ مشائخ و صوفیہ کے معتقد و معتمد اور امرا و سلاطین کے جلیس و ندیم رہے۔ ان کی شاعری کی داد حضرت جامی نے دی۔ انھیں ''خسرو ثانی'' کا لقب سزاوار ہوا۔ وہ صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ انھوں نے **مرآۃ المعانی** اور **مہر و ماہ** جیسی بلند پایہ مثنویاں لکھیں۔ فارسی نثر میں اُن کی یادگار **سیر العارفین** ہے جو برّصغیر پاک و ہند کے اجل مشائخ و صوفیہ کا اوّلین عمومی تذکرہ ہے۔ (۴۴)

مولانا جمالی نے ۸۹۷ھ اور ۹۰۱ھ کے مابین عرب و عجم کے بلادِ اسلامیہ کا ایک طویل سفر کیا۔ اس سفر میں وہ ہرات بھی گئے اور وہاں کے علمی مشاہیر، بالخصوص جامی سے ملے۔ ہرات میں جمالی کا قیام جامی کے ہاں تھا۔ جمالی نے **سیر العارفین** میں اس سفر کی روداد لکھی ہے اور جامی کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہ احقر الانام (جمالی) کعبۂ معظّمہ کے سفر مقدس میں شہر ہری (ہرات) پہنچا اور وہاں کے اکابر سے ملا۔ مثلاً حضرت شیخ صوفی، جو شیخ زین الدین خوافی کے خلفا میں سے تھے؛ حضرت شیخ محمد روجی جو واصلانِ حق میں سے تھے؛ حضرت شیخ عبدالعزیز جامی، جو مشیخت میں ممتاز تھے؛ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی، جو زمانے کے محققین میں سے تھے اور علمِ ظاہر و باطن میں بے مثل تھے اور شاعری میں سعدیِ روزگار تھے؛ خلاصۂ علمائے عظام حضرت شیخ الاسلام، جو شاہ اسماعیل (صفوی) کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اس کے کھلم کھلا ظلم و زیادتی کے باوجود ان کے پاک عقیدے میں فرق نہ آیا؛ حضرت مولانا مسعود شروانی، جو اعلم العلما تھے؛ حضرت مولانا حسین واعظ، جو مشاہیر زمانہ سے تھے اور حضرت مولانا عبدالغفور لاری، جو حضرت باری تعالیٰ کے مقبول بندوں میں تھے؛ ان سب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اگرچہ یہ تمام بزرگوار اس حقیر سے نہایت محبت رکھتے تھے، لیکن اس درویش کی قیام گاہ حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی کا مکان تھا۔

میں ایک دن جامی کے حجرۂ خاص میں اُن کے پاس بیٹھا تھا اور حضرت شیخ فخرالدین عراقی کی کتاب لمعات پاس رکھی تھی۔ اچانک حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نے حضرت شیخ صدرالدین قونیوی، جو حضرت محی الدین ابن عربی کے مرید تھے، کی تعریف میں مبالغہ کیا اور فرمایا ''یہ لمعات ان عالی درجات (شیخ صدرالدین قونیوی) ہی کی توجہ کا نتیجہ ہے کہ حضرت شیخ فخرالدین عراقی نے اسے تحریر کر دیا ہے۔'' اُن کا یہ فرمانا مجھے کچھ اچھا نہیں لگا۔ میں نے کہا کہ ہر شخص کا مرتبہ حق تعالیٰ کا عطیہ ہے جو اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

حق تعالیٰ کے حکم سے اسی شب مولانا جامی نے خواب میں دیکھا کہ ایک پُرنور چبوترہ ہے اور اس پر شیخ المشائخ والاولیا شیخ صدرالدین عارف درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اور مولانا فخرالدین عراقی حضرت کے جوتے پکڑے، باادب کھڑے ہیں اور اس فقیر (جمالی) کی طرف اشارہ کیا کہ تم بھی اس مجلس میں موجود ہو۔ میں (جامی) بھی مجلس میں داخل ہوا اور حضرت

(صدرالدین عارف) کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر شرف حاصل کیا۔ اُن کے رعب نے مجھ پر اثر کیا۔ تم (جمالی) مجھ سے کہتے ہو کہ حضرت (فخرالدین عراقی) کا مرتبہ معلوم ہوا؟ میں (جامی) کہتا ہوں کہ حق تمہاری (جمالی کی) جانب تھا۔ جب اگلی صبح مولانا جامی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے یہ خواب بیان کیا اور ان بزرگوں کی روح پاک کے لیے فاتحہ پڑھی۔''(۴۵)

ہرات میں قیام کے دوران جمالی ایک دفعہ مولانا جامی اور مولانا لاری کو ساتھ لے کر **نزہۃ الارواح** کے مصنف سیّد امیر حسینی ہروی (م: ۷۱۸ھ) کی قبر پر بھی گئے۔ (۴۶) جمالی کی عراقی اور امیر حسینی سے یہ ارادت ہم سلسلہ ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ اصحاب اس کا حق بھی بجا طور پر رکھتے تھے۔

بندرابن داس خوشگو نے **سفینۂ خوشگو** (تألیف ۱۱۴۷ھ) (۴۷) اور آفتاب رائے لکھنوی نے **ریاض العارفین** (تألیف ۱۱۶۱ھ) (۴۸) میں بھی جمالی اور جامی کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ البتہ ان ہندوستانی تذکرہ نگاروں نے ملاقات کا حال بے حد مضحکہ خیز انداز میں لکھا ہے اور زیب داستان کے لیے خیال آرائی کی گئی ہے۔ (۴۹)

جامی کی کتب کا برّصغیر میں پہنچنا اور مقبول ہونا

لاری، جامی اور دیگر ممالک (بشمول ہندوستان) کے سلاطین و اکابر کے مابین مراسلت کا ذکر کر چکنے کے بعد لکھتے ہیں:

''حضرت ایشان -علیہ الرحمۃ والرضوان- از مصنّفات خود مناسب ہر کس چیزی بہ ہر جانب می فرستادند و ہر کسی را بہ قدر حال بہ اکرام نامہ ای و اعزاز رقمہ ای سرافرازی می گردانیدند۔''(۵۰)

ہندوستان میں جامی کی جن لوگوں کے ساتھ خط کتابت تھی، انھیں وہ اپنی تصانیف ارسال کرتے رہتے تھے۔ اس طرح جامی کی تصانیف ان کی زندگی ہی میں ہندوستان پہنچنا شروع ہو گئی تھیں۔ اس ضمن میں ہم جامی کی ہندوستان پہنچنے والی چند تحریروں کا نام لے سکتے ہیں:

۱۔ نفحات الانس

نفحات الانس کا زمانۂ تألیف ۸۱-۸۸۳ھ ہے، اس سے تقریباً چار سال بعد یعنی ۸۸۷ھ

میں جامی نے اس کا ایک نسخہ محمود گاوان کے نام ایک خط کے ہمراہ انھیں ہندوستان بھیجا۔ جامی، محمود گاوان کو اس بابت لکھتے ہیں:

''مجموعہ ای مسمی بہ **نفحات الانس من الحضرات القدس** از مقامات و حالات درویشان و معارف و مقالات ایشان جمع کردہ شدہ بود، تحفۂ آن مجمع مکارم می گردد۔ امیدواری چنان است کہ مواظبت بر مطالعۂ آن سخنان و تامّل شافی در آن خاصیت دولت مصاحبت ایشان دہد و جمعیت تمام حاصل آید۔''(۵۱)

۲۔ رسالہ در حقایقِ دین

جامی نے یہ رسالہ بھی ملک التجّار کو بھیجا تھا۔ اپنے ایک منظوم خط میں جامی لکھتے ہیں:

بعد رفع سلام و سوق کلام — در بیان کمال شوق و غرام
می کند عرضہ با ہزار نیاز — بندہ جامی درین جریدۂ راز
نکتہ ای چند از حقایقِ دین — و ز مواجید اہل کشف و یقین
ہمہ مستنبط از حدیث و کتاب — ہمہ سنجیدۂ اولوالالباب
معرفت بخش اہل علم و عمل — وحشت انگیز اہل زرق و حیل
گرچہ دوراست زان نصاب ہنوز — کہ بہ ختمش شود خرد فیروز
کردم اندک نمونہ ای ارسال — سوی گنجور و گنج فضل و کمال (۵۲)

۳۔ رسالۂ سوال و جواب ہندوستان

اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

۴۔ کلامِ جامی

مخدوم سیّد محمد الحسینی الجیلانی الاچی (م: ۹۲۳ھ) کے فرزند ثانی سید عبداللہ (م: ۹۷۸ھ)، فضیلتِ علمی و روحانی، لطافت طبع اور ذوق سلیم کے لحاظ سے اپنے زمانے میں بے نظیر تھے، کہتے ہیں مولانا جامی ان کے فضائل سن کر ان کی طرف اپنے اشعار بھیجا کرتے تھے۔ (۵۳)

مقبولیت

جامی کی تصانیف کی عمومی مقبولیت کا راز بتاتے ہوئے مولانا لاری لکھتے ہیں (ترجمہ):

''جامی فرمایا کرتے تھے کہ تصوّف پر ہم نے اس لیے لکھنا شروع کیا کہ ابتداے

حال میں جب ہم نے صوفیہ کے اقوال کا مطالعہ شروع کیا تو اُن کی عبارات سے ان کا مقصد سمجھنا ہمارے لیے بے حد دشوار تھا۔ ہم نے منّت مانی کہ اگر ہم پر یہ دروازہ کھل جائے (یعنی ملفوظات کا مفہوم واضح ہو جائے) تو ہم صوفیہ کے مقاصد اس طریقے سے بیان کریں گے کہ لوگ بہ سہولت سمجھ سکیں۔

حضرت جامی نے تصوّف پر اپنی تمام کتابیں اسی مقصد اور نیّت کو سامنے رکھتے ہوئے لکھی ہیں۔ ان میں تراکیب کی سلاست، الفاظ وعبارات کی وضاحت، معانی ومقاصد کی تلخیص، دقایق ونکات کی سہولت اور اسرار ورموز کی تشریح اس طور سے کی گئی ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس فن میں ان کا شریک نہیں ہے۔ درحقیقت یہ حضرت جامی کا صوفیہ پر عظیم احسان ہے۔ صرف کتبِ تصوّف ہی پر کیا موقوف، حضرت کے گہربار قلم سے جو کچھ بھی نکلا اُس (کی سلاست) کا یہی حال ہے۔" (۵۴)

شیر علی خان لودھی نے تذکرہ **مرآت الخیال** (سال تألیف: ۱۱۰۲ھ) میں جامی کے حالات میں لکھا ہے (ترجمہ):

"انھوں نے ننانوے کتب تصنیف کیں اور وہ سب کی سب ایران، توران اور ہندوستان میں اہلِ دانش کے ہاں مقبول ہیں اور کوئی بھی ان پر معترض نہیں ہو سکتا۔" (۵۵)

برّصغیر میں جامی کی مقبولیت کا سبب بالکل واضح ہے۔ ان کتابوں میں مذہبی افکار وعقاید کا مسئلہ ہو یا ادبی اُسلوب کا، دونوں لحاظ سے یہاں کے عقاید (تسنن) اور اُسلوب (امیر خسرو کی پیروی) کے قریب تر ہیں، بلکہ شعر کا اُسلوب پہچاننے والے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ فارسی شاعری میں پیچیدہ ہندی اُسلوب، ہرات سے مولانا جامی اور بابا فغانی کی وساطت سے دہلی اور دکن پہنچا تھا۔ (۵۶)

برّصغیر میں جامی کی کتب سے اعتنا

تصوّف اور شاعری سے ہٹ کر اگر علوم نقلی کا معاملہ ہو تو اس میں جامی کی ایک خاص تصنیف **فواید الضیائیہ**، جو علم نحو پر ابن حاجب کی معروف کتاب، کافیہ کی شرح ہے، مدارس ومکاتب

میں مقبول ترین کتاب رہی ہے اور علما اور طلبہ اسے **شرح ملا جامی** سے پکارتے ہیں۔ مولانا **عبدالحکیم** سیال کوٹی (م: ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۶ء)، جن کی علمی شان نہ صرف برّصغیر میں مسلم ہے بلکہ جہاں جہاں عربی زبان کے حوالے سے علوم نقلیہ و عقلیہ کا چلن ہے، وہ ''فاضلِ سیال کوٹی'' نام سے قابل احترام ہیں۔ ان کا بھی جامی کی اس تصنیف کو رواج دینے میں بڑا دخل ہے۔ انھوں نے پہلے **فوایدالضیائیہ** پر عبدالغفور لاری کے نامکمل حاشیے کی تکمیل کی اور پھر حاشیۂ عبدالغفور پر حاشیہ لکھا۔

برّصغیر میں مختلف ادوار میں جامی کی تصانیف سے اعتناء پر شواہد اکٹھے کرنا مشکل کام نہیں ہے۔ یہاں چھاپہ خانہ آنے سے پہلے شاید ہی کوئی کتب خانہ، جامی کی تصانیف کے قلمی نسخوں سے خالی رہا ہو۔ برّصغیر کے کتب خانوں کے مخطوطات کی مطبوعہ فہارس سے جامی کی تصانیف کے اعداد وشمار جمع کیے جاسکتے ہیں۔

جب برّصغیر میں چھاپہ خانہ آیا تو جامی کی کتب کی وسیع پیمانے پر نشر واشاعت شروع ہوئی۔ جامی کی بعض معروف اور متداول تصانیف کی اشاعتوں کے ابتدائی طور پر دستیاب ہونے والے اعداد وشمار حسب ذیل ہیں: (۵۷)

کلیات جامی یا دیوان جامی، ۱۵ طباعتیں، قدیم ترین طباعت، کلکتہ، ۱۸۱۱ء

یوسف وزلیخا، ۲۴ طباعتیں، ۔قدیم ترین طباعت، کلکتہ، ۱۸۱۱ء

سبحۃ الابرار، ۱۰ طباعتیں، قدیم ترین طباعت، کلکتہ، ۱۸۱۱ء

سلسلۃ الذہب، ۷ طباعتیں، قدیم ترین طباعت، بمبئی، ۱۸۶۷ء

تحفۃ الاحرار، ۷ طباعتیں، قدیم ترین طباعت، مطبع ہوپ، لاہور، ۱۲۴۰ھ / ۶۴-۱۸۶۳ء

نفحات الانس، ۱۲ طباعتیں، قدیم ترین طباعت، بمبئی، ۱۸۶۷ء

لوائح، ۱۴ طباعتیں، قدیم ترین طباعت، لکھنو، ۱۸۸۰ء

برّصغیر میں جامی کی کتب کی پذیرائی کا اندازہ ان ترجموں اور شرحوں سے بھی کیا جاسکتا ہے جو یہاں فارسی یا دیگر مقامی زبانوں میں لکھی گئیں۔

تحفۃ الاحرار کی فارسی شرحیں اور حاشیے از:

-محمد رضا بن محمد اکرم ملتانی سال تصنیف ۱۱۵۵ھ یا ۱۱۷۲ھ

-محمد بن غلام محمد گھلوی، (مرید نور محمد ثانی چشتی نارووالا، متوفی ۱۲۰۴ھ)

-شیخ احمد بن شیخ فتح محمد بن یوسف قریشی ہاشمی، تیرہویں صدی ہجری، ساکن قریۂ عالم خان، نزد ڈیرہ غازی خان، انھوں نے تحفہ پر دو شرحیں لکھیں، ایک مفصل اور ایک مجمل۔

-قائم شاہ نے اپنے بیٹے سید محمد شاہ کے لیے شرح لکھی۔

ابوالبرکات خیرالدین مشہور بہ صابر ملتانی نے فرہنگ لکھی۔ (۵۸)

سبحۃ الابرار کی فارسی شرح:

از محمد بن غلام محمد گھلوی، (مرید نور محمد ثانی چشتی نارووالا، متوفی ۱۲۰۴ھ) (۵۹)

شواہد النبوۃ کا اردو ترجمہ از بشیر حسین ناظم (مطبوعہ لاہور)

فوائد الضیائیہ (شرح جامی) کے حواشی و شروح از:

- شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (محرم ۹۱۱-۲۹ صفر ۹۹۸ھ) کا **حاشیہ فواید الضیائیہ** (۶۰)
- مولانا عبدالنبی شطّاری اکبر آبادی (زندہ ۱۰۲۰ھ) **حاشیۂ شرح جامی** (۶۱)
- مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ برہان پوری سندھی (م ۱۳ شوال ۱۰۳۱ھ)، **حاشیۂ فواید الضیائیہ** اپنے بیٹے شیخ عبدالستار کی تعلیم کے لیے لکھا۔ (۶۲)
- عصمت اللہ سہارن پوری (م: ۱۰۳۹ھ) **حاشیۂ فواید الضیائیہ** (۶۳)
- شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (م: ۱۰۵۲ھ) **حاشیۃ الفواید الضیائیۃ** (۶۴)
- مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (م: ۱۰۶۷ھ)، **حاشیہ علی حاشیہ عبدالغفور علی شرح جامی** اور **تکملۂ حاشیہ عبدالغفور علی شرح جامی** (۶۵)
- شیخ نورالدین احمد آبادی گجراتی (۱۰ جمادی الاول ۱۰۶۳ھ-شعبان ۱۱۵۵) کی **شرح شرحِ ملا جامی** اور **حاشیہ شرح ملا جامی** (۶۶)
- ملاّ محمد صادق، **حاشیۂ فواید الضیائیہ** (۶۷)
- محمد گل بن شیخ امام محمد رضا زکوڑی مجدّدی، **چراغ یا کشف المواضع الخفیہ من فواید الضیائیہ** (۶۸)
- محمد سعد جعفری، **انتخاب بی بدیل** (حاشیۂ حاشیۂ جامی) (۶۹)
- محمد شوکت علی صدیقی سندیلوی (پ: ۱۲۳۴ھ-)، **حاشیۂ فواید الضیائیہ** (۷۰)
- مولانا تراب علی لکھنوی (م: ۱۲۸۱ھ)، **حاشیۂ شرح جامی** (۷۱)

فوایدالضیائیہ پر مزید حواشی اور شرحیں بھی موجود ہیں جن کے شارحین اور حاشیہ نگار نامعلوم الاسم ہیں۔ (۷۲)

لوائح کی فارسی شرحیں از:

- شیخ عبدالملک مشہور بہ امان اللہ پانی پتی (م: ۱۲ ربیع الآخر، ۹۵۷ھ) (۷۳)
- شیخ تاج الدین دہلوی، شیخ امان اللہ پانی پتی مذکور کے شاگرد تھے۔ (۷۴)
- مولانا عبدالنبی شطاری اکبرآبادی، انھوں نے **لوائح** پر دو شرحیں لکھیں، ایک مفصل، **فواتح الانوار شرح لوائح الاسرار** (تاریخ تصنیف: ۸ ذی الحجہ ۱۰۲۰ھ) کے نام سے اور دوسری اسی کا خلاصہ **رواتح** کے نام سے۔ (۷۵)
- محمد بن فضل اللہ (م: ۱۰۲۹ھ) شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے مرید تھے۔ ان کی عربی کتاب **التحفۃ المرسلہ الی النبی** بے حد معروف ہے۔ انھوں نے لوائح کا **حاشیۃ العجیبۃ اللامعۃ فی حل بعض اللوائح** لکھا جس کا ایک نسخہ راقم السطور کے آبائی کتب خانہ میں ہے۔ (۷۶)
- عبداللہ خویشگی قصوری (۱۰۴۳-۱۱۰۶ھ)، **روائح شرح لوائح** (۷۷)
- محمد شریف بن نظام الدین علوی ہروی، **روائح فی حل کلمات اللوائح** (۷۸)

لوائح کے اردو تراجم وشروح از:

- لقمان الدولہ حیدرآبادی، **تجلیات دل** (مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۳۱ھ)
- شمس الدین قادری فاضلی امرت سری، سال تکمیل ۱۳۴۹ھ، (مطبوعہ لاہور)
- فیض الحسن فیضی جالندھری، (مطبوعہ لاہور ۱۳۹۹ھ)
- محمد عبدالرشید فاضل، **شرح لوائح جامی** (مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۵ء)
- واحد بخش سیال ربانی، **شرح لوائح جامی** (مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۶ء) (۷۹)

سلسلۂ چشتیہ میں جامی کی کتب اور کلام کی بہت پذیرائی رہی ہے اور مشایخ چشتیہ دوسروں کو بھی ان کا مطالعہ کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ پنجاب کے مشایخ چشتیہ بھی اسی روایت کے امین رہے ہیں۔ یہاں صرف لوائح کے حوالے سے متاخر مشایخ کی بات ہوگی۔

خواجہ فخر الدین محمد ''فخر جہان'' دہلوی (۱۱۲۶- ۱۱۹۹ھ / ۱۷۱۷- ۱۷۸۵ء) جنھیں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کا مجدّد کہا جاتا ہے، جامی کی تصانیف سے بہت شغف رکھتے تھے۔ اپنے والد

خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی (م:۱۱۴۲ھ) سے **نفحات الانس** سبقاً پڑھی تھی (نجم الدین، ص ۵۰، ۹۴) انھوں نے اپنے دستخط کے ساتھ کچھ کتابیں اپنے خلیفۂ اعظم خواجہ نور محمد مہاروی کے خلیفۂ اکبر قاضی محمد عاقل کو دی تھیں، ان میں **لوائح**، **شرح لوائح**، **قصیدۂ خمریہ** اور **شرح رباعیات** مولانا جامی بھی شامل ہیں۔ (نجم الدین، ص ۱۱۸)

خواجہ نور محمد مہاروی (۱۱۴۲-۱۲۰۵ھ / ۱۷۳۰-۱۷۹۰ء) نے اپنے شیخ، شاہ فخر الدین محمد "فخر جہان" دہلوی کی خدمت میں آٹھ بار **لوائح** کا درس حاصل کیا۔

حافظ محمد جمال ملتانی (م:۱۲۲۶ھ) خلیفۂ خواجہ نور محمد مہاروی، جامی کی تصانیف **نفحات الانس**، **لوائح** اور **اشعۃ اللمعات** کے شایق تھے۔ (نجم الدین، ص ۱۳۱)

قاضی محمد عاقل، حافظ محمد جمال ملتانی اور خواجہ نور محمد ثانی نارووالا، تینوں نے مل کر مہار شریف میں خواجہ نور محمد سے **لوائح** کا درس لیا تھا (گھلوی، ۷۹)

خواجہ محمد سلیمان تونسوی (۱۱۸۴-۱۲۶۷ھ / ۱۷۷۰-۱۸۵۰ء) نے **لوائح** کا درس اپنے شیخ، خواجہ نور محمد مہاروی سے لیا تھا۔ خواجہ تونسوی خود بھی **لوائح**، **شرح لمعات عراقی** از جامی اور **نفحات الانس** کا درس دیتے تھے (نجم الدین، ص ۲۸۳، ۳۱۳)۔ مسئلہ وحدت الوجود کو بہت پوشیدہ رکھتے تھے، چنانچہ **لوائح** اور اس قسم کی توحیدی کتابوں کا درس، محل میں بیٹھ کر دروازے بند کر کے دیتے۔ زیادہ تر حافظ اور جامی کا کلام سنتے، کیوں کہ ان کے ہاں توحید کا مضمون علامتی اسلوب اور رمز و کنایہ کے پیرایہ میں بیان ہوا ہے۔ محفل سماع میں انھیں جامی کا کلام سن کر وجد ہو جاتا (نجم الدین، ص ۱۶۶، ۳۰۸، ۳۰۹)۔

خواجہ غلام فرید چشتی (۱۲۶۱-۱۳۱۹ھ / ۱۸۴۵-۱۹۰۱ء مدفون کوٹ مٹھن) نے اپنے ملفوظات **اشارات فریدی / مقابیس المجالس** میں مولانا جامی کا بکثرت ذکر کیا ہے اور جگہ جگہ ان کے مناقب بیان کیے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ ان کے شیخ، مولانا غلام فخر الدین "فخر الاولیا" (م:۵ جمادی الاول ۱۲۸۸ھ) اور ان کے شیخ، خواجہ خدا بخش محبوب الٰہی (م:۱۲ ذی الحجہ ۱۲۶۹ھ) مولانا جامی کو اپنا پیر سمجھتے تھے (ص ۱۰۵۷)۔ خواجہ غلام فرید نے سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ عظام کے ہاں مولانا جامی کی تصنیف **لوائح** کی اہمیت کو خوب واضح کیا ہے۔ یہ کتاب، مشائخ چشتیہ کے دستور العمل میں شامل تھی اور اسے بہت متبرک جانا جاتا تھا۔ خواجہ غلام فرید کے جدّ اعلیٰ خواجہ محمد عاقل

''سلطان الاولیا'' نے خواجہ نور محمد مہاروی سے گیارہ بار **لوائح** پڑھی۔ خود خواجہ غلام فرید نے اپنے شیخ کی خدمت میں تین بار **لوائح** ختم کی (ص ۶۸۷) وہ اپنی مجالس میں اس کا درس دیا کرتے اور تشریح فرماتے تھے چنانچہ یہ تشریحات **اشارات فریدی / مقابیس المجالس** میں درج ہیں (ص ۵۹۵، ۶۰۴) وہ اپنی مجالس میں اس کتاب کا تذکرہ اس انداز میں کرتے کے سننے والے بھی اس کتاب کے مطالعہ کی طرف راغب ہوں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ خواجہ عبید اللہ احرار کی **فقرات** اور جامی کی **لوائح** کا مطالعہ موجب جذب ہے اور جو شخص منزل مقرر کر کے اس کا مطالعہ کرے گا ضرور اس کے اندر جذب پیدا ہوگا (ص ۶۸۷) ایک دفعہ فرمایا کہ وہ اور ان کے پیران طریقت جو مولانا جامی کے بعد ہوئے ہیں، سب مسئلہ توحید وجودی میں مولانا جامی کے مقلد ہیں (ص ۱۰۳۶)۔ وہ مشائخ چشتیہ کے ہاں سماع کی ایک دلیل یہ دیتے تھے کہ مولانا جامی، نقشبندی ہونے کے باوجود سماع کو مستحسن سمجھتے تھے اور اس کے بہت شائق تھے (ص ۱۰۳۹)۔ خواجہ غلام فرید مولانا جامی کے کلام کے بارے میں فرماتے کہ یہ نہایت عمدہ ہے اور سب سے زیادہ مجالس اعراس میں پڑھا جاتا ہے (ص ۶۷۷)۔

خواجہ شمس الدین سیالوی (۱۲۱۴-۱۳۰۰ھ / ۱۷۹۹-۱۸۸۳ء) نے تونسہ شریف میں خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت میں رہ کر **لوائح** جامی اور شرح **لمعات** جامی پڑھی تھی۔ انھی کا ملفوظ ہے کہ اکثر لوگ علوم ظاہری پڑھنے میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں لیکن کتب سلوک و توحید جیسے امام غزالی اور مولانا جامی کی تصنیفات نہیں پڑھتے حالانکہ تمام علوم کی تحصیل کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ حق تک پہنچا جائے۔ (۸۰)

نفحات الانس

- تاج الدین زکریا بن بہاء الدین زکریا دہلوی۔ شیخ امان اللہ پانی پتی کے شاگرد تھے۔ نفحات کا عربی ترجمہ کیا۔ (۸۱)

نفحات الانس کے اردو تراجم از:

- حافظ سید احمد علی چشتی (م: ۱۳۴۱ھ)، مطبوعہ لاہور
- محمد ادریس الانصاری ساکن صادق آباد پنجاب، **صفات صوفیہ**، یہ صرف مقدمۂ نفحات الانس کا ترجمہ ہے، مطبوعہ ۱۴۰۷ھ (اختر راہی نے اس کا نام سہواً **حیات صوفیہ** لکھا ہے)

- شمس بریلوی (مطبوعہ کراچی،۱۹۸۲ء)(۸۲)

جہان آرا بیگم بنت شاہ جہان بادشاہ کو اپنے بھائی دارا شکوہ سے بڑی محبت تھی۔ ۱۰۴۹ھ میں شاہ جہان نے دارا شکوہ کو ایک فوجی مہم پر کابل بھیجا تو جہاں آرا کو اپنے بھائی کی جدائی شاق گذری۔ بھائی نے جاتے وقت بہن کو **نفحات الانس** کے مطالعہ کی نصیحت کی۔ جہان آرا نے بھی بھائی کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے **نفحات الانس** کو اپنا ساتھی بنالیا اور ہمیشہ اس کا مطالعہ کرتیں۔

''در وقت وداع آن برادر والا گوہر مرا بہ مطالعہ کتاب مستطاب **نفحات الانس** راہنمونی کردند۔ بموجب فرمودۂ ایشان کتاب والا خطاب مذکورہ را مصاحب جانی خود ساختم و ہمیشہ و ہموارہ پیش نظر داشتم و مطالعہ می نمودم''(۸۳)

نقد النصوص

خواجہ سیّد آل احمد شاہ سہسوانی (م ۱۲۵۹ھ) نے جامی کی **نقد النصوص** کا اٹھائیس مرتبہ مطالعہ کیا اور پھر خود ہی اس کی عربی شرح **البیان المرصوص** تصنیف کر کے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کی۔(۸۴)

یوسف و زلیخا

مثنوی **یوسف و زلیخا** جامی کی مقبول ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ برّصغیر میں جتنا اعتنا اس کتاب سے کیا گیا، شاید ہی جامی کی کسی اور کتاب کی طرف کیا گیا ہو۔ اس کی ایک وجہ اس کتاب کا نصاب میں شامل ہونا بھی ہے۔ برّصغیر میں مختلف زبانوں اور زمانوں میں **یوسف و زلیخا** کے جواب یا تقلید میں جتنی مثنویات لکھی گئیں وہ ایک الگ موضوع ہے۔ صوفیہ کے حلقے میں بھی یہ اسی طرح مقبول تھی۔ پنجاب کے ایک متاخر چشتی بزرگ خواجہ شاہ اللہ بخش تونسوی سماع سے شغف رکھتے تھے۔ ان کے خانقاہی قوالوں کو یہ مثنوی از اوّل تا آخر از بر تھی اور خواجہ صاحب قوالوں سے کہہ کر اس کے منتخب حصے مجلس سماع میں پڑھواتے۔(۸۵) اکثر چشتی خانقاہوں میں اسے فارسی کے نصاب میں شامل رکھا گیا اور اس کی تدریس کی جاتی رہی۔

یوسف و زلیخا کی فارسی شروح از:

- میر نور اللہ احراری دہلوی (۱۰۷۳ھ)
- عبد الواسع ہانسوی (معاصر عالمگیر پادشاہ ۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ)

- حکیم محمد ساجد جھنجانوی، ان کے ایک عقیدت مند محمد شاہ نے ۱۱۵۷ھ میں مرتب کی۔
- محمد رضا بن محمد اکرم ملتانی (زندہ در ۱۱۷۲ھ)
- محمد سلطان خوشابی، تحفۃ الناظمین کے نام سے شرح لکھی۔ خوشابی نے ۱۲۰۴ھ میں سکندر نامہ کی شرح لکھی تھی۔
- محمد گل بن محمد نور، از اولاد حاجی بہادر نقشبندی کوہاٹی، بارہویں صدی ہجری کے اواخر کے مصنف ہیں۔
- محمد بن غلام محمد گھلوی ملتانی (مرید نور محمد ثانی چشتی نارووالا، متوفی ۱۲۰۴ھ)
- صاحب عالم بن محمد اکرم بن محمد اعظم مفتی کوہاٹ، سال تصنیف ۱۲۰۹ھ
- معین الدین ولی ختکی زیارتی
- مولوی نظام الدین راجپوت، ساکن عبابی پور ضلع گورداس پور، نے ۱۹۰۸ بکرمی میں شرح لکھی۔
- سید وزیر علی عبرتی نے ۱۲۸۶ھ میں یوسف وزلیخا کو فارسی نثر میں ڈھالا اور اس کا نام اعجاز محبت رکھا۔
- فیروز الدین بن حافظ الدین، ساکن رضا خیل، ضلع پشاور، ۱۸ شعبان ۱۳۳۲ھ کو شرح لکھی۔

یوسف وزلیخا کے منظوم اردو تراجم از:

- محمد امین گودہرے والا (سال تکمیل ۱۱۰۹ھ)
- قادر علی فگار عظیم آبادی، عشق نامہ (سال تکمیل ۱۲۰۸ھ)
- مجیب اللہ (سال تکمیل ۱۲۳۰ھ)
- نند کشور (سال تکمیل ۱۲۸۸ھ)
- احمد علی

نثری تراجم از:

- ابوالحسن فرید آبادی، یہ حکیم محمد ساجد جھنجانوی کی فارسی شرح کا ترجمہ ہے، مطبوعہ ۱۳۱۰ھ
- منشی بالک رام گہر لکھنوی، مطبوعہ ۱۳۱۱ھ

- مولوی سعید احمد بن فتح محمد تائب، مطبوعہ ۱۳۲۴ھ، (۸۶)

پنجابی اور سندھی زبانوں میں یوسف وزلیخاے جامی کا بہت تتبع کیا گیا۔اس کے جزوی اثرات بھی کئی پنجابی مثنویوں پر دکھائی دیتے ہیں خصوصاً میاں محمد بخش (۱۸۳۰-۱۹۰۷ء) کی پنجابی مثنوی سیف الملوک پر۔

جامی کی تصانیف دینی مدارس میں

جامی کی تصانیف کی ترویج میں برصغیر کے مدارس و مکاتب کا بھی بڑا حصہ رہا ہے۔جامی کی **فوائد الضیائیہ** (شرح کافیہ) اور اس پر عبدالغفور لاری کا حاشیہ، دونوں کتابیں یہاں کے دینی مدارس میں ملاّ نظام الدین محمد سہالوی (۱۰۸۸-۱۱۶۱ھ / ۱۶۷۷-۱۷۴۸ء) کے وضع کردہ اور ترمیم شدہ ''درسِ نظامی'' کے نصاب میں شامل ہیں۔ (۸۷)

انیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے مقامی مدارس نے جو نصابات مرتّب کیے، ان میں بھی جامی کی تصانیف شامل تھیں۔دارالعلوم، دیوبند اور مظاہر علوم، سہارن پور (دونوں کا قیام: ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء) کے سال پنجم کے نصاب میں شرح ملاّ جامی (**فوایدالضیائیہ**) شامل تھی۔مظاہر علوم نے فارسی کی تعلیم کے لیے جو اضافی نصاب مرتّب کر رکھا تھا اس کے سال ششم میں **نفحات الانس** داخل تھی۔ (۸۸)

سجان راے بٹالوی نے **خلاصۃ المکاتیب** (سال تألیف ۱۱۰۰ھ) میں فارسی تعلیم کے لیے جو کتابیں تجویز کی ہیں ان میں جامی کی **یوسف وزلیخا** **تحفۃ الاحرار** اور **سبحۃ الابرار** بھی شامل ہیں۔ (۸۹)

پاک و ہند کی مساجد اور روحانی محافل میں مولانا جامی کی فارسی نعتوں اور غزلوں کے ترنم سے اب بھی سوز و ساز پیدا ہوتا ہے۔

برصغیر میں جامی کے شاگرد

جامی عقلی و نقلی علوم کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے جس پر ان کی تصانیف بہترین گواہ ہیں۔ بالخصوص وہ کتابیں جو انھوں نے اپنے بیٹے ضیاء الدین یوسف کی تعلیم و تربیت کے لیے لکھی تھیں- جیسے **فوایدالضائیہ** -وہ اب تک ہمارے روایتی دینی مدارس کے نصاب کا حصہ چلی آتی ہیں۔لوگ جامی کی صحبت میں آکر علمی اور روحانی استفادہ کرتے تھے۔

ہندوستان میں جامی کے بلاواسطہ شاگردوں میں کاہی اکبرآبادی اور بالواسطہ (معنوی) شاگردوں میں شہزادہ داراشکوہ کا ہم بطورِ خاص ذکر کریں گے۔

۱۔ کاہی اکبرآبادی (۸۶۸-۹۸۸ھ)

ابوالقاسم نجم الدین محمد کاہی، سمرقند کے سادات میں سے تھے۔ چالیس پچاس سال کابل میں رہے۔ بالآخر ہندوستان آگئے۔ بھکر (سندھ) میں شاہ جہانگیر ہاشمی (م:۹۴۶ھ) سے ملے۔ ۹۴۰ھ تا ۹۵۶ھ گجرات (جنوب ہند) میں مقیم رہے۔ ۹۵۶ھ میں دوبارہ کابل چلے گئے مگر ۹۶۱ھ میں شہزادہ اکبر کی ملازمت اختیار کر کے ہندوستان لوٹ آئے اور باقی ماندہ زندگی اکبرآباد (آگرہ) میں گذاردی۔ فنِ موسیقی اور معمّا میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ **دیوان اشعار** اور **رسالۂ منظوم معمّا** وغیرہ ان سے یادگار ہیں۔

کاہی نوجوانی میں جامی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے تحصیلِ علم کی تھی۔ (۹۰)

۲۔ محمد داراشکوہ (۱۰۲۴-۱۰۷۰ یا ۱۰۶۹ھ)

شاہجہان بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اسلامی اور ہندو تصوّف کا وسیع مطالعہ تھا۔ اس کی تصانیف میں سے **سفینۃ الاولیاء**، **سکینۃ الاولیاء**، **حسنات العارفین**، **مجمع البحرین** اور **حق نما** قابلِ ذکر ہیں۔

داراشکوہ نے **سفینۃ الاولیاء** میں جامی کے حالاتِ زندگی بھی درج کیے ہیں۔ اُن کے مذہب کے بارے میں داراشکوہ نے لکھا ہے کہ وہ حنفی المذہب تھے اور عوام کے درمیان یہ شہرت کہ وہ شافعی المذہب تھے، صحیح نہیں ہے۔ اس کے بعد جامی کی تصانیف کے بارے میں اظہارِ رائے کرتے ہوئے لکھا ہے (ترجمہ):

> ''ان کی چوالیس تصانیف لفظ ''جام'' کے اعداد کے برابر ہیں اور یہ سب کی سب دنیا میں مشہور و معروف ہیں، کسی کو ان پر اعتراض نہیں ہے۔ ان کی بہترین تصانیف میں سے **شواہد النبوّۃ** اور **نفحات الانس** شامل ہیں جو لطیف مضامین اور دقیق نکات سے مملو ہیں۔ دیوان اوّل کی غزلیات اور **مثنوی یوسف و زلیخا** کے اشعار کی نظیر نہیں ملتی۔'' (۹۱)

اس کے بعد مصنف نے جامی کی نسبت اپنی عقیدت کا یوں اظہار کیا ہے (ترجمہ):

''یہ فقیر ہمیشہ ان (جامی) کی منثور و منظوم تصانیف کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کلامِ حقیقت انتظام کی برکت سے بہرہ ور ہوتا ہے اور یہ کتاب (**سفینۃ الاولیاء**) لکھ رہا ہوں تو سب انھی (جامی) کی شاگردی اور تتبّع کا حاصل ہے۔'' (۹۲)

دارا شکوہ کا **نفحات الانس** سے اپنا شغف اور اس کے مطالعہ کے لیے اپنی بہن جہان آرا بیگم کو تلقین کا واقعہ پہلے گذر چکا ہے۔

تصوّف کی ایک فارسی کتاب **اساس المعرفت** کے مصنف کمال الدین صدیقی نے اپنی اس کتاب میں خود کو جامی کا معنوی شاگرد بتایا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء میں حیدر آباد دکن سے شایع ہوئی۔ (۹۳)

برّصغیر میں جامی کے حالات پر کتب

برّصغیر میں صوفیہ اور علما کے جو عمومی تذکرے لکھے گئے ہیں، ان میں جامی کا تذکرہ ملتا ہے۔ اگرچہ یہاں ہمارا موضوع جامی کے حالات پر مستقل تصانیف کا جائزہ لینا ہے، تاہم بر سبیل تذکرہ تیرہویں صدی ہجری تک برّصغیر میں تصنیف ہونے والے چند قدیم عمومی تذکروں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے ورنہ دائرۂ کار اس سے وسیع تر ہے:

محمد غوثی گجراتی ثم مانڈوی، **اذکار الابرار** (عرصۂ تصنیف: ۹۹۸-۱۰۲۲ھ)

محمد ہاشم کشمی ثمّ برہان پوری، **نسمات القدس من حدایق الانس** (سال تصنیف: ۱۰۳۸ھ) جامی سے فیض یافتگان کے حالات لکھے ہیں۔

محمد دارا شکوہ، **سفینۃ الاولیا** (سال تصنیف: ۱۰۴۹ھ)

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، **معیار سالکان طریقت** (سال تصنیف: ۱۲۰۲ھ)

مفتی غلام سرور لاہوری، **خزینۃ الاصفیا** (تصنیف: ۱۲۸۱ھ)

مولوی فقیر محمد جہلمی، **حدایق الحنفیہ** (سال تصنیف: ۱۲۹۷ھ)

اب ہمارے ہاں تصنیف ہونے والی جامی پر مستقل تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے:

حافظ محمد اسلم جیراج پوری (۱۲۹۹-۱۳۷۵ھ / ۱۸۸۲-۲۸ دسمبر ۱۹۵۵ء)

حیاتِ جامی (اُردو)، مکتبۂ جامعہ، دہلی، ۱۰۶ص

فہرست مشمولات: ۱۔ ولادت اور نام ونسب، ۲۔ تحصیل علم، ۳۔ تصوّف، ۴۔ عشق، ۵۔

لطائف وظرائف، ٦۔سفرِ حج، ٧۔خانگی حالات، ٨۔وفات، ٩۔تصنیفات، ١٠۔فارسی شعرا میں مولانا کا درجہ، ١١۔مولانا کی شاعری، ١٢۔قصیدہ، ١٣۔غزل، ١٤۔مثنوی۔

طالب ہاشمی

سوزِ جامی (اُردو)، مقبول اکیڈمی، لاہور، ١٩٧٣ء، ٦٧١ص

مؤلف نے جامی کی زندگی کے مندرجہ ذیل گوشوں پر روشنی ڈالی ہے:

١۔نام، نسب، ولادت، ٢۔عہدِ طفلی، ٣۔تحصیل وتکمیل علوم، ٤۔راہِ طریقت، ٥۔خوارق عادات، ٦۔اسفار جامی، ٧۔اوصاف و خصائل، ٨۔معاصرین اور اربابِ صحبت، ٩۔سفرِ آخرت، ١٠۔آخری آرام گاہ، ١١۔آثارِ جامی، ١٢۔اولاد، ١٣۔نعتیہ کلام اور غزلوں سے انتخاب؛ مصنف نے کتاب کے آخر میں اگرچہ اپنے مآخذ کی ایک فہرست دی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ حکمت کی کتاب **جامی** کا آزاد ملخص ترجمہ ہے۔

عارف نوشاہی (١٩٥٥ء-)

جامی تألیف علی اصغر حکمت، اردو ترجمہ مع تکملہ، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد و رضا پبلی کیشنز، لاہور، طبع اول: ١٩٨٣ء، ٥١٢ص؛ طبع دوم: طبع حاضر

صائمہ ظہیر

کتابشناسی توضیحی جامی در شبہ قارہ (فارسی)، شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ایم فل تھیسز، ٢٠٠٦ء

برِّصغیر میں جامی کی وضاحتی کتابیات ہے۔

تعارفِ مصنف

علی اصغر حکمت

۱۲۷۲ ہجری شمسی/۲۳ رمضان ۱۳۱۰ ہجری قمری/۱۰ اپریل ۱۸۹۳ء میں شیراز (ایران) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حشمت الممالک احمد علی تھا۔

ابتدائی تعلیم شیراز کے مدرسۂ قدیمہ منصوریہ میں پائی۔ ۱۹۱۸ء میں امریکن کالج، تہران سے ایف.اے پاس کیا۔ ۱۹۳۲ء میں سوربن یونیورسٹی، پیرس سے ایم.اے پاس کیا۔ ۱۹۵۳ء میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور اور ۱۹۵۵ء میں مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ نے انھیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری پیش کی۔ وہ مصر، عراق اور شام کی عربی اکیڈمی (المجمع اللغۃ العربیہ) کے اعزازی رکن بھی تھے۔

حکمت نے ۱۹۱۸ء میں وزارت معارف (تعلیم و ثقافت) میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۲۹ء میں ایرانی عدلیہ کی مشہور شخصیت علی اکبر داور کی کوششوں سے حکمت، وزارت انصاف میں چلے گئے اور ۱۹۳۳ء تک وہاں کام کیا۔ اس دوران میں وہ محکمہ کی طرف سے یورپ گئے، جہاں انھوں نے دستاویزات کے اندراج کے قوانین اور طریقوں کا مطالعہ کیا اور ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم بھی جاری رکھی۔ ۱۹۳۳ء میں علی اکبر داور ہی کی کوشش سے حکمت وزارت تعلیم کے قائم مقام وزیر بن گئے۔ ۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۸ء وزارت تعلیم کے مکمل وزیر کی حیثیت سے کام کیا اور ساتھ تہران یونیورسٹی کے ریکٹر بھی رہے۔ ۱۹۴۳ء میں وزارتِ صحت کا قلمدان ان کے سپرد کیا گیا۔ مگر اُسے سنبھالنا اُن کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ ۴۹-۱۹۴۸ء اور ۵۹-۱۹۵۸ء میں وزیر خارجہ رہے۔ ۱۹۴۰ء میں انھیں تہران یونیورسٹی میں تاریخ مذاہب اور ایرانی ادبیات کی کرسی تفویض کی گئی۔ ۱۹۴۴ء میں ایران اور ہندوستان کے ثقافتی تعلقات مزید مستحکم کرنے کے لیے حکومت ہندوستان کی دعوت پر ان کی سربراہی میں ایک وفد (جس میں ابراہیم پورداود اور رشید یاسمی بھی شامل تھے) ہندوستان گیا۔ اس دورے میں وہ کراچی، لاہور، علی گڑھ، بنارس، الہ آباد، بمبئی، حیدرآباد دکن اور مدراس

گئے۔۱۹۴۷ء اور ۵۰-۱۹۴۹ء میں وزیر مشاور (وزیر بے محکمہ) رہے۔۱۹۵۶ء میں ایران میں یونیسکو کے صدر بنے۔ ۵۸-۱۹۵۳ء میں ہندوستان میں ایرانی سفیر کی حیثیت سے کام کیا اور اس دوران ایران و ہند کے تعلقات اور ہند کی تاریخ اور ثقافت کے حوالے سے کئی کتب شایع کیں۔۱۹۵۶ء میں بنکاک (تھائی لینڈ) میں ایرانی ناظم الامور رہے۔

ان مختلف محکموں اور وزارتوں میں کام کرتے ہوئے، حکمت نے کئی کارہائے نمایاں انجام دیے، مثلاً جب وہ وزیر تعلیم تھے تو انھی کی کوششوں سے ایران کا قومی کتب خانہ (کتابخانۂ ملی) قائم ہوا۔قدیم ایران کا عجائب گھر (موزۂ ایران باستان) اور انتھروپولوجی میوزیم (موزۂ مردم شناسی) بنا اور ایوان کی کلچرل اکیڈمی کی تأسیس ہوئی۔تہران یونیورسٹی کی موجودہ عمارت کی بنیاد بھی انھوں نے رکھی۔ اُن کے عہد میں ایران میں کئی نئے مدارس کھلے۔ بالخصوص قصبات میں متعدد دہائی اسکول اور تربیتی کالج قائم ہوئے۔

علی اصغر حکمت مصروف اور طویل سیاسی اور علمی زندگی گزار کر ۳ شہریور ۱۳۵۹ش/۱۴ شوال ۱۴۰۰ھ.ق/۲۳ اگست ۱۹۸۰ء کو تہران میں وفات پا گئے اور باغ طوطی شاہ عبدالعظیم، میں دفن ہوئے۔

علمی آثار

حکمت، علم و ادب سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے۔کتب کی تدوین، طباعت اور اشاعت میں اُن کی خدمات نا قابلِ فراموش ہیں۔اس سلسلے میں اُن کے عزم اور ہمت کی زندہ مثال دو ضخیم جلدوں میں کتاب ایرانشہر کی تدوین و تألیف اور اشاعت ہے۔ یہ کتاب ایران سے متعلق موضوعی دائرۃ المعارف ہے جو مدتوں حوالے کے لیے استعمال ہوتی رہے گی۔

حکمت کی تصانیف میں ان کا روزنامچہ بے حد متنوع اور دلچسپ ہے۔ وہ کئی سال تک روزانہ اپنی یادداشتیں قلم بند کرتے رہے۔ایران کے آخری ساٹھ سالوں کی تاریخ کی تدوین کے لیے اس روزنامچہ سے استفادہ بے سود نہ ہوگا۔

حکمت نے مطبوعہ اور قلمی کتب پر مشتمل اپنا ذاتی ذخیرہ، ۱۳۴۰ش میں تہران یونیورسٹی کو تحفتہً دے دیا تھا۔اس ذخیرہ کی بیشتر کتابیں تاریخی اور ادبی تحقیقات سے متعلق ہیں۔ چونکہ حکمت نے مختلف ممالک کے کئی سفر کیے تھے اور ہندوستان میں چار سال بطور سفیر رہے تھے، اس لیے ان

کے کتب خانہ میں ان ممالک کی کئی اہم اور قیمتی کتب جمع ہو گئی تھیں ۔اس کتب خانہ کا اہم حصہ یقیناً مخطوطات ہیں جن کی فہرست محمد تقی دانش پژوہ نے مرتّب اور طبع کی ہے۔ حکمت نے بعض مخطوطات، جو اُنہیں وراثت میں ملے تھے، کتابخانۂ آستانِ قدس رضوی، مشہد (ایران) کے سپرد کر دیے تھے۔

تألیفات ۔ فارسی

حکمت کی چھوٹی بڑی بہت سے تألیفات ہیں ۔ذیل میں ان کی اہم تألیفات کا سال طباعت کے مطابق ذکر کیا جاتا ہے:

تقویم معارف، تہران، ۳۹-۱۹۲۶ء، ۱۹۰+۱۸۸ص

مطالعۂ تطبیقی رمئو و ژولیت با لیلیٰ و مجنون (شیکسپیئر کی رومیو اینڈ جولیٹ اور نظامی گنجوی کی مثنوی لیلیٰ و مجنون کا تقابلی جائزہ)، تہران، ۱۹۳۹ء، ۲۴۸ص

جامی (متضمن تحقیقات در تاریخ احوال و آثار منظوم و منثور خاتم الشعرا نورالدین عبدالرحمٰن جامی)، تہران، ۱۹۴۱ء، ۴۱۳ص؛ زیر نظر کتاب اسی کا اردو ترجمہ ہے۔

امثال قرآن (فصلی از تاریخ قرآن کریم)، تہران، ۱۹۵۴ء، ۳۵۲ص

بیاد ہند، نئی دہلی، ۱۹۵۶ء

سرزمین ہند، تہران، ۱۹۵۸ء، ۵۴۷ص

نقش پارسی بر احجار ہند، طبع اول: کلکتہ، ۱۹۵۷ء، ۱۱۱ص؛ طبع دوّم: تہران، ۱۹۵۸ء، ۱۴۸ص

نہ گفتار در تاریخ ادیان، دو جلد، شیراز، ۶۲-۱۹۶۱ء، ۱۹۱+۱۱+۳۰۸ص

ایرانشہر، (ایران میں یونیسکو کی مدد سے مشترک طور پر تألیف کی گئی)، دو جلد، تہران، ۶۵-۱۹۶۴ء

سخن حکمت، (مجموعۂ اشعار حکمت)، باہتمام حسن سادات ناصری، تہران، ۱۹۷۲ء، ۳۳۹ص

کلمات طیّبات (مجموعۂ منظومات از کتب آسمانی و سخنان قدسی)، مرتّبہ منوچہر ستودہ، تہران، ۱۹۷۵ء، ۲۲۱ص

سی خاطرہ از عصر فرخندۂ پہلوی، تہران، ۱۹۷۶ء، ۳۹۸ص

رہ آورد حکمت، شرح مسافرت ہای علی اصغرخان حکمت شیرازی، مرتبہ دبیر سیاقی، تہران، ۲۰۰۰ء

تألیفات ـ انگریزی

فیتز جرالد و جامی، تہران، ۱۹۴۶ء

نظریاتی در بارۂ ادبیات ایران، کلکتہ، ۱۹۵۶ء

تألیفات ـ فرانسیسی

سیّد علی ہمدانی، ۱۹۵۲ء،

شفیعا شاعر اممی، دمشق، ۱۹۵۷ء

تراجم ـ فارسی میں

تاریخ ادبی ایران (از سعدی تا جامی)، تألیف ایڈورڈ براؤن، تہران، ۱۹۴۸ء، ۱۹۸۲ء

پنج حکایت، از ولیم شیکسپیئر، دو جلد، لاہور اور تہران سے دوبار شائع ہو چکی ہے۔ طبع لاہور، ۱۹۵۶ء؛ یہ کتاب برسوں سے پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے ''منشی فاضل'' کے نصاب میں شامل ہے۔

شکونتلا یا انگشتر گمشدہ، تألیف کالی داس، بمبئی، ۱۹۵۶ء، ۱۱+۱۷۵+۱۳۰ص

رستاخیز، تہران، ۱۹۶۰ء، ۵۴۷ص، Leo Tolstoy کی کتاب *Voskresenie* کا ترجمہ

اسلام از نظرگاہ دانشمندان غرب، تہران، ۱۹۶۱ء، ۲۴۲ص، طبع دوم

الواح بابل، تہران ۱۹۶۲ء، ۳۰+۳۴۸ص، Edward Chiera کی کتاب *They Wrote on Clay* کا ترجمہ

تاریخ جامع ادیان از آغاز تا امروز، از، تہران، ۱۹۶۸ء، ۳۴۳ص جان بی ناس J. B. Noss کی کتاب *Man's Religions* کا ترجمہ۔

تاریخ باستانی ایران بر بنیاد باستان شناسی، تہران، ۱۹۷۵ء، ۲۱۷ص Ernst Herzfeld کی کتاب *Archeological History of Iran* کا ترجمہ

بلا تاریخ، امین و مامون، از جرجی زیدان

تصحیح وتدوین کتب

ہزار و یک شب، تہران، ۱۹۳۶ء، ۵ جلدیں، الف لیلہ ولیلہ کا فارسی ترجمہ مرتب کیا۔

سہ رسالہ، از سیّد صدر ثانی، ۱۹۴۴ء

مجالس النفائس، اصل متن بزبان ترکی از امیر علی شیر نوائی، فارسی ترجمہ از فخری ہراتی موسوم بہ لطائف نامہ ترجمۂ دیگر از شاہ محمد قزوینی۔ یہ دونوں ترجمے ایک جلد میں علی اصغر حکمت کے حواشی کے ساتھ شائع ہوئے، تہران، ۱۹۴۴ء و ۱۹۸۴ء، ۴۷۱ صفحات

پارسی نغز تہران، ۱۹۴۴ء و ۱۹۵۱ء، ۵۶۲ ص، فارسی سرہ میں اقتباسات کا مجموعہ

کشف الاسرار وعدۃ الابرار (تفسیر قرآن)، از رشید الدین ابوالفضل میبدی۔ دوسروں کی شراکت کے ساتھ تصحیح ہوئی، تہران، ۶۰-۱۹۵۲ء، دس جلدیں

تفاسیر بوعلی سینا، از قرآن مجید، مجلّہ دانشکدہ ادبیات دانشگاہِ تہران، جلد ۱، شمارہ ۴ (۱۹۵۳ء)

رسالۂ معرفۃ المذاہب، مجلّہ دانشکدۂ ادبیات، دانشگاہ تہران، جلد ۴، شمارہ ۱، ۱۹۵۷ء، ص ۱-۱۷

گلزار حکمت، مجموعہ ای از نوادر و اشعار و حکایات و امثال بہ السنہ فارسی، عربی، انگلیسی و فرانسہ، تہران ۱۹۷۷ء، ۴۴۵ ص

ماخوذ از:

۱۔ اقبال یغمایی، **وزیران علوم و معارف و فرہنگ ایران**، تہران، مرکز نشر دانشگاہی، ۱۳۷۵ش / ۱۹۹۶ء، ص ۳۲۴-۳۳۵

ہوشنگ اتحاد، **پژوہشگران معاصر ایران**، تہران، ۲۰۰۰ء، ج ۲، ص ۴۸۳-۵۲۴

۲۔ مجلّہ ''راہنمای کتاب''، تہران، سال پنجم، شمارہ ۲، اردی بہشت ۱۳۴۱ش، ص ۱۹۶-۱۹۸

۳۔ مجلّہ ''آیندہ''، تہران، سال ششم، شمارہ ۷-۸، مہر-آبان ۱۳۵۹ش، ص ۶۱۲-۶۱۵

۴۔ عبدالحسین آذرنگ، ''حکمت، علی اصغر'' در **دانش نامۂ جہان اسلام**، تہران، ۲۰۰۹ء، جلد ۱۳، ص ۷۶۶-۷۷۰

Abbas Milani, "Hekmat, 'Ali Asgar", *Encyclopedia Iranica*.

تقریظ بر کتاب ''جامی''

تألیف علی اصغر حکمت، ترجمۂ عارف نوشاہی
(برای چاپ اوّل، ۱۹۸۳)

به قلم استاد خلیل الله خلیلی

بسم الله الرحمٰن الرحیم

پس از روزگاری، توفیق میسّر آمد تا بار دیگر کشور پاکستان و پرورشگاه پاکا ن را زیارت نمودم و خیمه گاه مهاجران آوارهٔ وطنم را دیدم.

دوستان دیرین که با ادب درّی دلبستگی دارند و با تاریخ و فرهنگ کشور من پیوند ناگسستنی، مرا به دیدار خود شاد گردانیدند.

با ادیب جوان و محقّق ارجمند، سیّد عارف نوشاهی قادری در راول پندی اتفاق صحبت افتاد. وی روزگار عمر را به سیرهٔ متتّبعان حقیقت نگرِ ژرف بین در تحقیق و تدقیق صرف نموده و درین راه رنج ها برده. در خلال سفر های دیگرش کابل و هرات رفته تا در مورد دوتن از خفتگان آن خجسته خاک تتّبع و تحقیقش را به پایهٔ تکمیل رساند. یکی، افتخار عرفای سخن سرا، مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی مدفونِ خیابان هرات و دیگر فضیل وَحِی مقبورِ روستای بینی حصار کابل؛ که آن یکی آوازهٔ فضل و صریر قلمش در خاور و باختر گیتی ولوله انگیخته و پایهٔ فضلِ فضیل وَحِی را هنوز

همشهریانش نیک نشناخته اند.

محور تحقیق عارف نوشاهی در مورد مولانا، رسالهٔ جامی تألیف وزیر دانشمند شیرازی مرحوم علی اصغر حکمت است که چند سال پیشترک چشم از کتاب سیاه و سفید زندگی دوخته است. حکمت، دانشمندی بود خدا شناس و محقّقی ارجمند و سخنوری والا. هشت نُه سال پیش، او را در طهران زیارت کردم و این دیدار آخرین ما بود. استاد بزرگوار جناب مدرّس رضوی مرا به منزل حکمت رهمونی کرد.

پیر مرد رو شن ضمیر را بر کرسی نشانیده بودند. بار گران زندگی مهرهٔ کمرش را شکسته بود. گوشش از شنوایی باز مانده و نگاهش درست نمی دید. زبانش را یارای گویایی نبود. دستش می لرزید. پس از نیم ساعت سعی در معرفی من، از شنیدن نام مکرّر افغانستان به خود آمد. از نام کابل و غزنه، قندهار و هرات به گذشته بازگشت. غزنه و حدیقهٔ سنایی، گازرگاه و خواجهٔ الٰهی الٰهی گوی انصاری، آرامگاه جامی باآن درختِ پسته وارغوان در نظرش مجسّد گردید.

از فیض آن رابطه ها، نیروی معنوی خود را باز یافت، مرا شناخت و آهسته آهسته از روزگارِ رفته یاد نمود.

دانه های لرزان ولغزان اشک برمژگانش پدید آمد. راست نشست و با انگشتان رعشه دار این رباعی را در دفترچه یادداشتم ثبت نمود:

دل خون کند و چهره زریری، پیری
در هم شکند صولت شیری، پیری
گفتم که بتر کدام پیری یا مرگ؟
پیر خردم گفت که: پیری، پیری

خانم محترمه اش گفت: "پیر مرد پس از هفت ماه دست به قلم برد."

(شاید بار آخر بود.)

و هم چنان که مرحوم حکمت در تألیف کتاب نفیس خود **جامی** و در تدوین تفسیر مبارک **کشف الاسرار** شخصاً به رجال و کتب خانه های افغانستان محبوب ما مراجعه کرده، دانشمند حقیقت پژوه، عارف نوشاهی نیز شهر به شهر گردیده و به مکتبه های عمومی و شخصی مراجعه کرده است.

ازین جاست که عارف نوشاهی بسا نکات را در اخبار و آثار جامی روشن نموده که برما پوشیده بود.

شک نیست که برگردانیدن کتاب مرحوم حکمت به زبان اُردو، امری است بسیار مفید و ضروری.

امّا تعلیقات و ایزادات و حواشی و تحقیقات نوینِ عارف نوشاهی و پژوهش های عالمانه اش مقام خاصّ و موقف ممتاز و بس ارزنده دارد.

امید دارم روزی فرا رسد که این ایزادات به فارسی ترجمه شود وکسانی که به پایهٔ والای عرفانی، علمی، ادبی، لغوی، رجالی، فلسفی این بزرگمردِ عارفِ شاعرِ داستان نگارِ موسیقی شناسِ معمّا نویس اعنی افتخار العصر و الزّمان مولانا نورالدین عبدالرّحمان جامی علاقه دارند ازآن مستفید گردند.

از پیوستگی های جامی با علمای مسلمانِ نیم قاره پنج صد سال می گذرد، ولی پیداست که در این سرزمین پاک در مسجد و خانقاه، در مدرسه و دانشگاه، هنوز سلسلهٔ ذهبی گوهران افکار وی بر سینهٔ ارادت مندان می درخشد و سبحهٔ ابرارش چون تحفه دست به دست آزادگان می گردد. هنوز نفحات مشک اندودش مشام جان اصحاب اُنس را تازه می دارد و اشعهٔ فواید آثارش اندیشهٔ ارباب ذوق را ضیاء می بخشد.

مساعی عالمانهٔ جناب عارف نوشاهی که خود پروردهٔ دامان و دودمان معرفت و دانش است، دراین باب سزاوار هرگونه شادباش و آفرین می باشد.

خوشش بادا نسیم صبحگاهی
که دَرد شب نشینان را دوا کرد

اسلام آباد
حوت ۱۳۶۱ شمسی

خلیلی

دو شینه به بزم شعراء بحث نمودند
مردان سخن سنج، سخن گسترِ نامی

فردوسی و خاقانی و سعدی و سنایی
صدر عرفاء مولوی و خواجه نظامی

کاین گنج گرانمایهٔ اشعار دری را
آن کیست که دارد پس ازین نیز گرامی؟

فریاد کشیدند که این گنج گهررا
کس نیست سزاوار به جز حافظ و جامی

زیبنده به جامی شده در دیدهٔ حق بین
شیرین سخنی، نکته رسی، نغز کلامی

برای کتاب (جامی) تألیف دوست عزیز عارف نوشاهی

اسلام آباد، ۲۱/ ۱۱/ ۱۹۸۲/ ۳۰ عقرب ۱۳۶۱

خلیلی

ترجمہ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

ایک مدت بعد مُلکِ پاکستان اور پاک لوگوں کی اس پرورش گاہ کی زیارت کا دوبارہ موقع ملا۔ یہاں اپنے وطن کے بے گھر مہاجروں کی خیمہ بستیاں بھی دیکھیں۔ پرانے دوست احباب نے، جو دری (فارسی) ادب سے دل بستگی رکھتے ہیں اور میرے ملک کی تاریخ اور تہذیب سے ان کا نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے، اپنی ملاقاتوں سے مجھے خوش وقت کیا۔

جوان ادیب اور ارجمند محقق، سیّد عارف نوشاہی قادری سے راول پنڈی میں ملنے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے اپنی عمر حقیقت نگر ژرف بین بزرگوں کی سیرت پر تحقیق و تدقیق کرنے میں صرف کی ہے اور اس راہ میں رنج اٹھائے ہیں۔ انھوں نے اس مقصد کے لیے کابل اور ہرات تک کے سفر کیے ہیں تا کہ وہاں کی خاک پاک میں سوئے ہوئے دو بزرگوں پر اپنی تحقیق مکمل کر سکیں۔ ان میں سے ایک، ہرات کے محلّہ خیابان میں مدفون، عارف مشرب شعرا کے فخر، مولانا نورالدین عبدالرحمان جامی ہیں اور دوسرے فضیل وحی ہیں، جن کی قبر کابل کے گاؤں بنی حصار میں ہے۔ جامی کے علم و فضل اور صریر خامہ کی شہرت مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہے، جب کہ فضیل وحی کے فضل کا مقام ان کے ہم وطنوں نے ابھی ٹھیک طرح نہیں پہچانا۔

مولانا جامی کے بارے میں عارف نوشاہی کی تحقیق کا محور شیرازی دانشور علی اصغر حکمت مرحوم کی کتاب جامی ہے، جنھوں نے ابھی چند سال پہلے ہی زندگی کی سیاہ و سفید کتاب سے آنکھیں بند کی ہیں۔ حکمت ایک خدا شناس دانشور، والا قدر محقق اور والا مرتبت سخن ور تھے۔ آٹھ نو سال پہلے انھیں طہران میں دیکھا تھا اور یہ ان سے آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ استاد بزرگوار جناب مدرّس رضوی مجھے حکمت کے گھر لے کر گئے تھے۔ پیر روشن ضمیر کو [گھر والوں نے] کرسی پر بٹھا رکھا تھا۔ زندگی کے بوجھ نے ان کی کمر کا مہرہ توڑ ڈالا تھا، کان سننے سے رہ گئے تھے، نظر صحیح کام نہیں کر رہی تھی، زبان کو بولنے کا یارا نہ تھا اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔ میرے تعارف میں کوئی آدھا گھنٹہ صرف کرنے اور افغانستان کا بار بار نام سننے کے بعد وہ کچھ اپنے ہوش میں آئے۔ کابل، غزنہ، قندھار اور ہرات کا نام سنا تو ماضی میں لوٹ گئے۔ غزنہ اور سنائی کی حدیقہ، گازرگاہ اور الٰہی الٰہی کا ورد کرتے ہوئے خواجہ انصاری اور پستے اور ارغون کے درخت سے ڈھکی جامی کی مرقد ان کی

آنکھوں کے سامنے مجسم ہوگئے۔ ماضی کے ان رابطوں سے انھوں نے اپنے اندر ایک روحانی طاقت پائی۔ مجھے پہچان لیا اور آہستہ آہستہ گذرے ہوئے زمانے کو یاد کرنے لگے۔ ان کی پلکوں پر آنسوؤں کے موتی سج گئے۔ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنی کانپتی انگلیوں کے ساتھ میری ڈائری میں یہ رباعی لکھی:

دل خون کند و چهره زریری، پیری
در هم شکند صولت شیری، پیری
گفتم که بتر کدام پیری یا مرگ؟
پیر خردم گفت که: پیری، پیری

ان کی بیگم صاحبہ نے کہا ''بڑے میاں نے کوئی سات ماہ بعد قلم ہاتھ میں پکڑا ہے۔'' (اور شاید آخری بار!)

جس طرح حکمت مرحوم نے اپنی نفیس کتاب **جامی** تالیف کرتے اور مبارک تفسیر **کشف الاسرار** تدوین کرتے وقت ذاتی طور پر میرے محبوب افغانستان کے کتب خانوں اور اشخاص سے رجوع کیا تھا، حقیقت طلب دانشور عارف نوشاہی بھی شہر شہر گھومے ہیں اور سرکاری اور ذاتی کتب خانوں کو [اس تحقیق کے لیے] دیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عارف نوشاہی جامی کے حالات اور تصانیف کے سلسلے میں ایسے بہت سے نکات سامنے لائے ہیں جو ہم پر پوشیدہ تھے۔ بلاشبہ حکمت مرحوم کہ کتاب کو اردو میں منتقل کرنا بہت مفید اور ضروری امر ہے۔ لیکن عارف نوشاہی کے [اس ترجمے پر] تعلیقات، اضافات، حواشی اور جدید و عالمانہ تحقیقات کا اپنا ایک خاص اور الگ مقام ہے اور یہ بے حد قیمتی ہیں۔ مجھے امید ہے وہ دن آئے جب یہ اضافات فارسی میں بھی ترجمہ ہوں اور وہ لوگ جو اس بطل جلیل، صوفی شاعر، داستان نویس، موسیقی دان، معما نویس افتخار العصر والزمان مولانا نورالدین عبدالرحمان جامی کے روحانی، علمی، ادبی، لغوی، رجالی اور فلسفی مرتبے کے گرویدہ ہیں، اس سے مستفید ہوں۔

برّصغیر کے مسلمان علما کے ساتھ جامی کے تعلقات کو پانچ سو سال گذر رہے ہیں اور معلوم ہے کہ اس سرزمین پاک کی مساجد، خانقاہوں، مدرسوں اور دانش گاہوں میں اب بھی عقیدت مندوں کے سینے پر ان کے افکار کے موتیوں کا سلسلة الذهب سجا ہوا ہے اور آزاد منشوں کے

ہاں ان کی سبحہ ابرار ، تحفے کی طرح ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہے،اب بھی ان کے عطر بیز نفحات اصحابِ انس کے مشام جان کوتازہ رکھے ہوئے ہیں اور ان کی تصانیف کے فواید کے اشعہ ،ارباب ذوق کے افکارکو ضیاء بخشتے ہیں۔ (۱)

جناب عارف نوشاہی ، جوخود معرفت و دانش کے دامن اور خاندان کے پرورده ہیں، کی اس باب میں مساعی ہر طرح سے مبارک اور آفرین کی مستحق ہیں۔

خوشش بادا نسیم صبحگاهی
کـه دَرد شب نشینان را دوا کرد

خلیلی

اسلام آباد
حوت ۱۳۶۱ شمسی [فروری ۱۹۸۲ء]

۱۔ عبارت کے اس ٹکڑے میں خط کشیده الفاظ جامی کی تصانیف **سلسلة الذهب**،**سبحة الابرار**،**تحفة الاحرار**،**نفحات الانس**،**اشعة اللمعات** اور **فوائد الضیائیہ** کی طرف اشارہ ہے۔

قطعۂ تاریخ طبع کتاب از استاد خلیلی

(طبع اوّل ۱۴۰۳ھ)

چـون بـه اردو کتـابِ حـکـمـت شـد
تـرجـمـه بـا نـکـو سـر انـجـامـی
کـلکِ نـوشـاهـی از سـرِتـحـقیق
نـقـش کـرد آن صـحـیـفۂ نـامـی
جُستم از عـقـل سـال تـاریخـش
مـانـد در ره فـرو بـه نـاکـامـی
''جـامـی''آمـد بـرون و گـفـت بـه شوق
'' شـرح اخبـار مـولـوی جـامـی''

عبارت ''شرح اخبار مولوی جامی'' به حساب جمل ۱۴۵۸ می شود که اگر از آن ''جامی''(معادل ۵۴) را بیرون بکشیم،۱۴۰۴ به دست می آید.البته کتاب در ۱۴۰۳ چاپ شده بود.

دیباچہ

از مؤلف

تاریخ اسلام کی نویں صدی میں سرزمینِ ایران میں فارسی ادب (نظم ونثر) کا جو عظیم ترین استاد پیدا ہوا وہ بالتحقیق نورالدین عبدالرحمٰن جامی ہیں، جن کے فضل و دانش کی شہرت نہ صرف خراسان میں، جو اُن کا وطن ہے، بلکہ تمام فارسی قلمرو، ہندوستان، افغانستان، ماوراءالنہر سے لے کر ایشیاے کوچک اور استنبول تک پھیلی ہوئی ہے۔ ان کا نامِ نامی نہ صرف خود اُن کے اپنے عہد میں بلکہ دَورِ حاضر میں بھی اہلِ ادب کے ہاں عزت واحترام سے لیا جاتا ہے۔

جامی کے معاصرین سے امیر نظام الدین علی شیر (۱) کو جامی سے ارادت تھی۔ جامی کی وفات کے فوراً بعد انھوں نے جامی کے حالات، مکارم اور اوصاف پر ایک کتاب خمسۃ المتحیرین (۲) لکھی۔

بابرنامہ کے مؤلف اور ہندوستان میں تیموری سلطنت کے بانی ظہیرالدین بابر (۳) نے اپنی کتاب میں جامی کا نام بہت احترام سے لیا ہے اور لکھا ہے: "اپنے زمانے میں ظاہری اور معنوی علوم میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔" (۴) مگر ساتھ ہی وہ کہتا ہے کہ جامی کو مدح وستائش کی حاجت نہیں ہے، بلکہ ان کا نام تیمن وتبرک کے طور پر درج کیا گیا ہے۔

اسی زمانے کے دوسرے تذکرہ نویسوں؛ دولت شاہ سمرقندی، (۵) سام میرزا صفوی، (۶) خواندمیر صاحب حبیب السیر (۷) نے اپنی اپنی کتابوں میں جامی کا نام بہت تکریم سے لیا ہے اور ہر ایک نے مختلف انداز میں شرح وبسط کے ساتھ جامی کی عظمت اور جلالت کی تعریف کی ہے۔

حال ہی میں جن یورپی محققین نے ایرانی ادب کی تاریخ پر کام کیا ہے، وہ بھی تمام کے تمام جامی کے استاذانہ مقام کے معترف ہیں۔ ان میں سے ایک کا کہنا ہے کہ جامی سرزمینِ ایران سے اٹھنے والے نامور نابغوں میں سے ایک ہیں، کیونکہ وہ بیک وقت عظیم شاعر، عظیم محقق اور عظیم

عارف ہیں۔(۸)

ایک دوسرے یورپی محقق جامی کی فضیلت میں یوں رطب اللسان ہیں:

''نہ صرف شعر وشاعری کے لحاظ سے، بلکہ علمی فضائل اور تحقیق کے پہلو سے بھی جامی کا ذوق بھرپور اور علم وافر تھا۔''(۹)

اس فصیح عالم اور دانش ور شاعر کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ اور تصانیف پر بحث ایک ایسا درس ہے جو نہ صرف بے حد دل چسپ اور دل کش ہے بلکہ اخلاق کو سنوارنے والا اور ذوق وشوق کو بڑھانے والا بھی ہے۔ یہی محرک ہوا کہ ہماری محدود نظر سے جامی کے جو حالات اور تصانیف گذرے، انھیں یک جا کر دیا جائے۔

میں اپنی یادداشتوں کا یہ مجموعہ دانشکدۂ ادبیات (تہران یونیورسٹی) کے ان طلبہ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جن کا دل شوق سے لبریز اور دماغ جذبے سے معمور ہے۔

علی اصغر حکمت

تہران
بہمن ماہ ۱۳۲۰ / فروری ۱۹۴۲ء

بابِ اوّل

سیاسی ماحول

مذہبی اور معاشرتی پس منظر

سیاسی ماحول

نویں صدی ہجری/ پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں جب جامی ہرات میں زندگی بسر کر رہے تھے تو سرزمین ایران دو حصوں میں تقسیم تھی اور اس پر دو مختلف شاہی خاندان حکومت کر رہے تھے۔

ایران کے مشرق میں تیموریوں کی حکومت تھی جن کے دارالحکومت سمرقند اور ہرات تھے۔ جامی نے سلاطین تیموریہ میں سے پہلے سلطان شاہرخ (۸۰۷-۸۵۰ ہجری/ ۱۴۰۵-۱۴۴۶ عیسوی) کا کچھ زمانہ پایا۔ پھر میرزا ابوالقاسم بابر (۸۵۶-۸۶۰ ہجری/۱۴۵۲-۱۴۵۶ عیسوی) اور میرزا ابوسعید گورکان (۸۶۰-۸۷۳ ہجری/ ۱۴۵۶-۱۴۶۹ عیسوی) کا مکمل عہد دیکھا۔ سلطان حسین بایقرا (۸۷۳-۹۱۱ ہجری/ ۱۴۶۹-۱۵۰۶ عیسوی) کا بہت سارا دورِ حکومت جامی کے سامنے گذرا۔

اُدھر ایران کے مغرب اور جنوب میں پہلے قرہ قوینلو ترکمان حکمران رہے پھر آق قوینلو ترکمان برسر اقتدار آ گئے۔ دونوں کا دارالحکومت تبریز تھا۔ ان سلاطین میں سے جامی، جہان شاہ قرہ قوینلو (۸۴۳-۸۷۲ ہجری/ ۱۴۳۹-۱۴۶۷ عیسوی) حسن بیگ یا اوزون حسن آق قوینلو (۸۶۱-۸۸۲ ہجری/ ۱۴۵۷-۱۴۷۸ عیسوی) اور اس کے بیٹے یعقوب بیگ (۸۸۳-۸۹۶ ہجری/ ۱۴۷۸-۱۴۹۰ عیسوی) کے ہم عصر تھے۔

نویں صدی ہجری کے سیاسی اتار چڑھاؤ کی تاریخ یوں ہے کہ پہلے پہل تو امن وسکون کا ایک طویل دور گذرا، لیکن بعد میں کچھ مدت بہت کشمکش اور آشوب رہا۔ ایک بادشاہ کے زیرِ اقتدار چند سال تو بڑے آرام سے گذر جاتے لیکن جونہی ایک بادشاہ کی آنکھ بند ہوتی اِدھر ملک معاصر سلاطین اور شاہی خاندان کے شاہزادوں کے درمیان میدان کارزار بن جاتا۔ شاہرخ کے بعد ۸۵۰ تا ۸۵۶ھ، ابوالقاسم بابر کے بعد ۸۵۶ تا ۸۶۱ھ اور ابوسعید کی وفات کے بعد ۸۷۳ تا

۸۷۵ھ کے واقعات کی مثال ہمارے سامنے ہے، جب ایران حرب وضرب، اقتدار کی رسہ کشی اور قتل وغارت کا میدان بن گیا تھا۔ جامی نے انقلاب کے یہ تین ادوار دیکھے تھے۔ خوش قسمتی سے ۸۷۳ ہجری/ ۱۴۶۹ عیسوی میں ایران کی مشرقی سلطنت کی باگ ڈور سلطان حسین بایقرا کے ہاتھ میں آ گئی اور یوں جامی کے دمِ آخر ۸۹۸ ہجری/ ۱۴۹۲ عیسوی تک خراسان اور ماوراء النہر میں مکمل امن وامان برقرار رہا۔ پچیس سال کا یہی وہ عرصہ ہے جب جامی اپنی شاہکار کتابیں لکھ پائے۔

اُدھر اِن پچیس برسوں میں بقیہ ایران (جنوب ومغرب) پر اوزون حسن اور یعقوب بیگ کی پُرسکون حکومت رہی اور ایران کے علاقوں عراق (عجم)، آذربایجان، فارس اور بین النہرین میں مکمل امن وآرام رہا۔

مذہبی ماحول

نویں صدی ہجری میں مشرقی ایران میں اصولِ دین (اسلام) اور علمِ کلام کے قواعد و ضوابط، اہلِ سنت و جماعت کے فرقہ ''اشعریہ'' کے مطابق تھے۔[1] علم کلام کی جو بنیادیں قاضی عضد ایجی،[2] سعدالدین تفتازانی[3] اور میر سیّد شریف جرجانی[4] اور اس عہد کے دیگر علمائے کلام نے اٹھائی تھیں۔ اُن پر یہ دین بے حد مضبوط اور مستحکم طور پر قائم تھا۔ شاہ اور شاہی دربار کا سرکاری مذہب بھی یہی مسلک تھا۔ اُدھر مذہب شیعہ امامیہ، جس کے اصول وضوابط کی بنیادیں خواجہ طوسی،[5] علامہ حلّی[6] اور شہید اوّل[7] مضبوط کر چکے تھے، آذربایجان میں بیشتر اور خراسان میں نسبتاً کم مروّج تھا۔

سلاطین قرہ قونیلو کی زیادہ رغبت شیعی عقائد کی طرف تھی اور تبریز و عراق عجم میں مذہب شیعہ اپنے عروج پر تھا۔ اِدھر خراسان کے بعض علاقوں میں بھی شیعی عقائد مغربی ایران سے کم تر رواج پذیر نہ تھے۔ بلکہ یہاں کے بعض شہروں مثلاً سبزوار، مشہد اور غور صوبہ میں شیعوں کے مضبوط مراکز قائم تھے۔

نویں صدی ہجری میں ایران کی مذہبی تاریخ، شیعہ و سنّی مناقشات و تنازعات سے عبارت ہے جو اس صدی کے اختتام تک اپنی انتہا تک پہنچ گئے اور شاہ اسمٰعیل صفوی اوّل (۹۰۷-۹۳۰ ہجری/۱۵۰۲-۱۵۲۴عیسوی) کے خراسان پر تسلّط قائم ہونے سے شیعوں کے حق میں اُن کی کھلی فتح پر ختم ہوئے۔[8]

جامی کی واقعاتی زندگی اور تصانیف سے بھی یہ گروہی اختلاف نمایاں ہے، گو ماحول کے تقاضے کے پیشِ نظر جامی کا شمار اہلِ سنت و جماعت کے علما اور اکابر میں سے ہوتا ہے۔ لیکن انھیں بڑی حد تک اثنیٰ عشری شیعہ مبادیات کا بھی احترام تھا۔

تصوّف کا ماحول

نویں صدی ہجری کی ایک اہم خصوصیت تصوّف کا فروغ اور صوفیانہ نظریات کا پھیلنا ہے جو اسلامی ممالک کے شرق وغرب میں رواج پا چکے تھے۔ امیر تیمور گورکان (۷۳۶-۸۰۷ہجری/ ۱۳۳۵-۱۴۰۵عیسوی) مشائخ وصوفیہ کا جس طرح احترام کرتا تھا اُس کی تفصیل تاریخی کتب جیسے تیموری ظفرناموں میں مل سکتی ہے۔ [۹] تیمور کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ کسی شہر یا بستی کو فتح کرتا تو سب سے پہلے وہاں کے زندہ مشائخ اور متوفی بزرگوں کی قبور کی زیارت کے لیے جاتا اور ان آستانوں پر نہایت عجز وانکسار کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کر کے ان سے ہمت طلب کرتا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ ''بابا سنگو'' سے ملاقات کے بعد اس پر فتوحات کا دروازہ کھل گیا ہے۔ [۱۰] شیخ زین الدین ابوبکر تائبادی (م:۷۹۱ہجری/ ۱۳۳۸عیسوی) سے بھی وہ مستفیض ہوا۔ [۱۱] آل تیمور ان خرقہ پوشوں اور سجادہ نشینوں پر اعتقاد اور ایمان میں اپنے اجداد پر بھی سبقت لے گئی۔

امرا اور شاہزادے بھی سلاطین سے پیچھے نہ رہے۔ سلاطین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے وہ بھی ہر شہر اور قریے میں کسی شیخ ومرشد سے متوسّل ہوتے۔ تیموری دربار کا یہی رجحان تیموریوں کے زیرِ نگین علاقوں میں فقر وتصوّف کے فروغ کا باعث ہوا اور نتیجے کے طور پر صوفیہ معاشرے کا اہم جزو بن گئے۔

صوفیہ کے ان فرقوں میں سے بعض، جیسے حروفیہ، افراط اور غلوّ میں اس قدر آگے نکل گئے کہ الحاد و زندقہ کی حدّ کو چھونے لگے۔ [۱۲] ''نوربخشیہ'' نے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ [۱۳] تاہم اُدھر ماوراء النہر میں سنّی صوفیہ کا ایک ایسا سلسلہ موجود تھا جو اپنے مذہبی عقائد میں تو متعصب اور دربار ہی کے موافق تھا لیکن اعتدال پسند بھی تھا۔ ہماری مراد سلسلۂ ''نقشبندیہ'' سے ہے جس کے بانی یا مجدّد، خواجہ بہاء الدین محمد بخاری (م:۷۹۱ہجری) ہیں۔ [۱۴] آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں اس سلسلے کو غیر معمولی شہرت اور وسعت حاصل ہوئی اور یہ بخارا، سمرقند اور خراسان کی حدود سے نکل

کر ہند (و پاکستان) تک جا پہنچا۔

تیمور کے جانشین یعنی شاہرخ، میرزا ابوسعید اور سلطان حسین بایقرا، سب خواجگان نقشبند کے آستانوں پر سر جھکاتے اور ان کے انفاس قدسیہ سے دونوں جہان کی فوز و فلاح طلب کرتے۔ دنیا و آخرت کے مسائل میں اُن سے رہنمائی لیتے۔ اس رویے کی بدولت شاہرخ کی ساری مملکت میں متعدد مشائخ ''پیدا'' ہو گئے۔ بے شمار لنگر خانے کھل گئے، خانقاہیں بن گئیں۔ ملک کے گوشے گوشے سے لوگ قیمتی تحائف اور نذرانے لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض و برکت پاتے۔

چونکہ جامی نے اپنی ابتدائی تعلیم ہرات اور سمرقند میں حاصل کی تھی اس لیے وہیں، نوجوانی کے دنوں میں، جو کہ روحانی تکمیل اور باطنی تربیت کا زمانہ ہوتا ہے، نقشبندی بزرگوں سے مانوس ہو گئے اور انھی کے عقائد و نظریات کے زیرِ اثر پرورش پائی۔ بالآخر سلسلۂ نقشبندیہ کے پیشوا مولانا سعد الدین کاشغری (م: ۸۶۰ ہجری)[۱۵] سے روحانی رشتہ قائم کیا جو آگے چل کر سماجی رشتے میں بھی بدل گیا۔ یعنی جامی، مولانا کاشغری کے سمدھی بن گئے۔

مولانا کاشغری کے انتقال پر خواجہ ناصر الدین عبیداللہ ملقب بہ خواجہ احرار (م: ۸۹۵ ہجری)[۱۶] نے اُن کی مسند ارشاد سنبھالی۔ میرزا ابوسعید گورکان اور اس کی اولاد نے خواجہ احرار کو جو عزت اور پذیرائی بخشی، وہ دوسرے مشائخ کے حصے میں کم ہی آئی ہو گی۔ خود جامی اُن کا احترام بجالاتے ہوئے اپنی کتب میں جا بجا اُن کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں۔

پادشاہانِ وقت مشائخ نقشبندیہ کی کس قدر تعظیم و تکریم کرتے تھے اور ان کی زبان سے نکلی ہوئی بات کس حد تک موثر تھی۔ یہ جاننے کے لیے کتاب **روضات الجنات فی اوصاف مدینہ ہرات** سے خواجہ عبیداللہ احرار کے سمرقند سے سفر ہرات سے متعلق اقتباس پیشِ خدمت ہے۔ جس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ سلطان ابوسعید نے کس طرح خواجۂ موصوف کے اشارے پر سمرقند و بخارا میں چنگیزی دور سے رائج چنگی محصول مکمل طور پر منسوخ اور کالعدم قرار دے دیا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''جناب ولایت پناہ، بخارا سے عازمِ خراسان ہو کر ۲۳ صفر ۸۶۵ ہجری کو دارالسلطنت ہرات تشریف فرما ہوئے۔ سلطان سعید نے ان کی تعظیم و توقیر اور

استقبال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ دوسرے دن حضرت خواجہ نے مقابر اولیا اللہ کی زیارت کی۔ خراسان کے سبھی اکابر نے اُن کا خیر مقدم کیا۔ سلطان سعید توکئی بار حضرت خواجہ کی زیارت کے لیے آیا۔ حضرت ارشاد پناہ نے جس پسندیدہ رائے کا بھی اظہار کیا وہ مان لی گئی۔ (ان کے کہنے پر) سمرقند و بخارا میں نافذ وہ محصول قطعی طور پر ختم کر دیا گیا جس سے (حکومت کو) خطیر آمدنی ہوا کرتی تھی۔ حضرت خواجہ ۱۱ ربیع الاوّل کو واپس ماوراء النہر تشریف لے گئے۔''(۱۷)

جامی نے **تحفۃ الاحرار** میں بڑے واشگاف الفاظ میں سلسلۂ نقشبندیہ سے اپنی وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ واضح رہے کہ اِس مثنوی کا انتساب بھی خواجہ عبیداللہ احرار کے نام ہے۔ **تحفۃ الاحرار** میں جامی پہلے خواجہ بہاء الدین نقشبند کی مدح بیان کرتے ہیں:

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند — نوبت آخر بہ بخارا زدند
از خط آن سکہ نشد بہرہ مند — جز دل بی نقش شہِ نقشبند
تاج بہا بر سر دین او نہاد — قفل ہوا از در دین او گشاد(۱۸)

پھر خواجہ احرار کے متعلق کہتے ہیں:

زد بہ جہان نوبت شاہنشہی — کوکبۂ فقر عبید اللّٰہی
آنکہ ز حریت فقر آگہ است — خواجۂ احرار عبیداللہ است(۱۹)

مختصر یہ کہ جامی کی نشو ونما ایک ایسے ماحول میں ہوئی جہاں ہر طرف مشائخ طریقت اور پیرانِ طریقت سے عقیدت کی خوشبو رَچی بسی تھی۔ چنانچہ خود جامی بھی سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک ممتاز شیخ طریقت بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف نقشبندی ادب میں اونچے مقام پر رکھی جاتی ہیں اور اُن کا شمار سلسلے کی بہترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ سلسلۂ نقشبندیہ اگرچہ ایران کی شیعہ آبادی والے علاقوں میں فروغ نہ پا سکا، لیکن ہند (و پاکستان) اور ترکی میں یہ اب بھی قائم و دائم ہے اور یہاں لوگ جامی کی کتابیں اپنے اکابر کے مقدس آثار کے برابر رکھتے ہیں۔

ہرات

ہرات، جامی کا مسکن و مدفن، نویں صدی ہجری میں اِسے عظمت اور مرکزیت حاصل تھی۔ خوشگوار آب و ہوا، پیداوار میں فراوانی اور ترقی کرنے کی استعداد اور امکانات کے سبب اس شہر نے وہ مقام پا لیا جو ایک دارالحکومت کے شایانِ شان تھا۔ شاہرخ کے عہد میں یہ عظیم شہر ایران، ترکستان، ماوراء النہر، افغانستان اور مغربی ہندوستان کا دارالحکومت قرار پایا۔ گو ایران میں صفویوں اور ہندوستان میں آلِ تیمور کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ہرات کا شان و شکوہ اصفہان اور دہلی منتقل ہو گیا، جو اُن دونوں خاندانوں کے دارالحکومت تھے، لیکن نویں صدی ہجری میں ہرات کا شمار وسطی ایشیا کے عظیم ترین شہروں میں ہوتا تھا۔ خود جامی کے زمانے میں ہرات کا کیا نقشہ تھا؟ آیئے اُسی صدی کے مصنف معین الدین محمد زمچی اسفزاری صاحبِ **روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ ہرات** (۸۹۷-۸۹۹ ہجری) کے ہمراہ ہرات چلتے ہیں:

> ''شہر کی فصیل کے اندر چار بازار ہیں اور ہر دروازے سے چاروں سمت ایک ایک بازار کھلتا ہے جس کا نام اسی دروازے کے نام پر رکھا گیا ہے... ہر دروازے کے باہر بھی ایک بازار ہے جو شہر کی آبادی تک چلا جاتا ہے، اور یہ آبادی کوئی ایک فرسنگ تک پھیلی ہوگئی۔
>
> میں جب یہ کتاب لکھنے بیٹھا تو اپنے چند شاگردوں کو شہر کی فصیل کا حصار ماپنے اور برجوں کی تعداد اور قطر معلوم کرنے کو بھیجا تو انھوں نے مجھے یوں حساب لگا کر دیا کہ فصیل کا کُل حصار سات ہزار تین سو قدم (تقریباً ۴ کلومیٹر)، برجوں کی مجموعی تعداد ایک سو اُنتالیس اور شہر کا قُطر ملک دروازہ سے لے کر فیروز آباد تک اور خوش دروازہ سے عراق دروازہ تک ایک ہزار نو سو در ایک ہزار نو سو قدم ہے۔'' (۲۰)

آگے چل کر اسفزاری بتاتا ہے:

''اب شہر (سلطان معزالدین کرت کے زمانے کی نسبت سے) زیادہ پھیل گیا ہے۔ کیونکہ اب یہ عرض میں ''درۂ دد برادران'' سے ''پلِ مالان'' تک دو فرسنگ کے رقبے پر پھیلا ہوا ہے اور یہاں عمارات بن گئی ہیں، بلکہ درۂ مذکورہ سے ''کوہ اسکلہ'' اور ''گل رخان'' تک کا جو چار فرسنگ کا فاصلہ ہے اور وہاں سے ''اوبہ'' سے ''کوسیہ'' تک کے تیس فرسنگ رقبے پر ایک دوسرے سے متصل ہرات کی عمارات، باغات، دیہات اور قصبات واقع ہیں۔''(۲۱)

اُس زمانے میں ہرات آبادی کے لحاظ سے ایک بڑا شہر تھا، جس کا ثبوت ہمیں وہاں ۸۳۸ ہجری میں طاعون کی وبا سے ہونے والی ہلاکتوں کے اعداد و شمار سے ملتا ہے۔ یہ وبا چار ماہ آٹھ روز تک جاری رہی اور اِس دوران میں ہر روز دیہات و قصبات کے چند ہزار لوگ لقمۂ اجل بن جاتے۔(۲۲) بقول اسفزاری:

''محاسبوں سے ہمارے ہاتھ لگنے والے اعداد و شمار کے مطابق ہرات شہر میں اُن ہلاک شدگان کی تعداد چھ ہزار تک ہے جنھیں گور و کفن نصیب ہوا، اور جو گڑھوں اور گھروں کے اندر دبا دیے گئے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میرے والد نے اس المیے پر ایک نظم لکھی جس کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

زانہا کہ یافت گور و کفن مردم خیار ششصد ہزار در قلم آمد کہ رفتہ اند
باقی ز بیکسی ہمہ در خانہ ماندہ اند خوردند جسمشان ہمہ درخانہ مور و مار''(۲۳)

تعجب ہے کہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ اتنے بڑے پیمانے پر ہلاکتوں کے باوجود ہرات اپنی پہلی رونق اور عظمت کھو بیٹھا ہو یا اِس حادثے نے اُس کے شان و شکوہ کو نقصان پہنچایا ہو۔

ہرات اپنی کثرت آبادی اور شاہرخ اور بایسنقر کی علم نوازی کی بدولت اُن کے پچاس سالہ دورِ حکومت میں علم و ادب کا مرکز بنا رہا اور دنیا کے گوشے گوشے سے فضلا، حکما اور شعرا یہاں جمع ہونے لگے۔ اُن کے بعد میرزا ابوسعید کے دس سالہ دورِ حکومت میں بھی ہرات کی سیاسی، اقتصادی اور علمی مرکزیت میں کوئی فرق نہ آیا۔ پھر حسین بایقرا کی پینتیس سالہ پُر جاہ و جلال حکومت نے اِس شہر کی رونق کو چار چاند لگا دیے۔ سلطان مذکور کی علم دوستی، دانش پروری اور اس کے دربار

کے مدبّر امراء نے ہرات کی اہمیت مزید بڑھادی، یہاں علاقے بھر کے ممتاز دانشور اور شاعر جمع ہو گئے، جن کے سرخیل مولانا جامی تھے۔ انھی کے دم سے ہرات تاریخِ ادبیات میں زندۂ جاوید ہو گیا۔

تیموری بادشاہوں نے یہاں عظیم الشان محلات، پُرشکوہ عمارات اور خوبصورت باغات بنوائے، جہاں وہ سرِ عام اپنا دربار سجاتے۔ سفید باغ، زاغان باغ اور جہاں آرا باغ مدتوں شعرا کے ہاں موضوعِ سخن بنے رہے۔ دیوان جامی میں اِن شاہی عمارات کی تعریف میں نو قصیدے ملتے ہیں، جو بظاہر اُس عہد کی روایت کے مطابق خوش نویسوں کے خوبصورت خط میں ان عمارات پر لکھوائے بھی گئے۔ جامی کے ایک ایسے ہی قصیدے کا مطلع ہے:

حبّذا قصری کہ ایوانش ز کیوان برتر است
قبّۂ والای او بالای چرخ اخضر است (۲۴)

مختصر یہ کہ، ہرات اپنی کشادہ سڑکوں، صاف ستھرے باغوں اور گنجان آباد محلوں کی بدولت ایسا آسمانِ ادب و ہنر بن گیا جس پر ہزاروں عالم، دانشور، شاعر، فاضل، ماہر مصوّر اور باصلاحیت خطاط اور اربابِ ذوق ستاروں کی مانند چمک رہے تھے (۲۵) اور جامی اِسی آسمان کے آفتاب تھے۔ جن کی علمیت، فضیلت اور ذوقِ لطیف کی تابناک شعاعیں چوتھائی صدی تک آفاق کو منور کرتی رہیں۔ آسمانِ ادب کا یہی آفتاب - جامی - ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

سلطنتِ تیموریہ

مشرقی ایران پر حکمران تیموری سلاطین نے نویں ہجری میں ۸۰۷ تا ۹۱۱ ہجری/ ۱۴۰۵ تا ۱۵۰۶ عیسوی ایک ایسا تمدن قائم کیا جس نے نامور سلاطین، امرا اور وزرا پیدا کیے۔ علوم حکمت، کلام، فلسفہ، فقہ، اصول، تصوّف، شعر، نثر اور فنونِ لطیفہ جیسے نقاشی، معماری، کاشی کاری اور تذہیب کو اُس عہد میں اس قدر ترقی حاصل ہوئی کہ وہ دور تاریخ ایران کا زرّیں دور کہلانے کا مستحق ہے۔

اِس صدی کی سیاسی تاریخ کو یکساں طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن کی حدِ فاصل سلطان شاہرخ کی موت (۸۵۰ ہجری/ ۱۴۴۶ عیسوی) ہے۔ شاہرخ پہلے اپنے والد تیمور کی نیابت میں سات سال تک خراسان پر حکومت کرتا رہا۔ پھر اس کے اپنے تینتالیس سالہ دورِ حکومت میں بھی خراسان، سلطنت ایران کا مرکز بنا رہا۔ تیمور کے فتح کردہ عظیم خراسان کی انتظامی کامیابی کا راز، اس کا حسنِ سلوک، رواداری اور اصول شریعت اسلامی پر عمل تھا۔ شاہرخ کا ایک خصوصی قدم چنگیزی دور کے قوانین اور رسوم کا مکمل خاتمہ اور اُن کی جگہ اپنی سلطنت کو اسلامی شریعت پر قائم کرنا تھا۔ (۲۶) اِس طرح خاندان تیموریہ ایک مسلمان حکمران خاندان کی حیثیت سے متعارف ہوا اور اس کے حکمرانوں کی علمائے اسلام اور مسلمان رعایا کے ہاں بے حد پذیرائی ہوئی۔

نویں صدی ہجری کے دوسرے نصف میں ایرانی سلطنت تیموریہ کا استحکام جاتا رہا۔ اس خاندان کے بیرونی دشمن ''ازبک''، جو خود کو جوجی خان کی اولاد اور چنگیز خان کا حقیقی وارث سمجھتے تھے، بحر خزر کے شمال سے اور ''ترکمان'' ایران کے مغرب سے سلطنت تیموری کو مسلسل کمزور کر رہے تھے۔ اِدھر داخلی طور پر تخت و تاج کے حصول کے لیے جو کشمکش ہو رہی تھی وہ الگ داستان ہے۔ تخت ایک تھا اور شاہزادے ہزار، ہوسِ اقتدار نے آنکھوں پر ایسی پٹی باندھی کہ باپ بیٹا دونوں ایک دوسرے کو راستے سے ہٹانے کے لیے اقدامِ قتل سے بھی گریز نہ کرتے۔ بھائیوں اور

چچازادوں کے درمیان علیحدہ میدانِ کارزار گرم تھا۔ یوں عظیم سلطنت تیموریہ کے حصے بخرے ہو رہے تھے۔

گو شاہرخ کے دربار میں اب وہ پہلی سی رونق باقی نہیں تھی تاہم سلطنت جن ذیلی ریاستوں میں تقسیم ہوئی تھی وہاں بھی علم وادب کی محفلیں جمنے لگیں اور اِس زوال پذیر عہد نے بھی کئی نامور شعرا اور ادبا پیدا کیے۔ ہم بطورِ خاص یہاں چار حکمرانوں کا نام لینا چاہتے ہیں، جنھوں نے سیاسی تاریخ کے ساتھ ساتھ علمی تاریخ میں بھی اپنا نام یادگار چھوڑا۔ ہماری مراد میرزا الغ بیگ (سمرقند)، میرزا ابوسعید (ہرات)، سلطان ابوالغازی حسین بایقرا (ہرات) اور ظہیرالدین بابر (دہلی) سے ہے۔ چونکہ جامی کا بابر سے کوئی براہِ راست تعلق نہیں تھا، لہٰذا اس کا تذکرہ یہاں خارج از بحث ہے۔ البتہ اُس کی جگہ ہم اسی کے ہم نام میرزا ابوالقاسم بابر (ہرات) کا ذکر کریں گے جو جامی کا اوّلین ممدوح ہے۔ ہرچند وہ اپنے مختصر عہدِ حکومت میں فضلا و علما کی خاطر خواہ سرپرستی نہیں کرسکا تھا۔

اسی صدی میں علما، شعرا اور ادبا کی کثرت ان سلاطین کی علمی سرپرستی کی دلیل ہے۔ صاحب **حبیب السیر** نے ایسے دوسودس مشاہیر کے نام گنوائے ہیں جن میں سے بائیس علما، شعرا کا تعلق خود تیمور کے عہد سے ہے اور باقی ایک سو ستاسی شعرا دیگر تیموری پادشاہوں کے معاصر تھے۔ (۲۷)

ڈاکٹر ایف آر مارٹن (F. R. Martin) نے اپنی کتاب میں تیموری سلاطین کی دانش پروری اور فن کی قدردانی پر جو مقالہ سپردِ قلم کیا ہے، ہم اسے ملخصاً یہاں پیش کررہے ہیں۔

''تیمور بادشاہ نے متعدد جنگوں کے بعد دولت کا جو اَنبار لگایا تھا اُس کے جانشینوں نے اس سے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔ پھر جس قدر جلد ممکن ہوا اِس کثیر دولت کو خرچ کردیا۔ تاریخ، جو ہمیشہ خود کو دُہراتی ہے، یہاں ہمیں Paladin امراء کی یاد دلاتی ہے جن کا ذکر Chansons de gestes کے شعروں میں موجود ہے۔ اُن امرا نے بھی نہایت قلیل مدت میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کردی۔ لیکن ابھی زیادہ دن نہیں گذر پائے تھے کہ وہ بلندیوں سے پستیوں پر آرہے۔ تیموری بادشاہوں کو تاریخِ ایران کے بہترین ہنرور امرا کہنا چاہیے۔ اگر ایک طرف تیمور کے لشکروں نے روے زمین پر صنعتی آثار کو تباہ و برباد کیا تو دوسری طرف اس کے جانشینوں نے اپنی

زیرِ سرپرستی نئے ہنرمند لوگ پیدا کر کے تلافی کر دی۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ سلاطین نہ ہوتے تو یہ اہلِ ہنر بھی نہ ہوتے... تیمور اور اس کے جانشینوں نے ایران میں فنونِ لطیفہ کو وہ ترقی دی کہ بایدو شاید۔ ان شاہزادوں کو وحشی یا جنگلی نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ شہر کے رہنے والے وہ صاحبِ ذوقِ لطیف اور متلاشی علم و دانش تھے جو فنونِ لطیفہ کو بطور نمائش یا تفاخر نہیں بلکہ فن کی خاطر پسند کرتے تھے۔ جنگوں کے درمیان انھیں جو وقت ملتا اس میں وہ کتب خانوں کی تشکیل و تکمیل میں لگ جاتے اور شعرا کے اشعار کو ترتیب دیتے۔ ان میں سے اکثر خود بھی شعر کہتے، جن کی شاعری درباری شاعروں کی شاعری سے بہتر تھی۔ سلطان حسین بایقرا کوئی معمولی شاعر نہیں تھا۔ اس کی ترکی غزلوں کو مشہور شعرا کی کئی غزلوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اپنی عربی اور فارسی شاعری میں تو وہ مولانا جامی کو اپنا ''رقیب'' سمجھتا تھا۔ تیموری سلاطین کا بے حد مہذب اور لطیف طرزِ زندگی کئی طرح سے ہماری توجہ اپنے اُن ہم عصر یورپی شہزادوں کی جانب مبذول کراتا ہے جو اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر تک فرانس میں موجود تھے۔ البتہ یہ تیموری بادشاہ علم پروری میں اُن شاہزادوں سے کہیں آگے تھے۔ شاہرخ، بایسنقر، الغ بیگ اور سلطان حسین بایقرا کتاب دوستی میں اپنے معاصرین بورگنی (Bourgogne)، ڈوک اور Rene' d' Anjou سے ہمیشہ پیش پیش رہے، بلکہ سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی کے فرانسیسی اور اطالوی کتاب دوست بھی ان تک نہ پہنچ سکے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی نظر آتی ہے کہ تیموری بادشاہ صرف کتابیں جمع ہی نہ کرتے بلکہ تخلیق بھی کرتے۔ بایسنقر اور سلطان حسین میرزا کو ایران میں وہی مقام حاصل ہے جو برطانیہ میں ولیم مورس (William Morris) کو ملا ہے۔ ان شہزادوں نے کتاب نویسی کے ایک نئے اُسلوب کی بنیاد رکھی جو اشرافیت کے نزدیک ہونے کے باوجود پختہ اور لطیف تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یورپ کے خوبصورت ترین مخطوطات بھی، باستثنائے چند، مشرق کی کتابوں کا (ہنر کی لطافت اور) خوبصورتی میں مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' (۲۸)

جامی اور تیموری سلاطین

اب ہم جامی کے ان معاصر سلاطین کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرتے ہیں جن کی جامی کے وطن خراسان اور دیگر اسلامی ملکوں پر حکومت تھی۔ ہم اس بات کا جائزہ بھی لیں گے کہ مولانا جامی کا فطری جوہر اور ذاتی کمال نکھارنے میں ان سلاطین کا کیا کردار رہا ہے۔

مولانا جامی کی ادبی تخلیقات میرزا ابوالقاسم بابر کے زمانے میں شروع ہو گئی تھیں۔ اس سے پہلے کے سلاطین مثلاً شاہرخ کا اُن کی کسی کتاب میں سراغ نہیں ملتا۔ چونکہ جامی ان دنوں سمرقند میں زیرِ تعلیم تھے اس لیے انھیں کسب کمالات اور حصول علوم سے ہی فرصت نہ ملتی ہو گی کہ وہ شاہی دربار کا رُخ کرتے اور درباری شعرا میں جگہ پاتے۔ اُدھر وہ لوگ بھی جامی کے جوہر سے ناواقف تھے اور ابھی انھیں جامی کے علم و فضل کا احساس نہیں ہوا تھا۔ صاحبِ **حبیب السیر** نے مولانا کی ادبی زندگی کے ادوار کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

> ''میرزا ابوالقاسم بابر کے زمانے میں اس کے نام پرفنِ معمّا میں ایک رسالہ موسوم بہ **حلیۂ حلل** لکھا۔ سلطان سعید کے عہد میں اپنا پہلا دیوان مرتّب کیا اور تصوّف کے بعض رسائل تصنیف کیے۔ جب کہ دیگر کتابیں خاقان منصور (حسین بایقرا) کے عہد میں لکھیں۔''(۲۹)

چنانچہ ہم بھی **حبیب السیر** کی تحریر کی تقلید میں ابتدا خراسان میں جامی کے ممدوحین سے کرتے ہیں۔

مرزا ابوالقاسم بابر

دورِ حکومت: ۸۵۱-۸۶۱ ہجری/ ۱۴۴۷-۱۴۵۷ عیسوی

وہ بایسنقر بن شاہرخ کا بیٹا تھا۔ پہلے دس سال تک استر آباد اور خراسان میں اپنے دادا شاہرخ کی نیابت میں حکومت کرتا رہا۔ پھر اُسے مکمل اختیارات حاصل ہوئے تو افغانستان، عراق

عجم، فارس اور خراسان اُس کے زیرِ نگین آ گئے۔ ۲۵ ربیع الثانی ۸۶۱ ہجری کو وفات پائی۔

مجالس النفائس میں امیر علی شیر نوائی کی اس کے بارے میں رائے ہے:

''وہ ایک درویش، فانی صفت اور کریم الطبع بادشاہ تھا۔ حالیہ صدیوں میں کوئی بادشاہ سخاوت میں اس کا ہم پلہ نہیں گذرا۔ کہتے ہیں اُس کے سامنے حاتم (طائی) کا ذکر کیا گیا کہ اس کے گھر کے چالیس دروازے تھے، اور اگر کوئی سائل ہر دروازے سے آتا تو حاتم ہر بار اُسے عطا کرتا۔ بابر نے یہ سنا تو کہا، ''حاتم ایک دروازے سے ہی اتنا کیوں نہ دیا کرتا کہ سائل کو دوسرے دروازے پر جانے کی حاجت نہ رہتی۔'' اُسے تصوّف کے رسائل **لمعات** (۳۰) اور **گلشن راز** (۳۱) سے شغف تھا۔ وہ شاعری کا بھی ذوق رکھتا۔ یہ رُباعی اُسی کی ہے:

چون بادہ و جام را بہم پیوستی   می دان بہ یقین کہ رند بالا دستی
جامست شریعت و حقیقت بادہ   چون جام شکستی بیقین بدمستی''

جامی نے ۸۵۶ ہجری میں فنِ معما پر رسالہ **حلیۂ حلل** میرزا ابوالقاسم بابر کے نام پر ہی لکھا۔ کتاب کے مقدمہ اور متن میں کئی مقامات پر شاہ مذکور کا نام بطور تعمیہ موجود ہے۔ جامی نے موصوف کی مدح میں ایک غزل بھی کہی، جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے:

بیا ای ساقی مہوش بدہ جام مَی رخشان
بہ روی شاہ ابوالقاسم معزالدولہ بابر خان
ز نظم دلکش جامی سرود بزم او بادا
نوای عشرت ساقی، نوید عیش جاویدان (۳۲)

مرزا ابوسعید گورکان

دورِ حکومت: ۸۵۵-۸۷۳ ہجری / ۱۴۵۱-۱۴۶۹ عیسوی

شاہرخ کے بعد ماوراء النہر کا اقتدار ابوسعید گورکان کے پاس رہا۔ وہ ہمیشہ خراسان کی فتح کے خواب دیکھا کرتا۔ چنانچہ ابوالقاسم بابر کے انتقال (۸۶۱ ہجری) کے بعد اُس نے خراسان پر چڑھائی کر دی اور ۸۶۳ ہجری / ۱۴۵۹ عیسوی میں اُسے مکمل طور پر فتح کر کے ایک عظیم سلطنت کی

بنیاد رکھی اور بارہ سال تک ماوراء النہر، افغانستان اور خراسان پر حکومت کی۔ آخر کار رجب ۸۷۳ ہجری میں آذر بایجان میں اوزون حسن ترکمان نے اُسے قتل کروا دیا۔

روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ ہرات کا مصنف ۸۷۰ ہجری کے واقعات درج کرتے ہوئے مرزا ابوسعید کی شان وشوکت کا ذکر یوں کرتا ہے:

''۸۷۰ ہجری تک امورِ مملکت میں کوئی بد نظمی باقی نہ رہی۔ شاہ کے انصاف اور عطوفت کی برکت سے ظلم وستم اور شر و فساد کی جڑیں کٹ گئیں۔ چین کی سرحد اور قلماق کے صحرا سے لے کر حدودِ خوارزم و عراق تک اور مازندران کی آخری حد سے لے کر مغولستان تک اور ترکستان سے ہندوستان کے آخری گوشے تک سارا علاقہ سلطان سعید کے زیرِ فرمان آ گیا۔ یہاں کے سارے اکابر اور سرداروں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ شاہ کے عدل وسخاوت کی اطراف واکنافِ عالم میں وہ دھوم مچی کہ لوگ اپنے قدیم مسکن و مکان چھوڑ کر اُس کے سایۂ عاطفت میں آ رہے۔''(۳۳)

اگرچہ مولانا جامی نے اپنا دیوان پہلی بار سلطان ابوسعید کے زمانے میں ہی مرتّب کیا تھا، لیکن اس کا نام دیوان میں بہت کم آیا ہے۔ ہماری نظر سے صرف ایک مثنوی نما نظم گذری ہے، جس کا مطلع ہے:

دوش چون بُرد سر ز گردش مہر
ظلّ مخروطی زمین بہ سپہر(۳۴)

اس مثنوی میں چند اشعار سلطان ابوسعید کی مدح میں ہیں۔

علاوہ ازیں مولانا کی ایک غزل میں بھی شاہ مذکور کی ستائش کی گئی ہے۔ ممکن ہے یہ غزل اس وقت کہی گئی ہو جب ابوسعید ابھی سمرقند میں تھا اور مولانا بھی خراسان سے سمرقند گئے ہوں گے (تقریباً ۸۵۵-۸۶۰ ہجری کا زمانہ)۔ غزل مذکور کا مطلع ہے:

ساقی بہ شکل جام زر آمد ہلال عید
مَے دہ بہ فرّ دولت سلطان ابوسعید(۳۵)

جامی کی تصانیف میں ہمیں کسی ایسی کتاب کا سراغ نہیں ملتا جس کا انتساب ابوسعید کے

نام ہو۔ اس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ جامی کو سلطان کے دربار تک رسائی حاصل نہیں تھی اور سلطان بھی انھیں اچھی طرح نہیں پہچانتا تھا۔ جب ۸۷۳ ہجری میں سلطان قتل ہوا تو جامی کی عمر چھپّن سال تھی۔

سلطان حسین بایقرا

دورِ حکومت: ۸۷۳-۹۱۱ ہجری/ ۱۴۶۹-۱۵۰۶ عیسوی

اِس کا نسب، امیر زادہ عمر شیخ کے واسطے سے امیر تیمور گورکان سے جا ملتا ہے۔ وہ خاندان تیموریہ کا آخری صاحبِ اقتدار بادشاہ ہے جس نے نہایت خودمختاری سے ۳۸ سال تک مشرقی ایران پر حکومت کی۔ اس کے دورِ حکومت میں خراسان بڑا آباد ہوا اور اسے بے حد رونق ملی۔ اہلِ علم و فضل کی سرپرستی سے ہرات، سلطان محمود غزنوی (۳۸۸-۴۲۱ھ/ ۹۹۸-۱۰۳۰ء) کا غزنی بن گیا۔ شعرا، علما اور اہلِ فن تھے کہ وہاں جمع ہوتے جا رہے تھے۔ سلطان حسین کا معاصر مورّخ خواند میر اپنی کتاب تاریخ **حبیب السیر** میں سلطان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''سادات عظام، علمائے اسلام، فضلائے روزگار اور شعرائے بلاغت شعار سے نیک برتاؤ میں اُس نے کبھی تغافل اور سُستی سے کام نہیں لیا۔ وہ اُن کی درخواستیں قبول کرنے اور انھیں اجناس و انعامات بھیجنے میں بڑی سنجیدگی سے احکام صادر کرتا۔ ہفتے میں دو دن یعنی پیر اور جمعرات کو قضات اور علما اس کے دربار میں مدعو ہوتے اور سلطان کو جو بھی مقدمہ درپیش ہوتا اس کا ائمہ دین کے فتوے کے مطابق فیصلہ کرتا۔ درویشوں اور گوشہ نشینوں کی صحبت میں بھی اس کا اکثر جانا ہوتا۔ وہ وعظ کی مجالس میں شرکت کرتا۔ مشائخ اسلام اور شیریں بیان واعظوں کا احترام لازم اور واجب خیال کرتا۔ اُسے رفاہی ادارے قائم کرنے، مساجد، مدارس، خانقاہیں اور سرائیں بنانے میں بڑی دلچسپی تھی۔ وہ اپنی گرہ سے آباد قصبات اور مرغوب الطبع اجناس خرید کر اُن کے لیے وقف کرتا۔ اُس نے خوبصورت محلات اور خوش منظر عمارات تعمیر کروائیں۔ باغات کے نقشے اور اُن میں درخت اور پھول لگانے میں اس نے ذاتی دلچسپی کا اظہار کیا۔''(۳۶)

سلطان کے زمانے میں مملکت خراسان بالخصوص دارالحکومت ہرات کی اِس قدر آبادکاری ہوچکی تھی کہ بقول اسفزاری:

> ''ویران اور پتھریلی جگہوں میں سے کوئی جگہ ایسی باقی نہ بچی جو کھیت یا باغ نہ بن گئی ہو۔ وادیوں اور صحراؤں میں جتنی خشک اور بنجر زمینیں تھیں، انھیں نہریں اور قناتیں کھود کر آباد کر دیا گیا۔ مثلاً ''مرغاب'' سے ''مروشاہجہان'' تک کا تقریباً تیس فرسخ اور ''سرخس'' سے ''مرو'' تک کا پچیس فرسخ کا غیر آباد اور بنجر علاقہ انھی مبارک ایام میں سرسبز اور آباد ہو کر ایک دوسرے سے متصّل ہو گیا۔''(۳۷)

لیکن ہرات کو نظرِ بد کھا گئی اور سلطان حسین بایقرا کی وفات کے بعد محمد خان شیبانی [مقتول ۹۱۶ھ] اور ازبکوں کے حملوں سے یہ رونق جاتی رہی۔

سام میرزا، جو ہرات کی فتح اور اُزبکوں کی شکست کے بعد اپنے باپ شاہ اسماعیل صفوی کی نیابت میں ۹۲۸ تا ۹۳۶ ہجری/۱۵۲۲ تا ۱۵۳۰ عیسوی ہرات اور خراسان پر حکومت کرتا رہا، سلطان حسین بایقرا کا حقیقی جانشین ثابت ہوا۔ اس نے اپنی کتاب **تحفۂ سامی** میں سلطان حسین کے عہد حکومت کا بڑے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> ''سلطان حسین مرزا ایک عادل اور رعایا پرور بادشاہ تھا، اس کی حکومت کے ایام موسمِ بہار کے دنوں کی طرح خوش وخرم گذرے۔ جو کامیابی اُسے حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے بادشاہ کے حصے میں کم آئی ہے۔ رفاہی ادارے بنانے اور علما وطلبہ کو سہولتیں فراہم کرنے میں وہ پیش پیش تھا۔ چنانچہ اُس کے زمانے میں بارہ ہزار علما وظیفہ پاتے تھے۔ اس سے ملک کی آبادکاری، رفاہِ عامہ اور اہلِ ہنر وشعر کی سرپرستی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس بادشاہ کو امیر علی شیر جیسا وزیر اور مولانا جامی ایسا مداح مل جائے وہ باقی مداحوں کی مدح وستائش سے بے نیاز ہے۔''(۳۸)

سلطان حسین اپنی تمام تر شان وشوکت اور رعب وجلال کے باوجود ذاتی طور صاحبِ ذوق وادب تھا۔ اس کے بے شمار فارسی اور ترکی اشعار موجود ہیں۔ فارسی نظم میں وہ ''حسینی'' تخلص کرتا۔ نثری تالیفات میں سے اس کے تذکرہ **مجالس العشاق** کو خاص شہرت ملی۔ (۳۹)

ایسے شعر پرور بادشاہ کے زمانے میں استاد جامی کے فطری جوہر کھلنا اور اس سازگار ماحول میں اپنی بہترین منثور و منظوم کتابیں لکھنا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔

مولانا جامی کو سلطان کا اِس قدر تقرب حاصل تھا کہ اکثر وزرا، امرا اور افراد اپنا کام نکلوانے کے لیے اُن سے سفارش ڈلواتے۔ وہ بھی اپنی درویشی کے باوجود اُن کی مدد سے دریغ نہ کرتے۔ اگر کوئی درباری، سلطان کا معتوب ہوتا تو وہ جامی سے مدد طلب کرتا۔ جامی پہلے ہی اس کی سفارش کے لیے تیار ہوتے۔ **تاریخ حبیب السیر** میں یہ واقعہ درج ہے کہ جب خواجہ مجد الدین محمد خوافی وزیر، سلطان کے زیرِ عتاب آیا اور وہ سلطان کے ڈر اور جان و مال جانے کے خوف سے گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا تو ناچار اُسے مولانا جامی کا دامن تھامنا پڑا:

> ''جامی نے سلطان سے ملاقات کی۔ بڑے موزوں پیرائے میں عرض کیا کہ ملک کی آبادکاری اور فوج اور عوام کی خوشحالی کے لیے خواجہ مجد الدین محمد کا سرکاری مہمات میں عمل دخل ناگزیر ہے۔ بجائے اِس کے کہ اُس کے متعلق مفاد پرستوں کی باتوں پر کان دھرے جائیں، اُس کی اصلاح فرمائی جائے۔ جناب مولانا نے جو کچھ کہا، سلطان نے سنا اور بات مان گیا، اور خواجہ مجد الدین کو (معافی کا) پیغام بھیج دیا۔ اُدھر خواجہ کو بھی سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔ چنانچہ اگلے دن اس نے جہاں آرا باغ میں جا کر برلاس امرا کی وساطت سے بیس ہزار کپکی دینار شاہ کو پیش کیے۔''(۴۰)

اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

منشآت جامی میں اکیس مراسلات و رقعات ایسے ہیں جو ''ملازمان حضرت خلافت پناہی'' یعنی سلطان حسین بایقرا کو لکھے گئے۔ ان میں سے اکثر خطوط ان مکتوبات کے جواب میں ہیں جو سلطان نے مولانا کو ارسال کیے تھے۔ ان مکاتیب سے پتا چلتا ہے کہ سلطان، مولانا جامی کا کس قدر احترام کرتا۔ ایسا بھی ہوا کہ جب سلطان کو کوئی جنگی مہم پیش آ گئی یا صلح کی پیش کش ہوئی تو وہ جہاں، جس حال میں بھی ہوتا، قاصد کو ایک خط دے کر مولانا جامی کی خدمت میں ہرات روانہ کرتا۔ ایسے ہی ایک خط میں سلطان نے مولانا سے استفسار کیا ہے کہ ہرات میں داخل ہونے کے لیے کون سی گھڑی مبارک رہے گی اور یہ کہ ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کے سعد و نحس کے بارے میں

اُن کی کیا رائے ہے۔ ایسے مراسلات سے سلطان اور جامی کے باہمی معنوی تعلقات کا پتا چلتا ہے۔

جامی کی اکثر کتابیں سلطان حسین کے زمانے میں ہی تألیف ہوئیں۔ مثلاً **بہارستان**، **رسالہ صغیر در معما**، **سلسلۃ الذہب**، **سبحۃ الابرار**، **یوسف وزلیخا**، **لیلیٰ ومجنون** اور آخری مثنوی **خردنامۂ سکندری** کا انتساب بھی سلطان کے نام ہے۔ **دیوانِ جامی** میں بھی ایسے قصائد موجود ہیں جن کی ابتدا شاہی محلات وعمارات کی تعریف سے اور انتہا سلطان کی مدح پر ہوتی ہے۔

مولانا جامی کی وفات سلطان حسین کی وفات سے تیرہ سال پہلے یعنی ۸۹۸ ہجری میں ہوئی۔ ان دنوں سلطان کے اقبال کا ستارہ عروج پر تھا مگر اُس نے جنازہ اٹھانے کی رسوم اور مجالس تعزیت منعقد کرنے میں کمال عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ جامی کے لیے عزاداری اور انھیں خراجِ عقیدت پیش کرنے کی تفصیل **خمسۃ المتحیرین** تألیف امیر علی شیر نوائی اور **روضات الجنات فی اوصاف مدینۂ ہرات** میں موجود ہے۔ ہم امیر نوائی کی کتاب سے اقتباس پیش کرتے ہیں:

> ''جب جامی کے انتقال کی خبر شہر میں پھیلی تو ہر طرف سے امرا و اکابر جمع ہو گئے۔ سب نے ماتمی اور عزاداری کا لباس پہن رکھا تھا۔ حضرت سلطان صاحبقران (حسین بایقرا) بھی تشریف لائے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ پھر فرطِ شفقت سے (جامی کے صاحبزادے) مولانا ضیاء الدین یوسف کو آغوش میں بھینچ لیا اور دیگر احباب سے تعزیت کا اظہار فرمایا۔ مجھے (امیر علی شیر) عزادار سمجھتے ہوئے میرے حال پر ہمدردی کا اظہار کیا۔ وہ مجھے صبر کی تلقین کر رہے تھے، لیکن خود اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ چونکہ اُن کے مزاج مبارک میں ضعف تھا، اس لیے وہ واپس شاہی محل کو تشریف لے گئے۔ لیکن تمام شہزادوں اور نمائندگانِ حکومت کو حکم دیا کہ وہ مرحوم کے جنازے میں شریک ہوں۔ چنانچہ سلطان احمد میرزا، مظفر حسین میرزا اور دوسرے شہزادے تابوت کو کندھا دینے میں ایک دوسرے پر سبقت لے رہے تھے۔ جنازہ گاہ پہنچنے تک یہی حال رہا۔''(۴۱)

جامی نے اپنی کتب میں سلطان حسین بایقرا کے بیٹوں اور بعض شہزادوں کی بھی تعریف کی

ہے۔ مثلاً مثنوی **یوسف وزلیخا** کے مقدمہ میں سلطان کے چہیتے بیٹے سلطان مظفر حسین مرزا کی مدح موجود ہے۔ سلطان مظفر ہمیشہ ہرات میں اپنے باپ کا مقرب رہا ہے۔

مثنوی **لیلیٰ و مجنون** کے مقدمے میں مولانا جامی نے سلاطین سلف کا ذکر کیا ہے۔ وہاں چنگیز کی، جس سے تیموریوں کو نفرت تھی، مذمّت کی ہے اور تیمور اور شاہرخ کا نہایت ادب سے نام لیا ہے۔ اِس قطعے کا اختتام سلطان حسین کی مدح پر ہوتا ہے۔ قطعے کا مطلع ہے:

ساقی بدہ آن مے چو خورشید
در جام جہان نمای جمشید (۴۲)

اب جب کہ خراسان میں جامی کے معاصر سلاطین کا تذکرہ ہو رہا ہے تو اس عہد کے ایک عظیم امیر کا ذکر بھی ناگزیر ہے، جس نے نویں صدی ہجری میں ادبی کتب، بالخصوص جامی کی تصانیف کی تخلیق میں موثر ترین کردار ادا کیا تھا۔ ہمارا اشارہ امیر علی شیر نوائی کی طرف ہے۔

امیر علی شیر نوائی

۸۴۴-۹۰۶ ہجری/ ۱۴۴۰-۱۵۰۱ عیسوی

جب نویں صدی ہجری کے آخر میں علم و ادب کا بازار گرم تھا تو ادبِ عالیہ جس میں جامی کی تحریریں ستاروں کی مانند جھلملا رہی تھیں، کی تخلیق میں اِس علم پرور امیر کا بڑا ہاتھ رہا۔ امیر، جو خود ادیب و صاحب ذوق تھا، سلطان حسین بایقرا کے دربار میں کافی اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ ذاتی طور پر بھی اس کے پاس دولت کی کمی تھی، نہ شان و شوکت کی۔

اس ادیب اور ادب پرور امیر کو علما و فضلا سے اس قدر محبت تھی کہ مشہور مستشرق استاد براؤن Browne نے اُسے Maecenas E. Cilinius سے تشبیہ دی ہے۔ (۴۳)

فضلا، شعرا اور اہلِ ذوق پروانہ وار اُس کے گرد جمع ہوتے لیکن وہ خود نہایت عقیدت سے مولانا جامی کے آگے سر جھکاتا۔ امیر کے ہاں جامی کی قدر و منزلت تو تھی ہی مگر وہ آپس میں دوست بھی تھے۔ بلکہ دونوں میں استادی و شاگردی کا رشتہ بھی قائم تھا۔ جامی کی اکثر کتابوں کی تصنیف کے پس پردہ امیر علی شیر کی خواہش اور حوصلہ افزائی کارفرما رہی ہے۔ انھوں نے اپنی ایسی تمام کتب میں امیر کا نام بڑے احترام سے لیا ہے۔ اُن کے کئی ایسے منثور مراسلات و منظوم قصائد و قطعات و

غزلیات موجود ہیں جو امیر کے لیے لکھے گئے یا اس کے جواب میں کہے گئے۔

جامی کی بیشتر کتب کی تألیف ان کی عمر کی آخری چوتھائی یعنی ۸۷۵ ہجری اور ۸۹۸ ہجری کے درمیان ہوئی جو امیر علی شیر کی تحریک اور تشویق کے دلائل میں سے ایک ہے۔

جامی کی وفات پر امیر نے سات بندوں میں ستّر اشعار پر مشتمل ایک طویل اور پُر سوز مرثیہ لکھا ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

ہر دم از انجمن چرخ جفای دگر است
ہر یک از انجم او داغ بلای دگر است

پھر مولانا کی یاد میں اُن کے حالات پر ایک کتاب خمسۃ المتحیرین تألیف کی۔ جس میں جامی کی وفات پر خود کو "عزادار" ظاہر کیا ہے۔

مناسب ہوگا اگر ہم یہاں امیر کی سیاسی اور علمی خدمات کا بھی جائزہ لے لیں۔

امیر بچپن ہی سے سلطان حسین بایقرا کا دوست چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ جب سلطان ہرات کے تخت پر بیٹھا تو اُسے سلطان کی خصوصی توجہ اور نوازش حاصل رہی۔ شاہی فرامین پر مُہر لگانے کا منصب اسے تفویض ہوا۔ اس نے اپنی سخاوت، استغنا، دنیاوی جاہ وجلال سے بیزاری، سرکاری مشاغل سے دوری اور بے غرضی سے جلد ہی سلطان اور شاہزادوں کا اعتماد حاصل کر لیا۔ سب اس کا احترام کرتے تھے۔ سلطان نے اسے رکن السلطنۃ، اعتماد الملک والدولہ اور مقرب الحضرۃ السلطانی کے القاب سے نوازا۔ بارہا بڑے بڑے کام اس کے سپرد کیے گئے۔ مثلاً صوبہ استرآباد کا انتظام، جو اُس وقت سلطان کی مملکت کا ایک وسیع اور آباد علاقہ تھا، اسے سونپا گیا لیکن کچھ روز کے بعد اس نے استعفیٰ دے کر گوشۂ فراغت، اطمینان خاطر اور ادبی مطالعات کو دنیاوی جاہ وجلال پر ترجیح دی۔ جامی کے مشورے پر وہ سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ ہو کر وادی تصوّف میں داخل ہو گیا۔

امیر کے دل میں نیک کام انجام دینے کا بے پناہ جذبہ موجود تھا۔ کہتے ہیں، اس نے تین سو ستّر مساجد، مدارس، مقابر اور مزارات کی بنیادیں رکھیں یا تعمیر اور مرمت کروائے۔ مشہورِ زمانہ مصور استاد بہزاد اور شاہ مظفر، موسیقار قول محمد، شیخ نائی اور حسین عودی کا عروج اسی کی سرپرستی کا نتیجہ ہے۔ وہ خود بھی ایک ماہر موسیقار، سازندہ اور زبردست مصوّر تھا۔

ترکی شاعری میں علی شیر کی نظیر نہیں ملتی۔ اِس زبان میں اُس کی غزلیات کے چار دیوان،

خمسۂ نظامی کے جواب میں پانچ طویل مثنویاں اور عطار کی مثنوی (**منطق الطیر**) کی تقلید میں **لسان الطیر** موجود ہیں۔ ترکی نظم میں وہ ''نوائی'' تخلص کرتا اور اس کی شہرت بحیثیت شاعر ترکی شاعری ہی سے ہے۔ فارسی شاعری میں وہ ''فانی'' تخلص کرتا، لیکن یہاں وہ ترکی والی بات پیدا نہیں کرسکا۔ پھر بھی اُسے ''ذوالِلسانین'' (دو زبانوں والا) کا لقب دیا گیا ہے۔ اس کی ترکی اور فارسی کتابوں کی مجموعی تعداد تیس کے قریب ہے۔ چند نام یہ ہیں:

۱۔ غزلوں کے چار دیوان: **غرائب الصغر، نوادر الشباب، بدایع الوسط، فواید الکبر**
۲۔ خمسہ، یہ پانچ مثنویاں ہیں: **تحیۃ الابرار، فرہاد و شیریں، لیلیٰ و مجنون، سد سکندری، سبعہ سیارہ**
۳۔ **لسان الطیر**
۴۔ **مجالس النفائس**، یہ نوائی کے معاصر شعرا کا مختصر تذکرہ ہے۔ دسویں صدی ہجری میں اس کتاب کا دو دفعہ فارسی ترجمہ ہو چکا ہے۔
۵۔ **سراج المسلمین**
۶۔ **اربعین منظوم**
۷۔ **نظم الجواہر**
۸۔ **محبوب القلوب**
۹۔ **تاریخ انبیاء**
۱۰۔ **تاریخ ملوک العجم**
۱۱۔ **نسائم المحبۃ**
۱۲۔ **رسالۂ عروضیہ**
۱۳۔ **خمسۃ المتحیرین**
۱۴۔ **محاکمۃ اللغتین**، اس کتاب میں مصنف نے ترکی زبان کی فارسی زبان پر برتری ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب ۹۰۵ ہجری میں لکھی گئی۔
۱۵۔ **حالات پہلوان اسد**
۱۶۔ **حالات سیّد حسن اردشیر**
۱۷۔ **مفردات**، فن معمّا میں ہے۔
۱۸۔ **قصۂ شیخ صنعان**
۱۹۔ **مناجات نامہ**
۲۰۔ **منشآت ترکی**
۲۱۔ **دیوان فارسی**
۲۲۔ **منشآت فارسی**
۲۳۔ **میزان الاوزان**، علم عروض میں

مذکورہ بالا کتب میں سے مثنویات اور غزلیات موجود ہیں۔ بقیہ کتب میں سے بعض نادر اور بعض کمیاب ہیں۔ (۴۴)

صاحب **حبیب السیر** جو امیر کا معاصر ہے اور پروردہ بھی، ۹۰۶ ہجری کے واقعات کے بعض ذیل میں اس کی وفات کا واقعہ یوں بیان کرتا ہے:

> ''اتوار، ۱۲ جمادی الآخر کی صبح امیر کی روح قفس عنصری کی گھٹن سے نکل کر ریاض جاودانی کی پہنائیوں کی طرف پرواز کر گئی۔ علی الصبح جب یہ غم انگیز خبر دارالحکومت ہرات میں پھیلی تو ہر خاص و عام پر حزن و ملال کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کیا فقیر، کیا وزیر، کیا بوڑھے، کیا بچے، سب آہ و بکا کر رہے تھے۔
>
> علما کے سر سے دستارِ فضیلت گر پڑی۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب انھیں کون نوازے گا۔ واجب الاحترام فضلا کی شکیبائی کا دامن تار تار ہو گیا، وہ نہیں جانتے تھے کہ اس کے بعد کس کی مجلس کا رُخ کریں۔'' (۴۵)

صاحب **حبیب السیر** نے امیر علی شیر نوائی کے اخلاق و آداب، اشعار اور تالیفات کی تفصیل پر ایک علیحدہ رسالہ **مکارم الاخلاق** بھی لکھا ہے۔ (۴۶)

عراق اور آذربایجان کے ترکمان سلاطین

جس زمانے میں ایران کے مشرقی حصے کی زمام اقتدار سلطان ابوسعید اور سلطان حسین بایقرا کے ہاتھ میں تھی اور خوشحالی کا دور دورہ تھا، اس وقت ایران کے مغرب میں ترکمان بادشاہ جہان شاہ قرہ قوینلو، اوزون حسن آق قوینلو اور اس کا بیٹا یعقوب بیگ بڑے طمطراق سے حکومت کر رہے تھے۔

جامی کے اِن ترکمان سلاطین کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے۔ یہ شاہانِ وقت جامی کی نسبت جس عزت و احترام کا اظہار کرتے، اُس کا اندازہ تاریخ و تذکرہ کی کتب کے مطالعہ سے ہو جاتا ہے، بلکہ خود جامی کی تحریروں سے بھی نمایاں ہے۔

جہان شاہ قرہ قوینلو

دورِ حکومت: ۸۴۳-۸۷۲ ہجری/ ۱۴۳۹-۱۴۶۷ عیسوی

ایک طرف قرہ قوینلو خاندان (جامی کے ممدوح) تیموریوں کے خون کا پیاسا تھا، دوسری طرف اوزون حسن نے جہان شاہ کو قتل کر کے قرہ قوینلو خاندان کے سلسلۂ بادشاہت کو مکمل طور پر ختم کر دیا۔ لہٰذا جامی نے اپنی تصانیف میں قرہ قوینلو سلاطین کو بہت کم جگہ دی ہے۔ البتہ انشائے جامی میں جہان شاہ کو لکھا گیا ایک منظوم مکتوب موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہان شاہ شعر موزوں کر لیتا تھا۔ اس کا تخلص ''حقیقی'' تھا۔ (۴۷) اسے تصوّف سے بھی لگاؤ تھا۔

قرہ قوینلو خاندان کی تشیع سے وابستگی اور اہلِ بیت کے فضائل میں اُن کا غلو مشہور ہے۔

جہان شاہ نے جب اپنا دیوان، جامی کی خدمت میں ارسال کیا تو مولانا نے جواباً ایک طویل قطعہ (مثنوی) لکھ بھیجا، جس کا مطلع ہے:

بدہ ساقی آن جام گیتی نمای
کہ ہستی ربای است و مستی فزای (۴۸)

جہان شاہ اور جامی کے باہمی تعلقات کی دوسری سند مولانا کا وہ مکتوب ہے جو انھوں نے بظاہر آذربایجان کے بنے ہوئے ان پشمینی ملبوسات ملنے پر لکھا ہے جو جہان شاہ نے جامی کو بطورِ تحفہ ارسال کیے تھے۔ (۴۹)

اوزون حسن آق قوینلو

حکومت: ۸۶۱-۸۸۲ہجری/ ۱۴۵۷-۱۴۷۸عیسوی

تبریز میں امیر حسن بیگ کی حکومت قائم ہو جانے کے بعد، بالخصوص ۸۷۸ہجری/ ۱۴۷۴-۱۴۷۳عیسوی میں سفر حجاز سے واپسی پر جامی کی تبریز میں اس بادشاہ سے ملاقات ہو چکی تھی۔ اس کے بیٹے یعقوب بیگ سے بھی جامی کے بڑے مضبوط تعلقات تھے جو یعقوب بیگ کی حکومت کے آخری ایام تک برقرار رہے۔ ان تعلقات کا سراغ جامی کی منظوم و منثور تصانیف سے بخوبی ملتا ہے۔ مثلاً **منشآت جامی** میں جامی کا ایک مفصّل مکتوب موجود ہے جو اوزون حسن کے اس خط کے جواب میں لکھا گیا ہے جس میں حجاز کے راستے کے محفوظ ہونے اور جنگ گرجستان کی اطلاع دی گئی تھی۔ (۵۰)

علی بن حسین واعظ کاشفی نے **رشحات عین الحیات** میں مولانا جامی اور حسن بیگ کی اس ملاقات کا ذکر کیا ہے جو جمادی الآخر ۸۷۸ہجری/ ۱۴۷۳عیسوی میں ہوئی۔ وہ لکھتے ہیں:

"جب مولانا تبریز پہنچے تو حسن بیگ کے قریبی ندما و اُمرا قاضی حسن، مولانا ابوبکر تہرانی اور درویش قاسم شقاول نے شہر کے دوسرے امرا اور عمائدین کے ساتھ اُن کا استقبال کیا اور انھیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ مختلف خوبصورت مقامات سے گذار کر شہر لائے۔ مولانا نے حسن بیگ سے ملاقات کی۔ وہ بھی بڑے ادب سے پیش آیا اور شاہی تحائف نذر کیے۔ اُس نے بڑی نیازمندی سے (مزید) قیام کی درخواست کی۔ مگر وہ اپنی معمر والدہ کی خدمت کا بہانہ بنا کر خراسان روانہ ہو گئے۔" (۵۱)

سلطان یعقوب بیگ

دور حکومت: ۸۸۳-۸۹۶ ہجری / ۱۴۷۸-۱۴۹۰ عیسوی

مولانا کی مثنویات اور منشآت سے سلطان مذکور سے ان کے وسیع تعلقات کا پتا چلتا ہے۔ **دیوانِ جامی** میں ایک نصیحت آمیز قصیدہ موجود ہے جو انھوں نے سلطان کے ایک خط کے جواب میں لکھا۔ قصیدہ کا مطلع ہے:

قاصد رسید و ساخت معطر مشام من　　در چین نامہ داشت مگر نامۂ ختن [۵۲]

سلسلۃ الذہب کے تیسرے دفتر میں جامی نے یعقوب آق قوینلو کی وفات کے بعد اس کے حسنِ سیاست، مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کی مخالفت کا ذکر کیا ہے اور اُس کی موت پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے ایک قطعہ لکھا ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

بُود یعقوب بن حسن شاہی　　آسمانِ جمال را ماہی [۵۳]

مولانا کی مثنوی **سلامان وابسال** کا انتساب اسی سلطان یعقوب کے نام ہے۔ مثنوی کی ابتدا اور اختتام پر جامی نے سلطان کا نام بڑے احترام سے لیا ہے۔ مثلاً کتاب کے آغاز میں لکھتے ہیں:

شاہ یعقوب آن جہانداری کہ ہست　　با علوش ذروۂ افلاک پست

تا

والدش مرکب بہ دارالخلد راند　　از وے این خلق حسن میراث ماند [۵۴]

اسی مثنوی کے مقدمے میں جامی نے سلطان یعقوب کے بھائی یوسف بیگ کی بھی تعریف کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

والی مصر جلال و احتشام　　بود، از آن رو یوسفش کردند نام [۵۵]

سلامان وابسال میں قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس میں جامی نے اپنے ایک خواب کا ذکر کیا ہے۔ وہ عالمِ خواب میں حسن بیگ کو دیکھتے ہیں اور اس سے گفت و شنید کرتے ہیں۔ حسن بیگ بڑھ کر مولانا کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے جس کی تعبیر وہ یہ لیتے ہیں کہ ان کی مذکورہ مثنوی کو شرفِ قبولیت مل گیا۔ اس خواب کا ذکر وہ مثنوی میں مندرجہ ذیل شعر سے شروع کرتے ہیں:

چون رسیدم شب بدینجا زین خطاب　　درمیان فکرتم بربود خواب

تا

گفت این لطف و رضا جویی زشاه　　بر قبول نظم تو آمد گواه (۵۶)

مولانا کے تیسرے دیوان **خاتمۃ الحیوۃ** میں بھی چند قصائد یعقوب بیگ کی مدح میں موجود ہیں۔ ایک قصیدے میں وہ تبریز میں سلطان کے تعمیر کردہ محل ''ہشت بہشت'' کی تعریف کرتے ہیں۔ بظاہر یہ عمارت اپنے وقت میں بڑی قابلِ دید رہی ہے، کیونکہ سیاحوں اور اطالوی سفرانے اپنے سفرناموں میں اس محل کے شکوہ اور خوبصورتی کی بے حد تعریف کی ہے۔ (۵۷)

سلطان یعقوب کے درباریوں سے بھی جامی کے علمی تعلقات قائم تھے۔ اس ضمن میں سلطان کے وزیرِ اعظم قاضی عیسیٰ ساوجی کا نام لیا جا سکتا ہے جو ادیب اور باذوق شخص تھا۔ میر علی شیر **مجالس النفائس** میں اس کے بارے میں یوں رطب اللسان ہیں:

''سلطان یعقوب نے اُن (قاضی ساوجی) کو ایسا نوازا اور ادب ملحوظ رکھا کہ اس وقت اہلِ عراق میں سے کسی بادشاہ نے کسی کو کم نوازا ہوگا... شاعری سے اُن کا شغف ایسا ہے کہ روزانہ دس غزلیں کہہ لیتے ہیں۔ یہ شعر اُنہی کا ہے:

ہر کس بکشت گلشن و گلزار خویشتن

ما و دلی چو غنچہ گرفتار خویشتن'' (۵۸)

انشاے جامی میں ایک مفصّل مکتوب موجود ہے جو مولانا نے قاضی عیسیٰ کے خط کے جواب میں لکھا اور ان کے نام پر **تفسیر سورۂ اخلاص** معنون اور تالیف کر کے ارسال کی۔ (۵۹)

صاحب **حبیب السیر** نے امیر کمال الدین حسین (۶۰) کے حالات میں ایک دلچسپ حکایت درج کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ امیر کو ایلچی بنا کر ہرات سے سلطان یعقوب کے پاس تبریز بھیجا گیا اور وزیرِ اعظم قاضی عیسیٰ کے لیے تحائف میں **کلیاتِ جامی** کا ایک نسخہ بھی رکھ دیا گیا۔ جب امیر کمال الدین، شاہی کتابدار سے کتابیں وصول کر رہا تھا تو **فتوحات المکیہ** (۶۱) کا ایک ویسا ہی نسخہ جو ضخامت اور حجم میں **کلیاتِ جامی** سے مشابہہ تھا، لے لیا اور بے خیالی میں اپنے سامان میں رکھ دیا۔ آگے کیا ہوا، مؤلف **حبیب السیر** کی زبانی سنیے:

''امیر حسین جب سلطان یعقوب کی خدمت میں پہنچا اور تحائف پیش کیے تو

بادشاہ نے بڑے اخلاقِ کریمانہ سے پوچھا، ''اتنے لمبے سفر میں اُکتا گئے ہو گے؟'' امیر حسین نے جواب دیا، ''ایسی کوئی بات نہیں، دراصل میرا رفیق سفر ایسا تھا کہ اکتاہٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔'' سلطان یعقوب میرزا نے حقیقتِ حال دریافت کی تو جناب سیادت مآب نے فرمایا، ''ہرات سے چلتے وقت اعلیٰ حضرت بادشاہ نے جناب قاضی (عیسیٰ) کے لیے **کلیات حضرت مولوی** (جامی) کا ایک نسخہ دیا تھا، وہ میرے ہمراہ تھا۔ جب ذرا اُکتاہٹ محسوس ہونے لگتی، میں ایک نظر اس کتابِ افادت مآب پر ڈال لیتا۔'' شاہ نے فرمایا، ''کلیات کا نسخہ لایا جائے، ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔'' امیر حسین نے کسی کو بھجوا کر وہ مجلّد کتاب دربار میں منگوائی۔ جب اُسے کھولا گیا تو وہ ''فتوحات'' نکلی۔ ظاہر ہے اس ''اتفاق'' سے جناب سیادت مآب بڑے شرمندہ ہوئے اور نتیجتاً میر علی شیر کے منظورِ نظر نہ بن سکے۔''(۶۲)

آذربایجان کے دوسرے امرا میں سے شیروان کے بادشاہ فرخ یسار شیروان شاہ سے بھی جامی کے تعلقات تھے۔ یہ قدیم خاندان کسی زمانے میں شیروان کے علاقے پر حکومت کرتا تھا۔ فارسی شعرا کا اُن کے دربار میں ہمیشہ ایک خاص مقام رہا تھا۔ ایران کے دیگر علاقوں کے اساتذۂ سخن کے ساتھ اُن کی خط و کتابت رہتی تھی۔ **انشاے جامی** میں فرخ یسار کے خط کے جواب میں جامی کا ایک خط ملتا ہے۔(۶۳)

عثمانی سلاطین

جب نویں صدی ہجری کے دوسرے نصف میں جامی کے علمی کمالات کا طوطی بول رہا تھا اس وقت ایشیاے کوچک کے تمام ممالک اور جزیرۂ بلقان پر عثمانی خاندان کے دو مشہور بادشاہ حکومت کر رہے تھے۔ ان دونوں بادشاہوں کا ذکر جامی کی کتابوں میں ملتا ہے اور اُن کے جامی سے تعلقات بھی قائم تھے۔ وہ سلاطین یہ ہیں:

۱۔ سلطان محمد خان ملقب بہ فاتح (۸۵۵-۸۸۶ہجری/۱۴۵۱-۱۴۸۱عیسوی)

۲۔ سلطان بایزید خان دوّم (۸۸۶-۹۱۸ہجری/۱۴۸۱-۱۵۱۲عیسوی)

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مولانا جامی کے کمالات اور فضائل کی شہرت اُن کی زندگی ہی میں مشرقِ ایران سے لے کر استنبول تک پہنچ چکی تھی جو اسلامی تمدّن اور فارسی زبان وادب کے اثرات کی آخری حد پر واقع ہے۔

منشآت فریدون بیگ میں سلطان بایزید دوّم کے مولانا جامی کے نام دو مراسلے اور ان کے جوابات شامل ہیں۔ (۶۴) ان خطوط سے وہ احترام وتکریم مترشح ہے جو سلطان، مولانا کے لیے بجالاتا تھا۔ سلطان نے اپنے ہر مکتوب کے ساتھ مولانا جامی کو مبلغ پانچ سو طلائی فلوری (۶۵) بھیجے۔

دیوانِ جامی میں ایک قطعہ موجود ہے جو سلطان محمد قیصرِ روم کو لکھا گیا۔ اس میں مولانا نے سلطان کی فتوحات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قطعہ کا مطلع یہ ہے:

طابَ رَیّاک اے نسیم شمال قُم وَ سِر نحو کعبۃ الامَال (۶۶)

مثنوی **سلسلۃ الذھب** کا تیسرا دفتر، جو مولانا نے سفر حجاز کے بعد تألیف کیا، اس کا انتساب سلطان بایزید عثمانی کے نام ہے۔ (۶۷) مثنوی کے اختتام پر وہ سلطان کی بھیجی ہوئی اشرفیوں اور تحفے کا بطور تعمیہ ذکر کرتے ہیں۔ (۶۸)

جامی کے تیسرے دیوان خاتمۃ الحیوۃ میں بھی سلطان بایزید خان کی مدح میں چند قصائد موجود ہیں۔ ایک قصیدہ انوری کے مشہور قصیدے کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ جامی کے قصیدے کا مطلع اور ایک شعر یہ ہے:

ہر کہ را در دہان زبان باشد　　در ثنای شہ جہان باشد
بایزید اُلدرم کہ تاج سران　　بر درش خاک آستان باشد (۶۹)

علاوہ ازیں جامی کا ایک ایسا قصیدہ موجود ہے جو سلطان کے ایک نثری خط کے جواب میں بھیجا گیا۔ اس قصیدے میں وہ سلطان کے مکتوب اور تحائف کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ قصیدے کا مطلع یہ ہے:

چو از تنوع اوضاع گنبد دایر
بیاض صبح نمود از سواد شب ظاہر (۷۰)

جامی اور صفوی سلاطین

سلطان حسین میرزا بایقرا کی وفات (۹۱۱ ہجری) اور اُزبکوں کی خراسان پر فوج کشی سے ایران میں تیموری سلطنت دَم توڑ گئی۔ سلطان حسین کے بیٹے بدیع الزمان اور مظفر حسین اپنے باپ کی وفات کے بعد مشرقی ایران میں تیموری اور شاہرخی تاج وتخت کی حفاظت نہ کر سکے۔ اسی اثنا میں ایران کے مغربی اُفق پر شاہ اسماعیل صفوی کے بخت و اقبال کا ستارہ نمودار ہوا۔ ۹۱۶ ہجری/ ۱۵۱۰ عیسوی میں خراسان میں محمد خان شیبک ازبک کے ساتھ مشہور جنگ لڑنے اور ''مرو'' میں اُسے ہلاک کر دینے کے بعد اب سارا خراسان اس کے سامنے خالی پڑا تھا۔ چنانچہ ۹۱۷ ہجری/ ۱۵۱۱ عیسوی اور ۹۱۸ ہجری/ ۱۵۱۲ عیسوی میں اس نے خراسان پر دوبارہ چڑھائی کی اور وہاں ازبکوں کی بچی کھچی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ یوں سلطنت تیموریہ کی جگہ دولت صفویہ نے لے لی۔ چونکہ ۸۹۸ھ میں جامی کی وفات سے ۹۱۶ھ تک ابھی بیس سال بھی نہیں گذر پائے تھے، اس لیے صفویوں کا جامی کے بارے میں رویہ قابلِ توجہ ہی نہیں بلکہ قابلِ ذکر بھی ہے۔

ہرات میں مولانا جامی کا شمار ممتاز بزرگانِ دین اور علمائے اہلِ سنت و جماعت میں ہوتا تھا اور آپ متعصّب رافضیوں پر طعن وتنقید کرنے کے معاملے میں مشہور تھے۔ لہٰذا سلاطین صفوی (جو خود شیعہ تھے) مولانا کو پاک اعتقاد شیعہ نہ سمجھتے بلکہ اُن پر طعن و تشنیع کرتے۔ کتاب **الشقائق النعمانیہ فی احوال علماء الدولۃ العثمانیہ** کے مصنف، سلطان محمد خان عثمانی فاتح (۸۵۵-۸۸۶ ہجری) کے عہد کے علمائے طبقۂ سابعہ کے ذیل میں جامی کے حالات میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''کہتے ہیں جب اردبیلیوں کا طاغوتی گروہ خراسان پہنچا تو مولانا کے بیٹے کی قبر کھود کر اُس کی لاش کسی دوسرے علاقے میں دفن کر دی اور جب ایک دوسرا گروہ اردبیلیوں پر مسلّط ہوا تو اُس نے بھی وہی کام کیا، لیکن قبر میں کچھ نہ پایا۔ البتہ جو چند خشک لکڑیاں وہاں سے ملیں، انھیں جلا ڈالا۔''(۷۱)

اگرچہ فارسی مآخذ میں مذکورہ واقعہ ہماری نظر سے نہیں گذرا لیکن قرائن سے پتا چلتا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہوگی۔

یہ روایت بھی قابلِ ذکر ہے کہ جب شاہ اسماعیل صفوی نے ہرات پر قبضہ کرلیا تو حکم دیا کہ جس کتاب میں بھی "جامی" کا نام ملے اس کی "جیم" کا نقطہ کھرچ کر اوپر ڈال دیا جائے تا کہ "خامی" پڑھا جائے۔ جامی کے بھانجے مولانا ہاتفی اِس تحریف پر بہت ملول اور متاثر ہوئے اور یہ قطعہ لکھا:

آن کہ عمری بر درش گردون غلامی کردہ است	بس عجب دارم ز انصاف شہ کشور گشای
نقطۂ جامی تراشیدہ است و خامی کردہ است	کز برای خاطر جمعی لوند ناتراش

ایک دفعہ شاہ اسماعیل دیوانِ ہاتفی کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اتفاق سے مذکورہ قطعہ پڑھا تو ہنس پڑا۔ (۷۲)

قاضی نور اللہ شوشتری مصنف مجالس المؤمنین کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ وہ تمام اکابر سلف کو شیعہ قرار دیں۔ (۷۳) اُن کی کتابیں دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے متداول افکار کی آئینہ دار ہیں۔ وہ بھی جامی کے تشیع کے بارے میں خاموش ہیں۔ ظاہر ہے اُن کا ذکر بحیثیت "معاند" اور "مخالف" ہی کیا ہے۔

سلاطینِ صفویہ اور علمائے شیعہ کی جامی پر اِس عدم توجہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا کے آثار کو تین چار صدیوں تک خود ایران میں وہ مقبولیت اور شہرت حاصل نہ ہوسکی جو اس کے برعکس انھیں ہندوستان اور ماوراء النہر میں مل چکی تھی۔

اس کے باوجود مولانا جامی کی عظمت، فضیلت اور علمی مقام اِس قدر بلند تھا کہ شاہ اسماعیلِ اوّل کے زمانے ہی میں ان کے احترام سے انکار نہ کیا جا سکا۔ خود شاہ اسماعیل کے لڑکے اور خراسان کے فرمانروا سام میرزا نے جب تذکرہ تحفۂ سامی لکھا تو اپنے معاصر علما و شعرا کی فہرست میں جامی کا نام سرِ فہرست رکھا اور لکھا:

> "جامی اپنی نہایت پُر جوش اور بلند طبع کے سبب کسی تعارف کے محتاج نہیں، کیونکہ اُن کے فضائل کی شہرت پہلے ہی مشرق سے لے کر مغرب تک جا پہنچی ہے اور اُن کے فضل کا خوان اِس گوشے سے اُس گوشے تک پھیلا ہوا ہے۔

نہ دیوان شعر است این بلکہ جامی　　　کشیدہ است خوانی بہ رسم کریمان
ز انواع نعمت در او ہرچہ خواہی　　　بیابی، مگر مدح و ذمّ لئیمان"(۷۴)

سام میرزا نے اپنے تذکرے میں مولانا جامی کے بھانجے مولانا ہاتفی کے بھی تفصیلی حالات درج کیے ہیں۔(۷۵) ۹۱۷ھ میں خرجرد جام میں شاہ اسمٰعیل کی ہاتفی سے ملاقات کا حال مصنف نے سادگی سے اور بلا امتیاز کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"شاہ نے انھیں (ہاتفی) شاہی فتوحات منظوم کرنے پر مامور کیا، جسے مولانا نے قبول کر لیا اور تقریباً ایک ہزار اشعار کہہ ڈالے۔ لیکن اس کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔"(۷۶)

جامی کے ہند (وپاکستان) کے ساتھ تعلقات

انشائے جامی میں بعض ایسے مکتوبات ملتے ہیں، جن کا مکتوب الیہ ایک ہندوستانی شخص ''ملک التجار'' نامی ہے۔ اس ضمن میں اکثر مکتوبات اُن خطوط کے جواب میں ہیں جو ملک التجار یا اس کے بیٹے خواجہ علی نے جامی کو لکھے تھے۔ ان خطوط سے پتا چلتا ہے کہ ملک التجار کوئی قابلِ احترام اور ممتاز شخص تھا اور اُسے عرفان و تصوّف سے بھی لگاؤ تھا۔ وہ مولانا کو بڑے شوق و ذوق سے مفصّل خطوط لکھتا۔ مولانا بھی جواباً تصوّف کے باریک نکات سے بھرپور اور عربی و فارسی اشعار سے مزیّن طویل مکتوبات ارسال کرتے۔ ایک مکتوب میں جامی نے اُسے ''جلال الدین غیاث الاسلام'' کا لقب دیا ہے۔

ہم نے یہاں مولانا جامی کے عہد کے ایسے فکری و ادبی نشیب و فراز، معاصرین کی تاریخ اور سیاسی حالات کا مقدور بھر جائزہ لے لیا ہے جو اُن کے افکار عالیہ کی تخلیق اور لافانی تصانیف کے منصہ شہود پر آنے میں دخل انداز رہے ہیں۔ اس عہد کی علمی و سیاسی تاریخ پر مزید تفصیلات **مطلع سعدین و مجمع بحرین** تألیف عبدالرزاق سمرقندی، **روضۃ الصفا** تألیف میرخواند، **حبیب السیر** تألیف خواندمیر، **تذکرہ الشعراء** تألیف دولت شاہ سمرقندی، تصانیف میر علی شیر نوائی اور اس صدی کی دوسری کتابوں سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

باب دوم

جامی کے حالاتِ زندگی

جامی کے حالاتِ زندگی

مآخذ حیاتِ جامی

جامی کی عظیم شخصیت کے حالاتِ زندگی پر ہمارے پاس جو مآخذ و مصادر ہیں وہ دوسرے اکابر کی نسبت نہ صرف تعداد میں زیادہ ہیں بلکہ ان کے مندرجات بھی زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔ ہم نے ان کی درجہ بندی یوں کی ہے:

ا۔ پہلے مرحلے میں ہم نے وہی اصول اپنایا ہے کہ کسی ادیب یا شاعر کے حالات خود اسی کی تحریروں سے اخذ یا تلاش کیے جائیں۔ چنانچہ ہم نے جامی کے حالاتِ زندگی کے لیے ان کی تصانیف سے استفادہ کیا۔ ہماری خوش قسمتی یہ رہی ہے کہ ہر دَور میں لوگوں نے جامی کی کتابیں، کیا عربی، کیا فارسی، کیا منثور اور کیا منظوم، بڑے احترام سے سنبھالے رکھیں اور یوں وہ کسی عیب اور نقصان کے بغیر، حوادثِ زمانہ کی دستبرد سے محفوظ ہم تک پہنچ گئیں۔ جامی کی کلیات کے متعدد مخطوطات، جن میں سے بعض مؤلف کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، صحیح و سالم موجود ہیں۔ (۱) دوسرے لفظوں میں جامی کے اپنے آثار کسی خارجی مآخذ کی نسبت ان کے حالاتِ زندگی کے زیادہ اور بہتر آئینہ دار ہیں۔

۲۔ دوسرے مرحلے میں جامی کے وہ حالات ہمارے سامنے ہیں جو ان کے شاگردِ رشید مولانا رضی الدین عبدالغفور لاری (م:۹۱۲ھ) نے **نفحات الانس** کے حواشی پر بطور تکملہ لکھے ہیں۔ چونکہ لاری تصوّف کے مراحل اور روحانی کیفیات میں اپنے استاد کے محرمِ راز تھے اس لیے انھوں نے اپنے استاد و مرشد کے اندرونی احساسات اور باطنی افکار کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے۔ ہم نے **نفحات الانس** با حواشی لاری کے ایک مکمل اور نسبتاً کم غلط مخطوطہ سے استفادہ کیا ہے۔ (۲)

۳۔ جامی کے وہ مفصّل اور مشروح حالاتِ زندگی جو فخر الدین علی صفی بن حسین کاشفی نے اپنی کتاب **رشحات عین الحیات** میں درج کیے ہیں۔ (۳) سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگوں کا یہ تذکرہ،

جامی کی وفات سے صرف گیارہ سال بعد ۹۰۹ھ میں تألیف ہوا۔ اس کے مصنف نہ صرف جامی کے معاصر تھے بلکہ قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ جامی اور وہ دونوں ''ہم زلف'' تھے، یعنی دونوں خواجہ کلاں بن خواجہ سعد الدین کاشغری کے داماد تھے (اس نسبت کا تفصیلی ذکر صاحبِ **رشحات** نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جامی کے ایک بیٹے کا نام صفی الدین محمد تھا جس کی وفات کے ایک سال بعد جامی نے اس کا لقب ''صفی''، علی بن حسین واعظ کاشفی کا تخلص قرار دے دیا اور علی بن حسین کے لقب ''فخر'' سے اپنے بیٹے کی تاریخِ ولادت ۸۸۰ھ نکالی)۔ (۴) لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ صاحبِ **رشحات** نے جامی کے جو حالات تحریر کیے ہیں وہ ان سے ذاتی طور پر مکمل آگاہ تھے۔

۴۔ ہمارا چوتھا مآخذ وہ رسالہ ہے جو جامی کے دانشور دوست میر علی شیر نوائی نے ان کے حالات پر اُن کی وفات کے بعد چغتائی ترکی زبان میں لکھا۔ چونکہ مصنف نے اس کے مندرجات کو پانچ حصوں یعنی ایک مقدمہ، تین مقالات اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے اور ان کے خیال میں کتاب کے مندرجات قارئین کے لیے باعثِ حیرت ہوں گے، اس لیے انھوں نے کتاب کا نام **خمسۃ المتحیرین** رکھا۔ (۵)

میر علی شیر نے اپنے معاصر تقریباً تین سو پچاس شعرا کا مختصر تذکرہ **مجالس النفائس** لکھا ہے، (۶) اس میں چند سطور جامی کے بارے میں بھی ہیں، جن کا اختتام ایک ترکی رباعی پر ہوتا ہے۔ اس رباعی میں وہ مولانا کی فضیلت دائم وقائم رہنے کے لیے دعا گو ہیں۔

۵۔ پانچویں درجے پر جامی کی معاصر یا قریب العہد کتابیں ہیں جن میں تذکرہ نگاروں یا مورّخوں نے اختصار کے ساتھ جامی کے حالاتِ زندگی تحریر کیے ہیں۔ اس ضمن میں ہمارے مآخذ یہ ہیں:

(الف) سب سے پہلے ہم جامی کے ممدوح سلطان حسین بایقرا کی تصنیف **مجالس العشاق** کا نام لیں گے، (۷) جس کی مجلسِ پنجاہ وپنجم میں مولانا کے مختصر حالاتِ زندگی اور عشقِ مجازی کے قصے بیان ہوئے ہیں۔

(ب) اس کے بعد **تذکرۃ الشعراء** کا نام آتا ہے، جسے امیر دولت شاہ سمرقندی نے ۸۹۲ھ میں جامی کی وفات سے چھ سال پہلے لکھا۔ کتاب کے آخر میں اس نے اپنے ہم عصر اکابر وافاضل کا ذکر کرتے ہوئے جامی کا نام سرفہرست لکھا ہے۔

(ج) تاریخ **حبیب السیر** از خواندمیر (تألیف در ۹۳۰ھ) ہمارے پیشِ نظر ہے جس کی تیسری جلد کے تیسرے حصے میں سلطان بایقرا کے معاصر شعرا و فضلا کے ذکر میں جامی کے بھی مختصر مگر مفید حالات درج ہیں۔ چونکہ یہ کتاب جامی کی وفات کے بعد تألیف ہوئی اس لیے وہاں مصنف نے جامی کا مادّہ تاریخِ وفات بھی لکھا ہے اور بعض تاریخی واقعات کے ضمن میں ایسے حالات کی جانب بھی اشارہ کیا ہے، جن کا تعلق جامی سے ہے۔

(د) ایک اور اہم مأخذ **تحفۂ سامی** از سام میرزا ابن شاہ اسمٰعیل صفوی (تألیف در ۹۶۸ھ) ہے۔ یہ تذکرہ دسویں صدی ہجری میں، جامی کی وفات کے بعد اس وقت لکھا گیا جب مصنف خراسان کا حکمران تھا اور دارالحکومت ہرات میں مقیم تھا۔ اس نے مولانا کا ذکر نہایت ادب و احترام سے کیا ہے۔ یہ تذکرہ اس نقطۂ نظر سے بھی اہم ہے کہ اس میں جامی کی تصانیف کی فہرست موجود ہے۔

(ھ) جامی کے عام حالات کے لیے ہم نے فخر الدین علی صفی کی ایک دوسری کتاب **لطائف الطّوائف** سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب ۹۳۹ھ میں لکھی گئی اور اس میں مختلف انسانی طبقوں کی کہانیاں اور لطیفے درج ہیں۔ ایک فصل ''لطائف عارف جام'' کے لیے مخصوص ہے، جس میں مولانا جامی سے منسوب بے حد دلچسپ حکایات و لطائف درج ہیں۔ ان سے مولانا کی خوش طبعی، خوش ذوقی اور معاصرین کے ساتھ خوشگوار تعلقات کا پتا چلتا ہے۔

(و) جامی پر ہمارا عربی مآخذ **الشقایق النعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ** تألیف احمد بن مصطفیٰ طاش کوپری زادہ ہے۔ یہ کتاب مصر میں ۱۳۱۰ھ میں **وفیات الاعیان** کے حاشیہ پر چھپ چکی ہے۔ (۸) وہاں طبقۂ ہفتم میں، جو دولتِ سلطان محمد خان فاتح کے علما کے لیے مختص ہے، جامی کے قدرے تفصیلی حالات موجود ہیں۔ چونکہ یہ کتاب جامی کے انتقال کے ۶۷ سال بعد ۹۶۵ھ میں لکھی گئی، اس لیے اُس کی روایات کی صحت پر بھی اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

حالاتِ زندگی

مولانا رضی الدین عبدالغفور لاری کا تکملۂ حواشی نفحات الانس جامی، کے حالات پر ایک مختصر مگر مفید ماٗخذ ہے۔ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ جامی کے واقعۂ وفات پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ ہم یہاں ملخصاً اس سے کچھ واقعات نقل کر رہے ہیں۔

ولادت

''حضرت ایشان (جامی) علیہ الرحمۃ والرضوان کی ولادت موضع خرجرد، جام[9] میں عشاء کے وقت ۲۳ شعبان المعظم ۸۱۷ھ (۷ نومبر ۱۴۱۴ء) میں ہوئی۔ ان کا اصلی لقب ''عمادالدین'' تھا مگر ''نورالدین'' لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کا اسمِ مبارک ''عبدالرحمٰن'' ہے اور اپنے تخلص ''جامی'' کی بابت خود ہی وضاحت فرمادی ہے:

مولدم جام و رشحۂ قلمم　　جرعۂ جام شیخ الاسلامی ست
لاجرم در جریدۂ اشعار　　بہ دو معنی تخلصم جامی ست[10]

والد

ان کے والد ماجد احمد بن محمد دشتی تھے۔ دشت، اصفہان کا ایک محلّہ ہے۔ مولانا محمد (جامی کے جدّ امجد) کے عقد میں امام محمد شیبانیؒ کی اولاد سے صاحبزادی تھی، جن کے بطن سے حضرت جامی کے والد احمد پیدا ہوئے۔[11]

وفات

حضرت جامی کی عمر اِکیاسی برس (برابر با اعداد حروف ''کاس'') تھی کہ ۱۸ محرم الحرام ۸۹۸ھ (۹ نومبر ۱۴۹۲ء) کو ان کی زندگی کا جام چھلک گیا۔

واقعۂ وفات

حضرت جامی کی عمر کے آخری سال میں اُن سے ایسی علامات ظاہر ہو رہی تھیں

جیسے وہ ہم سے جدا ہو جائیں گے۔ وہ ہجر کی رُت کی باتیں کرتے اور احباب کو مفارقت سے تسلی دیتے۔ اُن کی زبانِ مبارک پر یہ دو اشعار جاری رہتے:

دریغا کہ بی ما بسی روزگار بروید گل و بشگفد نوبہار
بسی تیر و دیماہ و اردیبہشت بیاید کہ ما خاک باشیم وخشت (۱۲)

بیماری کے آثار ظاہر ہونے سے چند روز پہلے حضرت اپنے مسکن مالوف سے شہر کے بعض نواحی مقامات کو تشریف لے گئے۔ جس گاؤں سے حضرت کا اپنا تعلق تھا وہاں خلافِ معمول زیادہ دن ٹھہرے۔ جب قیام طول پکڑ گیا تو احباب ومریدین کو بڑا اضطراب ہوا۔ انھوں نے حضرت سے واپسی کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا: ''اب ہمیں ایک دوسرے سے دل اٹھالینا چاہیے۔'' پھر عارضہ لاحق ہونے سے تین دن پہلے ایک مرید سے یوں مخاطب ہوئے: ''تم گواہ رہو کہ ہمیں کسی سے، کسی طرح کی کوئی دلبستگی نہیں رہی۔''

جب حضرت واپس گھر تشریف لے آئے تو بیمار پڑ گئے۔ جمعہ کا دن تھا۔ بیماری کا چھٹا اور محرم الحرام کا اٹھارواں روز تھا کہ چاشت کے وقت حضرت کی نبض کی حرکت سے پتا چلا کہ اب وہ دار القرار کی جانب سفر کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اس اثنا میں ان کی نظر طاق خانہ پر پڑی تو فرمایا: ''دو سال پہلے بھی ہم نے خود کو نزع کی حالت میں پایا، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عظیم الشان مجلس برپا ہے۔ ہمیں اپنے احوال میں کچھ کدورت محسوس ہوئی تو آیت الکرسی کی تلاوت شروع کر دی، جس کی نورانیت سے وہ تکدر جاتا رہا۔'' مجھے (لاری) فوراً وہ بات یاد پڑی کہ یہ اُسی آیت الکرسی کی نورانیت متجلّی ہے، کیونکہ حضرت ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے اسی وقت آیت الکرسی پڑھنا شروع کی اور دوسرے مخادیم سورۂ یٰسین کی تلاوت کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد اچانک حضرت نے فرمایا: ''ہاں اسی طرح۔'' جیسے انھیں کسی امر سے مطلع کیا گیا ہو۔ انھوں نے یہ دو لفظ کہے اور فوراً نماز کے کپڑے پہن لیے۔ ہاتھ سینے پر رکھے اور بلند آواز میں، جیسا کہ حضرت کا طریقہ تھا، دعاے

''وجهت وجهی للذی'' [الانعام:۷۹] پڑھنے لگے۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی، جیسے وہ صحت کے دنوں میں ادا کیا کرتے تھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ قل یـا ایّھا الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ قل ھو اللہ پڑھی۔ ان پر کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ طاری نہیں تھی اور وہ ''المؤمنون ینقلبون من دار الی دار'' [مؤمنین ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں] کی تصویر نظر آ رہے تھے۔

جب سنّتِ نمازِ جمعہ کی اذان کہی گئی تو حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔

ہفتے کی صبح، بادشاہِ وقت... سلطان حسین بہادر خاں بیماری اور ضعف کے باوجود حضرت کے گھر گیا۔ (فرطِ غم سے) اس کا دِل جل رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عالی مرتبت شہزادوں، نامور امرا و وزرا اور اکابر نے بڑی تعظیم سے جناب کا جنازہ اٹھایا اور حضرت مخدوم (سعد الدین کاشغری کے مقبرہ) کے جوار میں لائے۔ زمین نے سیپ کی طرح منہ کھولا اور اُس قیمتی موتی کو اپنے سینے میں جگہ دی۔ حضرت بادشاہ (حسین بایقرا) کو پاؤں میں درد کے سبب حضرت (جامی) کے جنازے کو کندھا دینے کی حسرت دل ہی میں رہی۔ معاصر شعرا نے مرثیے اور قطعاتِ تاریخ کہنے شروع کیے اور حضرت امیر کبیر... نظام الدین علی شیر نے وہ مراثی اور قطعات سنے اور خود بھی ایک مرثیہ کہا... اس کے بعد امیر نے حضرت کے مقبرہ کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد رکھی (۱۳) اور مزار پر (قرآن خوانی کے لیے) حفاظ مامور کیے۔'' (۱۴)

مولانا جامی کے دوسرے دیوان میں ایک قصیدہ بعنوان ''رشح بال بشرح حال'' موجود ہے، (۱۵) جسے انھوں نے اپنی وفات سے پانچ سال قبل ۸۹۳ھ میں لکھا تھا۔ اسّی اشعار کے اس قصیدے میں انھوں نے اپنے مختصر حالات یوں بیان کیے ہیں:

۱۔ **تاریخِ ولادت** [۸۱۷ھ]

به سال هشتصد و هفده ز هجرتِ نبوی　　که زد ز مکّه به یثرب سُرادقات جلال

ز اوجِ قلّۂ پرواز گاہ عزّ قِدم — بدین حضیض ہوان سست کردہ ام پروبال

۲۔ قصیدہ لکھنے کی تاریخ [۸۹۳ھ]

بہ ہشتصد و نود و سہ کشیدہ ام امروز — زمام عمر درین تنگنای حس و خیال

۳۔ تحصیلِ علم

درآمدم پس ازآن درمقام کسب علوم — مُمارسانِ فنون را فتادہ در دنبال

ان اشعار میں جن علوم کا ذکر ہے وہ یہ ہیں: نحو، صرف، منطق، حکمتِ مشائی، حکمتِ اشراقی، حکمتِ طبیعی، حکمتِ ریاضی، فقہ، اصولِ فقہ، حدیث، قرائت قرآن وتفسیر قرآن۔

۴۔ وادیِ تصوّف میں قدم رکھنا

زدم قدم بہ صف صوفیانِ صافی دل — کہ نیست مقصد شان ازعلوم، جز اِعمال

اس کے بعد وہ ایک ایک کر کے اپنے مراحلِ سیر وسلوک کی وضاحت کرتے ہیں۔

۵۔ شاعری

ز طور طور گذشتم بسی ولے ہرگز — ز فکر شعر نشد حاصلم فراغت بال

ہزار بار ازین شغل توبہ کردم، لیک — ازآن نبود گریزم چو سائر اشغال

۶۔ قصیدے کے اختتام پر ایک مناجات ہے جس میں خدا کو انبیا اور رسولِ اکرم، خلفاے راشدین، اصحاب، تابعین، تبع تابعین، راہروان راہِ حق اور واصلان حریم قدس کی قسم دی گئی ہے۔

تحصیلِ علم

جامی کی ابتدائی تحصیلات کے متعلق صفی الدین علی نے **رشحات عین الحیات** میں بڑی مفید تفصیل دی ہے۔[۱۶] ان کے مدرّسین، اساتذہ، کسبِ علم کے لیے کیے گئے اسفار اور جامی کے نبوغ واستعداد پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ صاحبِ **رشحات** نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے، یہ ہے:

> ''جب وہ چھوٹی عمر میں اپنے والدِ محترم کے ساتھ ہرات آئے تو مدرسۂ نظامیہ میں ٹھہرے۔ وہاں علومِ عربی کے ماہر جنید اصولی کے درس میں داخل ہو گئے، جن کی اس فن میں شہرت بڑی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جامی کو **مختصر تلخیص**[۱۷] پڑھنے کا شوق ہوا۔ جب جامی اس درس میں داخل ہوئے تو بعض طلبہ شرح

مفتاح (۱۸) اور مطوّل (۱۹) پڑھ رہے تھے۔ جامی اگرچہ ابھی شرعی حد بلوغت کو نہیں پہنچے تھے لیکن خود میں وہ کتب سمجھنے کی استعداد پاتے تھے، لہٰذا وہ بھی مطوّل اور حاشیۂ مطوّل (۲۰) پڑھنے لگے، پھر مولانا خواجہ علی سمرقندی کے حلقۂ درس میں داخل ہو گئے جو مدقّق روزگار اور حضرت سیّد شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نامور شاگرد تھے اور طریقۂ مطالعہ (تدریس) میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جامی چالیس دن ہی میں اُن سے مستغنی ہو گئے اور مولانا شہاب الدین محمد جاجرمی (۲۱) کے حلقۂ درس میں چلے گئے جو اپنے وقت کے بہترین باحث (مناظر) تھے اور ان کا سلسلۂ تلمذ حضرت مولانا سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ملتا تھا۔ جامی فرمایا کرتے: ''ہم جو چند روز اُن کے درس میں گئے تو ان سے دو کارآمد باتیں سنیں، ایک یہ کہ، کتاب تلویح (۲۲) پڑھاتے وقت وہ مولانا زادۂ خطائی (۲۳) کے اعتراضات کا ردّ کرتے۔ پہلے دن جب انھوں نے ان (مولانا زادۂ خطائی) کا اعتراض دُور کرنے کے لیے دو تین مقدمات بیان کیے تو ہم نے انھیں جھٹلا دیا۔ دوسری نشست میں انھوں نے بڑے غور و خوض کے بعد جواب دیا، جو قدرے منطقی تھا۔ دوسری بات، فنِ بیان میں انھیں تلخیص مطوّل سے قدرے اختلاف تھا۔ گو وہ بنیادی طور پر اس کی کوئی زیادہ تردید نہیں کرتے تھے اور صرف کتاب کی عبارت اور الفاظ پر اَڑے ہوئے تھے، تاہم ان کی توجیہ میں کچھ وزن تھا۔'' اس کے بعد جامی سمرقند میں محقق روزگار قاضی زادۂ روم (۲۴) کے مدرسہ میں چلے گئے۔ پہلی ملاقات ہی میں جامی کی ان سے بحث چل نکلی، جو طول پکڑ گئی۔ آخر کار جناب قاضی کو جامی کی بات سے اتفاق کرنا پڑا۔ میرزا الغ بیگ کے ہاں عہدۂ صدارت پر فائز ایک متبحر عالمِ دین مولانا فتح اللہ تبریزی (۲۵) بیان کرتے ہیں کہ وہ بھی اس مجلسِ مباحثہ میں موجود تھے۔ قاضی زادۂ روم نے سمرقند میں اپنے مدرسہ میں مجلس کا اہتمام کیا۔ دنیا کے سبھی اکابر و افاضل وہاں موجود تھے۔ قاضی روم اس مجلس میں زیادہ تر صاحبِ استعداد اور خوش طبع لوگوں کا ذکر کرتے رہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے بارے میں یوں فرمایا: ''جب سے

سمرقند آباد ہوا ہے، جدّت طبع اور قوتِ تصرّف میں جام کے اس نوجوان کے پائے کا کوئی شخص دریائے آمویہ (۲۶) عبور کر کے ادھر نہیں آیا۔ قاضی روم کے شاگرد مولانا ابو یوسف سمرقندی کا کہنا ہے کہ جب حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی سمرقند آئے تو اتفاق سے فنِ ہیئت میں ایک کتاب کی شرح پڑھنے لگے۔ قاضی روم نے اس کتاب کے حواشی پر سالہا سال سے کچھ تعلیقات لکھ رکھی تھیں۔ جامی روزانہ ہر نشست میں ان میں سے ایک دو کی حک و اصلاح کر دیتے۔ قاضی اس کام پر جامی کے بے حد شکر گزار ہوئے۔ چنانچہ وہ اپنی **شرح ملخص چغمینی** بھی اٹھا لائے (اور جامی کو دکھائی)۔ جامی نے اس میں بھی وہ تصرفات کیے جو جناب قاضی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔

ایک دن ہرات میں مولانا علی قوشچی (۲۷) ترکوں کی طرح ایک عجیب سا کمر بند لپیٹے، جامی کی مجلس میں آئے اور شبہے کی آڑ میں فنِ ہیئت کے چند بے حد مشکل سوالات سامنے رکھے۔ جامی نے ایسا ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ مولانا قوشچی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جامی نے مولانا کو چھیڑتے ہوئے فرمایا: ''مولانا! آپ کی چادر میں اس سے بہتر کوئی شے نہیں تھی؟'' اس کے بعد مولانا قوشچی ہمیشہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے کہ اس دن مجھ پر یہ بات دوبارہ واضح ہوگئی کہ اس دنیا میں واقعی کسی نفس قدسی (۲۸) کا وجود ہے۔ بعض مخادیم فرماتے کہ یہ ملکہ اس لیے ہے کہ سلسلۂ خواجگان (نقشبند) قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم سے نسبت، عقل کی معاون ہوتی ہے اور قوتِ مدرکہ کو بڑھاتی ہے۔

چھُٹی کے ایام وہ فراغت اور آسودگی سے گذارتے۔ ان کی ذہین طبع دوسرے افکار میں مشغول رہتی۔ جب درس کو جاتے تو اکثر ایسا ہوتا کہ کسی ہم سبق سے کتاب لے کر چند لمحے مطالعہ کر لیا اور درس میں جا پہنچے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ آپ ہی سب (طلبہ) پر غالب رہتے۔ مولانا معین تونی (۲۹) کہتے ہیں کہ جب جامی مولانا علی کے درس میں داخل ہوتے تو کسی صاحبِ استعداد کی طرف سے جو شبہہ بھی سامنے آتا، جامی فوراً اُسے دور کر دیتے۔ وہ ہر روز مجلس میں اپنے حاصلِ

مطالعہ سے دو تین خصوصی شبہات اور اعتراضات اٹھا جاتے۔ جامی بعض ایسے علوم کے اکتساب کی خاطر، جو محض سماع سے حاصل ہوتے ہیں، اپنے معاصرین کے درس میں جاتے رہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ انھیں کسی کی شاگردی کی ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ دنیا بھر کے مدرّسین پر غالب تھے۔ ایک دن اُن کے اساتذہ اور معلّمین کی بات چل نکلی تو انھوں نے فرمایا: ''ہم نے کسی استاد کے سامنے ایسا سبق نہیں پڑھا کہ وہ ہم پر غالب ہوتے، بلکہ ہر بحث میں ہمیشہ ہمارا پلّہ ہی بھاری رہا، یا کبھی برابر رہتے۔ کسی شخص کا بھی ہم پر استادی کا حق ثابت نہیں ہے۔ درحقیقت ہم اپنے باپ کے شاگرد ہیں جن سے ہم نے زبان سیکھی۔'' ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ جامی نے علومِ صرف ونحو اپنے والد سے پڑھے تھے، اس کے بعد علومِ عقلی اور معارفِ یقینی میں انھیں کسی کی (راہنمائی کی) چنداں ضرورت نہ پڑی۔''(۳۰)

یہ تھا صاحبِ **رشحات** کا وہ بیان جس میں بڑی خوبصورتی سے جامی کی تحصیلات، مدرّسین اور علومِ ظاہری میں طے کردہ ان کے مراحل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ البتہ اس بیان میں (جامی کی طرف سے) خودستائی اور فخر ومباہات کا جو عنصر پایا جاتا ہے، وہ بظاہر اس عقیدت کا نتیجہ ہے جو صاحبِ **رشحات** کو اپنے استادِ محترم (جامی) سے تھی۔ ورنہ جامی ایسے درویش صفت، متواضع اور روحانی فضائل کے مالک شخص سے اتنا بھی بعید ہے۔

جامی کے شاگرد عبدالغفور لاری نے بھی اپنے استاد کے اکتسابِ علم پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ **تکملۂ نفحات الانس** میں صاحبِ **رشحات** کی فراہم کردہ معلومات کے علاوہ جامی میں علم کی جستجو کے ملکہ، انہماک اور اس کے لیے بزرگوں سے ہمت طلبی پر بعض ایسے نکات درج کیے ہیں جن کا ذکر یہاں مفید رہے گا۔ وہ لکھتے ہیں:

''فقیر (لاری) کو آنحضرت (جامی) علیہ الرحمۃ والرضوان کے آستان رفیع الشان پر پہنچنے سے پہلے تردّد تھا کہ جو مرتبہ شعر (گوئی) کی بدولت انھیں حاصل ہے، وہ گہرے تفکر اور دقیق تامّل کے بغیر میسر نہیں آسکتا، اور یہ امر مرتبۂ کمال کے منافی اور جمعیتِ خاطر کے خلاف ہے۔ لیکن جب میں اُن کی خدمت میں پہنچا تو معلوم

ہوا کہ کوئی شغل بلکہ حوادثِ زمانہ میں سے کوئی واقعہ یا حادثہ بھی ان کے ظاہری و باطنی اشغال کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا اور وہ اپنی کیفیت میں کسی تبدیلی کے بغیر اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ اپنا بہترین وقت بلا تکلّف و زحمت درس (روحانی) دینے میں صَرف کرتے۔''(۳۱)

جامی کے منظوم آثار میں بڑی کثرت سے بالتصریح یا بالکنایہ مختلف علوم اور ان کی اصطلاحات کی طرف اشارات ملتے ہیں، جن سے ہم مولانا کے ان علوم میں تبحر کا قیاس کر سکتے ہیں۔ مثلاً مثنوی **تحفۃ الاحرار** میں ایک قطعہ بعنوان ''شرح حال علمائے ظاہر کہ بہ دعوی ولاف خود را فقیہ و دانا می پندارند'' درج ہے، جس میں صرف ظاہری رسمی علوم کے اکتساب پر اِکتفا کر لینے اور علومِ باطنی سے صرفِ نظر کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ اس قطعہ میں ان علمی کتابوں کے نام اور اصطلاحات ملتی ہیں جو اس وقت رائج تھیں۔ یہاں اس قطعہ سے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں:

تا ببری از ہمہ فردا سبق — زان کتب امروز بگردان ورق
علم کہ خواند بہ رہ ناصواب — باشد از آن علم سیہ رو کتاب
نورِ دل از دیدۂ سینا مجوی — روشنی از چشم نابینا مجوی
جانب کفر است اشاراتِ اُو — باعث خوف است بشاراتِ او
فکر شفائش ہمہ بیماری است — میل نجاتش ز گرفتاری است
قاعدۂ طب کہ بہ قانون نہاد — پای نہ از قاعدہ بیرون نہاد
لیک نہان ساخت بر اہل طلب — روی مسبب بہ حجاب سبب
خاصیت علم سبب سوزی است — شیوۂ جاہل سبب آموزی است
طب ز نبی جوی کہ طب النبی — سازدت از جملہ عمل اجنبی
از مرض جہل شفا بخشدت — وز کدر نفس صفا بخشدت
تابد از اسباب عمل روی تو — وا کند از ہر چہ نہ حق خوی تو
عمر تو شد صرف اصول و فروع — ہیچ نیفتاد بہ اصلت رجوع
ہیچ وقوفت ز مقاصد چو نیست — از طلب آن بہ مواقف مایست
بر تو چو نگشاد ز مفتاح راہ — دولت فتح از در فتاح خواہ

گر ز موانع دل تو صاف نیست　　کشف موانع حد کشاف نیست
نورِ بدایت ز ہدایہ مجوی　　راہ نہایت بہ نہایہ مپوی
ترکِ نفاق و کم تلبیس گیر　　علم ز سرچشمۂ تقدیس گیر (۳۲)

مثنوی سلسلۃ الذہب کے پہلے دفتر میں مولانا نے کتاب سے اُنس اور مطالعہ کی ترغیب پر ایک قطعہ لکھا ہے جس میں اُن کتابوں کے نام لیے ہیں جو انھوں نے خود پڑھی تھیں۔ نیز وہ قارئین کو اُن کے مطالعہ کی نصیحت کرتے ہیں۔ ہم یہاں اس قطعہ سے چند اشعار ہی درج کر رہے ہیں تاکہ مولانا کے معارف کے اصول و آداب کا اندازہ ہو سکے:

شو انیس کتابہای نفیس　　انّہا فی الزمان خیر جلیس
مصحفی جوی روشن و خوانا　　راست چون طبع مردم دانا
و ز حدیث صحیح مصطفوی　　ناشی از خلق و سیرت نبوی
نسخہ ای چون بخاری و مسلم　　کہ ز سقم علل بود سالم
وز تفاسیر آنچہ مشہور است　　کہ ز تحریف مبتدع دور است
وز اصول و فروع شرع ہدیٰ　　آنچہ اَلیق نماید و اولیٰ
وز فنونِ ادب چہ نحو و چہ صرف　　آنچہ باید در آن علوم شگرف
وز رسالات اہل کشف و شہود　　وز مقالات اہلِ ذوق و وجود
آنچہ باشد بہ عقل و فہم غریب　　کہ شود منکشف بہ فکر لبیب
وز دواوین شاعران فصیح　　وز مقولات ناظمان ملیح
آنچہ قبضت کند بہ بسط بدل　　چہ قصاید چہ مثنوی چہ غزل
چون ترا جمع گردد این اسباب　　روی دل ز اختلاط خلق بتاب (۳۳)

جامی کے روحانی پیشوا

جامی کے روحانی پیشواؤں کے بارے میں ہم ملخصاً وہی تفصیل درج کر رہے ہیں جو اُن کے شاگرد عبدالغفور لاری نے دی ہے:

"حضرت (جامی) کو ان دنوں دل کی پراگندگی اور صورتِ آب و گل (انسانی جسم) سے تعلق کی بنا پر جمعیت خاطر میسّر نہ تھی، چنانچہ وہ ہرات سے سمرقند چلے

گئے۔ چندے وہاں قیام کیا اور کسب فضل و کمال کرتے رہے۔ پھر یوں ہوا کہ ایک رات، بلکہ صبح سعادت و اقبال کہیے... کہ حضرت (جامی) اس ظاہری شکل کی مفارقت اور دوری سے مغموم تھے کہ خود کو خواب میں قدوۃ العرفاء الکاملین واسوۃ الکبراء العارفین المتوجہ الی اللہ بالکلیہ والداعی الیہ بانوار الجلیہ سعد الملۃ والدین الکاشغری قدس اللہ سرہ کے حضور پایا اور بہ گوش ہوش سنا کہ حضرت فرما رہے ہیں:

''جاؤ بھائی! کوئی دوست تلاش کرو، کیونکہ یہ تمہارے لیے ناگزیر ہے۔''

معشوقہ زد از میکدہ ام بانگ تعال — داد از مے عشقم قدح مالا مال
از درد سر خرد شدم فارغ بال — برداشتم فغان بہ تقاضای وصال

حضرت جامی اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے اور ان کی طبیعت میں ہلچل مچ گئی۔ چنانچہ سامانِ ذوق وشوق لیے خراسان روانہ ہو گئے اور وہاں حضرت مخدوم (خواجہ سعد الدین کاشغری) کی ملاقات سے مشرف ہوئے۔

دیدم پیری کہ زیر این چرخ کبود — چون او دگری ز بود خود پاک نبود
بود آینہ ای کہ عکس خورشید وجود — جاوید در اُو بہ صورت اصل نمود

تھوڑی مدت ہی میں حضرت کو اپنے بے پناہ خلوص نیت اور حسنِ عقیدت کی بناء پر قوی شوق (وجذب) حاصل ہو گیا اور وہ محو ہو گئے۔ چنانچہ اُن کے ہم سلسلہ ایک بزرگ حیران ہو کر فرمایا کرتے: ''سلسلۂ خواجگان قدس اللہ سرہم العزیز نے حضرت جامی کو کتنی جلدی محو کر دیا۔''

حضرت مخدوم (کاشغری) مرحوم قدس اللہ روحہ ہمیشہ ہرات کی جامع مسجد کے دروازے پر فقراء سمیت مجلس آراء ہوتے۔ یہ مسجد حضرت مخدوم کے گھر کے قریب ہی واقع تھی۔ چونکہ جامی کا راستہ بھی وہی تھا اس لیے جتنی بار بھی وہاں سے گذر ہوتا، حضرت مخدوم فرماتے: ''اس شخص میں عجیب قابلیت ہے، ہم تو اس پر فریفتہ ہیں، معلوم نہیں اسے کیسے اپنی گرفت میں لائیں؟'' اور جب پہلے روز جامی، حضرت مخدوم قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا:

''لیجیے شاہباز ہمارے دام میں آ گیا۔''

حضرت جامی علیہ الرحمہ والرضوان کی نسبتِ طریقت تین واسطوں سے حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاء الدین المعروف بہ نقشبند قدس سرہٗ سے جاملتی ہے، کیونکہ حضرت مخدوم (کاشغری) قدس سرہٗ کو حضرت مولانا نظام الدین خاموش (۳۴) سے نسبت تھی اور انھیں خواجہ علاء الحق والدین المشتہر بہ عطار قدس سرہٗ (۳۵) سے۔ خواجہ علاء الدین قدس سرہٗ خواجہ بزرگ روح اللہ روحہ وافاض علی العالم فتوحہ کے مرید تھے۔'' (۳۶)

رشحات عین الحیات بالخصوص انھی مشائخ نقشبندیہ کا تذکرہ ہے جن سے جامی کو اپنی زندگی میں واسطہ رہا، اُن سے اکتساب کیا اور وہ ان کے معتقد تھے۔ مصنفِ **رشحات** نے ان مشائخ کا ذکر جامی کے حوالے سے کیا ہے، (۳۷) جس سے اُن کے دورۂ سیر وسلوک پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

حضرت مخدوم (جامی) کی مشائخ کبار سے ملاقاتیں
بچپن سے وفات تک

خواجہ محمد پارسا (۳۸)

مولانا سعدالدین قدس سرہٗ کے علاوہ حضرت جامی نے جن اکابر کو دیکھا اور اُن سے ملاقات کی، اُن میں سے سرِفہرست حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ تعالیٰ ہیں۔ جامی **نفحات الانس** میں لکھتے ہیں: ''جب حضرت خواجہ حجاز جانے کے لیے ولایت جام سے گذر رہے تھے اور یہ غالباً اواخر جمادی الاوّل یا جمادی الاخریٰ (۸۲۲ھ) کا واقعہ ہے، تو میرے والد، ارادت مندوں اور مخلصوں کی ایک کثیر جماعت ساتھ لے کر ان کی زیارت کے لیے شہر سے باہر نکلے۔ اس وقت میری عمر پورے پانچ سال بھی نہیں ہو پائی تھی۔ میرے والد نے کسی سے کہا تو اس نے مجھے کاندھے پر اُٹھا کر خواجہ پارسا کی پالکی کے سامنے کیا۔ حضرت خواجہ ملتفت ہوئے اور ایک سیر کرمانی مٹھائی عنایت فرمائی۔ اب یہ واقعہ بیتے ساٹھ سال ہونے کو آرہے ہیں لیکن آج بھی اُن کے جمالِ انوار کی پاکیزگی کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے ہے اور ان کے دیدار مبارک کی لذت میرے دل میں موجود ہے۔ خاندان خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم سے میرا پُرخلوص رابطہ، اعتبار، اعتقاد، ارادت اور محبت (شاید) انھی کی نگاہ کی برکت کا نتیجہ ہے۔ امید ہے کہ اس نسبت کی

طفیل مجھے اُن کے محبّوں اور عقیدت مندوں میں اٹھایا جائے گا۔ بمنّہ وجودہ۔" (۳۹)

مولانا فخر الدین لورستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ان کا شمار اپنے وقت کے مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔ جامی ان کی نسبت **نفحات الانس** میں لکھتے ہیں: "مجھے یاد پڑتا ہے کہ مولانا فخر الدین لورستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ خرجرد جام میں میرے والدین کی سرائے میں قیام پذیر تھے، میں اس وقت اتنا چھوٹا تھا کہ انھوں نے مجھے اپنے زانو پر بٹھا لیا۔ وہ اپنی انگلی سے خلا میں "عمر" اور "علی" ایسے مشہور نام لکھتے اور میں پڑھتا جاتا۔ وہ تبسّم فرماتے اور (میری استعداد پر) حیران بھی ہوتے۔ یہی وہ شفقت اور نوازش تھی جس نے میرے دل میں طریقۂ نقشبندیہ کی محبت وارادت کا بیج بویا، جو روز بروز نشو ونما پا رہا ہے۔ خدا کرے میں ان کی محبت میں جیوں اور اُن کی محبت میں مروں اور انھی کے حلقۂ محبان میں سے اٹھایا جاؤں۔ **اللّٰھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین.**" (۴۰)

خواجہ برہان الدین ابونصر پارسا قدس سرہٗ (۴۱)

جامی کو اکثر خواجہ ابونصر کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تھا۔ **نفحات الانس** میں لکھتے ہیں: "ایک دن ان کی مجلس میں شیخ محی الدین بن عربی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ اور اُن کی تصانیف کا ذکر ہو رہا تھا تو انھوں نے اپنے والد بزرگوار سے روایت کی کہ وہ فرمایا کرتے تھے، **فصوص** جان ہے اور **فتوحات** دل، جو شخص "**فصوص**" کو اچھی طرح سمجھتا ہے اس کا متابعتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دعویٰ قوی ہو جاتا ہے۔" (۴۲)

حضرت شیخ بہاء الدین عمر قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ (۴۳)

جن کے متعلق جامی کی رائے ہے کہ ان کا استغراق اور استہلاک بڑا قوی تھا۔ وہ عقابی نظروں سے خلا میں ایسے دیکھتے جیسے فرشتے، جن کا مقرّ ہوا ہے، خلائق کو دیکھتے ہیں۔ جامی بتاتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت شیخ سے ملاقات کے لیے گاؤں "چغارہ" (۴۴) گیا۔ وہاں شہر سے کچھ اور لوگ بھی آئے بیٹھے تھے۔ شیخ کا طریقہ یہ تھا کہ جو کوئی بھی شہر سے آتا اُس سے پوچھتے کہ کیا خبر ہے؟ چنانچہ وہ ہر ایک سے الگ الگ دریافت کرتے جاتے کہ تم شہر سے کیا خبر لائے ہو؟ ہر کوئی جواباً کچھ کہہ دیتا۔ میری باری آئی تو پوچھا: "ہاں بھئی! تمھارے پاس کیا خبر ہے؟" میں نے کہا: "کچھ نہیں۔" فرمایا: "راستے میں کیا دیکھا؟" میں نے عرض کیا: "کچھ بھی نہیں دیکھا۔" تب وہ

(حاضرین سے) فرمانے لگے: ''جوکوئی بھی درویش کے پاس آئے اُسے ایسے ہی آنا چاہیے، نہ تو اُسے شہر کی خبر ہو، نہ وہ راستے میں کسی شے پر دھیان دے۔'' پھر یہ شعر پڑھا:

دلارامی کہ داری دل در او بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند (۴۵)

خواجہ شمس الدین محمد کوسوئی قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ (۴۶)

ان کے بارے میں جامی کہتے ہیں کہ وہ واعظ تھے اور ہمارے خواجہ سعد الدین، مولانا شمس الدین محمد اسد، مولانا جلال الدین ابو یزید پورانی اور دیگر معاصر مشائخ اُن کی مجلسِ وعظ میں شریک ہوتے اور ان کے بیان کردہ حقائق و معارف کو پسند کرتے۔ مولانا شرف الدین علی یزدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہمیں خواجہ کی مجلسِ وعظ میں جانے کی ترغیب دیا کرتے۔ بعض احباب بتاتے ہیں کہ جب بھی حضرت مخدوم (جامی) حضرت خواجہ کوسوئی کی مجلس میں جاتے تو خواجہ فرماتے: ''آج ہماری محفل میں شمع فروزاں ہے۔'' اور پھر خواجہ کی زبان پر حقائق و معارف رواں ہو جاتے۔ حضرت مخدوم (جامی) فرمایا کرتے کہ خواجہ کوسوئی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ محی الدین بن العربی کی کتابوں کے معتقد تھے اور مسئلۂ توحید کو ان کے نظریے کے مطابق سرِ منبر، علماے ظاہر کے سامنے اس طرح بیان کرتے کہ کسی کو انکار کی مجال نہ ہوتی۔ قرآن، حدیث، اقوالِ مشائخ کے اسرار و رموز میں وہ حد درجہ تیز فہم تھے۔ جو کثیر معارف دوسروں کو غیر معمولی تامل و تفکر کے بعد حاصل ہوتے وہ ان پر معمولی توجہ ہی سے کھل جاتے۔ وعظ اور مجلس سماع کے دوران میں ان پر شدید وجد طاری ہو جاتا۔ (اس عالم میں) وہ بڑی باتیں کرتے جن کی تاثیر تمام حاضرینِ مجلس پر ہوتی۔ بعض اوقات خواجہ، اپنے ہاں آئے ہوئے لوگوں کو ان کے اپنے نفس پر غالب صفات کی شکل میں دیکھتے۔ ایک دن کہنے لگے کہ ہمارے اصحاب کبھی کبھی انسانی شکل سے باہر ہو جاتے ہیں۔ لیکن جلد ہی اپنی اصلی حالت پر لوٹ آتے ہیں۔ انھوں نے ایک دو آدمیوں کے نام بھی لیے اور بتایا کہ جب وہ میرے سامنے آتے ہیں تو وہ مجھے چار چشمی کتّے دکھائی دیتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر کسی کے دل میں کوئی خیال گذرتا تو وہ اس کا اظہار اس طرح کر دیتے کہ (متعلقہ شخص کے سوا) کسی کو خبر تک نہ ہوتی۔ (۴۷)

مولانا جلال الدین پورانی رحمۃ اللہ علیہ (۴۸)

جامی اکثر گاؤں پوران جا کر اِن کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ جامی **نفحات الانس** میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ان کے پہلو میں نماز پڑھ رہا تھا تو انھیں اس قدر مغلوب و مستہلک پایا جیسے انھیں اپنی خبر ہی نہ ہو۔ جب وہ قیام کرتے تو دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے، کبھی بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر۔ (۴۹)

مولانا شمس الدین محمد اسد (۵۰)

ان کے ہاں بھی جامی کی بڑی آمد و رفت تھی۔ وہ **نفحات الانس** میں رقمطراز ہیں: ''ایک دفعہ میں ان کا شریکِ سفر تھا۔ باتوں باتوں میں وہ کہنے لگے کہ ان دنوں مجھ پر ایک ایسا حادثہ گذرا جس کی مجھے کوئی توقع نہیں تھی اور میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر مختصراً اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جس سے میں سمجھ گیا کہ ان کی مقامِ جمع تک رسائی ہے۔'' (۵۱)

خواجہ عبید اللہ احرار

علی بن حسین کاشفی نے **رشحات عین الحیات** میں جامی کے پیر و مرشد خواجہ ناصر الدین عبید اللہ معروف بہ خواجہ احرار، جن کی ارادت کا دم جامی نے ساری عمر بھرا ہے، کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ (۵۲) جامی اور خواجہ احرار کے مابین جو قلبی اور روحانی تعلق قائم تھا اُس کا جامی کی نثری اور منظوم تصانیف پر اثر نمایاں ہے۔ ان تعلقات کی تفصیل کے لیے ہم دوبارہ **رشحات عین الحیات** سے اقتباس نقل کرتے ہیں:

> ''حضرت مخدومی (جامی) اور حضرت ایشاں (خواجہ احرار) کی چار ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ دو دفعہ سمرقند میں، تیسری بار ہرات میں، جب خواجہ احرار، میرزا سلطان ابوسعید کے عہدِ حکومت میں ماوراء النہر سے خراسان تشریف لائے ہوئے تھے، (اور چوتھی دفعہ) جب حضرت خواجہ، سلطان ابوسعید کی درخواست پر مرو آئے ہوئے تھے، تو حضرت جامی ان سے ملاقات کے لیے ہرات سے مرو گئے۔ ہماری نظر سے حضرت جامی کی ایک تحریر گذری ہے (جس میں وہ بتاتے ہیں) کہ مرو کے نواح میں خواجہ عبید اللہ مدّ اللہ ظلالہٗ نے اس حقیر سے دریافت کیا: ''آپ کی عمر کیا ہوگی؟'' میں نے کہا: ''تقریباً پچپن سال۔'' یہ سن کر وہ فرمانے لگے:

''پھر ہماری عمر (آپ سے) بارہ سال زیادہ ہوئی۔'' واضح رہے کہ اس ملاقات سے پہلے اور بعد میں دونوں حضرات کے درمیان کافی مراسلت ہوئی ہے۔
حضرت جامی کا خواجہ احرار کی نسبت کمال اخلاص اور ارادت ان کی منظوم و منثور تصانیف سے ہر خاص و عام پر آشکار ہے۔ وہ نظمیں اور تحریریں اس قدر مشہور ہیں کہ یہاں انھیں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت خواجہ کے نام حضرت جامی کے رقعات و مراسلات بھی ان کی سچی محبت اور پُر خلوص عقیدت سے لبریز ہیں۔
ہم یہاں بطور تیمن و تبرک اور سند و ہدایت، جامی کے دو رقعات نقل کر رہے ہیں:

(۱)

''بعد از رفع نیاز عرضہ داشت این بیچارہ گرفتار آنکہ گاہی می خواہم کہ گستاخی کردہ از خرابی احوال خود نسبت بہ ملازمان آن آستانہ اندکی اعلام کنم، می ترسم کہ خرابی احوال این فقیر موجب ملال باز یافتگان شود و ''ذکر الوحشۃ وحشۃ'' بہ ہر حال کہ ہست آرزوی آن می باشد کہ نظر بہ خرابی ایں درماندہ بکنند، طریقۂ ترحم کہ از اخلاق کرام است نسبت بہ این ضعیف مرعی دارند، سبب گرفتاری خود جز آن نمی دانم۔ شعر:

ہر کہ را دیو از کریمان وا برد
بے کسش سازد سرش را وا خورد

والسلام والاکرام۔''

(۲)

''عرضہ داشت آنکہ اشتیاق و آرزومندی عتبہ بوسی بسیار است ہر چند با خود می گویم:

این کار دولت است کنون تا کرا رسد

لیکن ہوای آنکہ خود را بر آن آستان بیند بسیار است۔ امید از الطاف بی نہایت حق سبحانہ، آنکہ این فقیر بی بال و پر، بی ہمت، بی قدم را بہ محض عنایت قدمی روزی گرداند تا ہر چہ گونہ کہ باشد از مضیق حبس خودی نجات یافتہ، متوجہ آستان بوسی توانم

شد۔ والسّلام"۔(۵۳)

خواجہ احرار خراسان اور ماوراء النہر میں سلسلۂ نقشبندیہ کے پیشوا اور جامی کے معاصر تھے۔ جامی نے ہر مقام پر اُن کی عظمت و جلالت کا اعتراف کیا ہے اور انھیں اپنی کتابوں میں استاد اور مخدوم لکھ کر یاد کیا ہے۔ خواجہ احرار اپنے عہد کی ممتاز شخصیت تھے۔ سلطان ابوسعید گورکان اپنے تمام ملکی امور میں ان سے رہنمائی حاصل کرتا اور ہر کام میں اُن کا واسطہ اور شفاعت مان لیتا۔ ایک دفعہ خواجہ احرار کے کہنے پر رعایا کے لیے سمرقند و بخارا کے مالیات معاف کر دیے۔ جب ابوسعید نے اپنا دارالحکومت سمرقند سے ہرات منتقل کیا تو اس نے دو دفعہ خواجہ احرار کو خراسان مدعو کیا۔ پہلی دفعہ خواجہ ہرات تشریف لائے اور دوسری بار مرو۔ معین الدین اسفزاری نے ۸۶۵ھ کے واقعات میں خواجہ احرار کے سفرِ مرو کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب خواجہ احرار ماوراء النہر سے مرو پہنچے تو سلطان ابوسعید نے استقبال و اعزاز کے مراسم بجالانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ وہ دو مرتبہ خود خواجہ احرار سے ملنے آیا اور ایک دفعہ خواجہ احرار اس کے پاس گئے۔ سلطان سے باہمی مشوروں کے بعد وہ عراق (عجم) چلے گئے۔

جامی نے مثنوی سلسلۃ الذہب کے پہلے دفتر میں خواجہ احرار کے مرو تشریف لے جانے کا واقعہ، سلطان ابوسعید کا ان کے لیے احترام بجالانا اور خواجہ احرار نے انھیں (جامی کو) جو نصیحت فرمائی تھی اس کا بطورِ خاص ایک حکایت میں ذکر کیا ہے۔ آگے چل کر اُسی منظوم حکایت میں جامی بتاتے ہیں کہ آستانۂ خواجہ احرار حاجت مندوں کا ملجاء ہے، وہ ماوراء النہر اور خراسان میں اہلِ جہان کی مشکلات کو آسان فرماتے ہیں۔ نیاز مندوں کی حاجت برآری کے لیے وہ اعلیٰ حکام کو رقعات لکھتے ہیں۔ انھی کے حکم سے "تمغا" اور "ریغورا" (ایک قسم کا محصول) کا قانون منسوخ کیا گیا۔ (۵۴)

خواجہ احرار کو خراسان کا دوسرا سفر اُس وقت پیش آیا جب سلطان ابوسعید جنگِ آذربایجان کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ سلطان نے مشورہ اور حصولِ برکت کے لیے انھیں مرو بلایا تھا۔

مثنوی تحفۃ الاحرار میں جامی نے بڑے واشگاف الفاظ میں سلسلۂ نقشبندیہ سے اپنی وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ پہلے وہ قطبِ اعظم، مجدّدِ سلسلۂ نقشبندیہ خواجہ بہاء الدین بخاری معروف بہ نقشبند کی مدح و منقبت بیان کرتے ہیں۔ (۵۵) ازاں بعد اپنے پیر و مرشد، شیخِ طریقت خواجہ ناصر الدین

عبیداللہ کی دعا کے ساتھ اپنی نظم کو پایۂ اختتام تک پہنچاتے ہیں۔ خواجہ احرار کے بارے میں وہ کہتے ہیں:

زد بہ جہان نوبت شاہنشہی کوکبۂ فقر عبیداللّٰہی
آنکہ ز حریّت فقر آگہ ست خواجۂ احرار عبیداللہ ست (۵۶)

ایک قطعہ میں جامی نے خواجہ احرار کے ان اقدامات کی طرف اشارہ کیا ہے جو انھوں نے چنگیزی مالیات وغیرہ منسوخ کروانے اور پادشاہانِ وقت کے ہاں مظلوموں کی دادرسی کے لیے کیے تھے۔ قطعہ ملاحظہ ہو:

دادہ چو نم کلک گہر ریز را شستہ ستم نامۂ چنگیز را
خامہ او کردہ ز نسخ رقاع محو خط نامۂ ظلم از بقاع
رقعۂ او نوردہ ہر سواد بقعۂ او ثانی خیرالبلاد
حلقۂ اصحاب کہ گردِ وی اند بہرہ ور از ذکر وز ورد وی اند (۵۷)

تحفۃ الاحرار ہی کے شروع میں جامی نے خواجہ احرار کے ساتھ اپنی تین ملاقاتوں کا ذکر کر کے اپنے طے کردہ ان مراحل سلوک کو بیان کیا ہے جن میں انھیں تصوّف کے تین مراتب (علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین) کا وصول ہوا۔ جامی نے یہ نظم ایک خاص وجدانی کیفیت میں بڑے جوش و جذبہ سے لکھی ہے۔ انھوں نے مدارجِ سلوک طے کرنے اور اپنے شیخِ طریقت سے ارادت کے اظہار میں بڑی شیریں زبانی اور نغز بیانی سے کام لیا ہے۔ (۵۸)

جامی کے تیسرے دیوان **خاتمۃ الحیوۃ** میں سات بندوں پر مشتمل ایک مرثیہ ہے جو انھوں نے خواجہ احرار کے انتقال پر لکھا۔ (۵۹) اس کا مطلع ہے:

موج زن می بینم از ہر دیدہ طوفان غمی می رسد در گوشم از ہر لب صدای ماتمی

پہلے بند کے آخر میں وہ کہتے ہیں:

خواجہ رفت و ما بہ داغ فرقتش ماندیم اسیر کم مبادا ہرگز از فرق مریدان ظلِ پیر

دوسرے بند میں جامی لکھتے ہیں:

خواجہ ای کش معنی فقر از ازل ہمراہ بود ناصرالدین نصرت الدنیا عبیداللہ بود

پانچویں بند میں وہ فرماتے ہیں:

این مصیبت نیست خاص ماوراءالنهریان　　تیره شد هر شهر از این ناخوش خبر برشهریان

اسی دیوان میں جامی نے خواجہ احرار کی وفات پر دو قطعات تاریخ بھی لکھے ہیں۔ (۶۰) ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

به هشتصد و نود و پنج در شب شنبه　　که بود سَلخِ مه فوت احمد مرسل

کشید خواجۂ دنیا و دین عبیدالله　　شراب صافی عیش ابد ز جام اجل

جامی کے اعزّہ واقارب

علی بن حسین کاشفی نے **رشحات عین الحیات** میں جامی کی گھریلو زندگی، اولاد اور ان کے رشتہ داروں کے بارے میں خاطر خواہ تفصیلات دی ہیں۔ (۶۱) وہ لکھتے ہیں:

عقد

حضرت مولانا سعدالدین کاشغری قدس اللہ سرہٗ کے صاحبزادے خواجہ کلاں کی دو بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک حضرت مخدوم (جامی) کے نکاح میں تھیں اور دوسری میرے عقد میں آئیں:

دو کوکب شرف از برج سعد ملت و دین　　طلوع کرد و برآمد بسان درّ ز صدف

از آن یکی به ضیاگشت بیت عارف جام　　و زین حضیض وبال صفی شد اوج شرف

اولاد

حضرت جامی کے ہاں اس زوجہ سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ (۶۲)

۱۔ پہلا بیٹا صرف ایک دن زندہ رہا۔ ابھی اس کا نام نہیں رکھا گیا تھا۔

۲۔ دوسرا بیٹا خواجہ صفی الدین محمد تھا جو ایک سال کی عمر پا کر فوت ہوگیا۔ جامی کو اس کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا۔ جیسا کہ ان کے پہلے دیوان میں موجود اس مرثیہ سے پتا چلتا ہے جو اس کی وفات پر لکھا۔ (۶۳)

یہ بڑا عجیب اتفاق ہے کہ جامی نے اس کی وفات کے بعد اس کا لقب ''صفی'' میرا تخلص مقرر کیا اور میرے لقب ''فخر'' سے اس کی تاریخِ ولادت (۸۸۰ھ/۶-۱۴۷۵ء) نکالی۔ جیسا کہ وہ اپنی اس رُباعی میں فرماتے ہیں:

فرزند صفی دین محمد که جهان　　شد زنده به او چنانکه تن زنده به جان

چون شد بہ وجود او جہان فخر کنان　　شد سال ولادت وی از ''فخر'' عیان

امیر نظام الدین علی شیر نے اس کی تاریخِ وفات ایک چار لفظی جملے سے نکالی اور حضرت مخدوم (جامی) کو ارسال کی۔ وہ جملہ یہ ہے:

''بقای حیات شما بادا'' = ۸۸۱ھ (۷-۱۴۷۶ء)

۳۔ جامی کے تیسرے بیٹے خواجہ ضیاء الدین یوسف تھے۔ جن کی تاریخِ ولادت جامی نے یوں رقم کی: **''ولادت فرزند ارجمند ضیاء الدین یوسف انبته اللّٰہ نباتا حسناً فی النصف الآخیر من لیلة الاربعاء التاسع من شهر شوال سنه اثنین و ثمانین و ثمانمائة''** (بدھ کی رات کا آخری پہر، ۹ شوال ۸۸۲ھ/ جنوری ۱۴۸۷ء)

ایک دن حضرت جامی پرانی مسجد کے شمال میں واقع حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خادم، خواجہ ضیاء الدین کو کندھوں پر اُٹھائے، گھر سے باہر لایا۔ اس وقت ضیاء الدین کی عمر تقریباً پانچ سال ہوگی۔ جب وہ قریب پہنچے تو کہنے لگے: ''بابا (جامی)! میں نے خواجہ عبید اللہ کو نہیں دیکھا۔'' جامی متبسّم ہوئے اور فرمایا: ''بیٹے! تم نے انھیں دیکھا ہے، لیکن تمھیں یاد نہیں ہے۔'' پھر کہا: ''انھی دنوں میں نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ عبید اللہ اسی مقام پر تشریف فرما ہیں اور مسجد کے شمال میں واقع ایک چھت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ میں ضیاء الدین کو ہاتھوں پر اُٹھا کر اُن کے پاس لے گیا اور عرض کیا کہ اس بچے پر نظرِ عنایت فرمائیے، اور اسے قبولیت سے مشرف کیجیے۔ حضرت خواجہ نے ضیاء الدین کو میرے ہاتھوں سے اٹھا لیا اور اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ کر ایک بیحد سفید شے اپنے دہن مبارک سے اس کے منہ میں ڈالی، جس سے اس کا منہ بھر گیا، بلکہ وہ چیز زائد ہی تھی۔ تب انھوں نے بچہ میرے حوالے کر دیا اور میری آنکھ کھل گئی۔'' جامی نے یہ واقعہ خرد نامہ اسکندری کے دیباچے میں خواجہ احرار کی مدح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ (۶۴)

۴۔ جامی کے چوتھے بیٹے کا نام خواجہ ظہیر الدین عیسیٰ تھا، جو خواجہ ضیاء الدین کی ولادت سے نو سال بعد پیدا ہوا۔ جامی نے اس کی تاریخِ ولادت یوں مرقوم کی ہے: **''ولادت فرزند ارجمند ظهیر الدین عیسٰی وقت الظهر من یوم الخمیس خامس محرم سنه احدی و تسعین و ثمانمائة انبته اللّٰه نباتاً حسناً و رزقه سعادة الدارین محمد و**

آلہٖ الطیبین الطاہرین'' (ظہر، جمعرات کا دن، ۵ محرم ۸۹۱ھ/ جنوری ۱۴۸۶ء)

تقریباً چالیس دن کی عمر پا کر یہ لڑکا بھی وفات پا گیا۔ جامی نے اس کی تاریخ ولادت و وفات پر دو قطعات لکھے:

فرزند ظہیر الدین پنجم ز محرّم　　در منتصف ظہر شد آرام دل ما
جز ''ذٰلک عیسیٰ'' نشد از غیب اشارت　　جستیم چو نامش ز رقم نامۂ اسما
ملفوظ ز عیسیٰ چو شمارند، نہ مکتوب　　تاریخِ ولادت بوَدش ''ذٰلک عیسا''
۸۹۱

(۲)

نور دیدہ ظہیر دین کہ فتاد　　دادن و بردنش بہ ہم نزدیک
بود برقی از آسمان کرم　　زادن و مردنش بہ ہم نزدیک (۶۵)

بھائی

جامی کے ایک بھائی مولانا محمد تھے، (۶۶) جن کے حالاتِ زندگی مجالس النفائس میں درج ہیں، بظاہر وہ بھی صاحبِ علم و فضل تھے اور علومِ ظاہری سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ راگوں اور علمِ موسیقی میں بھی انھیں مہارت تھی۔ میر علی شیر نے ان سے یہ رباعی نقل کی ہے:

این بادہ کہ من بی تو بہ لب می آرم　　نی از پی شادی و طرب می آرم
زلف سیہ تو روز من کردہ سیاہ　　روز سیہ خویش بہ شب می آرم (۶۷)

جامی نے اپنے بھائی کی وفات پر ترکیب بند کی صورت میں ایک مرثیہ لکھا، جس کے ایک بند میں مولانا محمد کی غزل پر تضمین کی گئی ہے۔ (۶۸)

[بہن

مولانا عبداللہ ہاتفی جامی (م: ۹۲۷ھ) مولانا جامی کے بھانجے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مولانا جامی کی کوئی بہن بھی تھی۔ مترجم]

جامی کے اسفار

تذکروں سے جامی کے کئی اسفار معلوم ہوئے ہیں جن کی تاریخی ترتیب یوں ہے:

۱۔ بچپن میں اپنے والد کے ہمراہ جام سے ہرات آنا اور خواجہ علی سمرقندی کے مدرسہ میں

داخل ہونا۔

۲۔ جوانی میں شاہرخ کے عہد (۸۱۷-۸۵۰ھ) میں ہرات سے سمرقند جانا۔

۳۔ سمرقند سے ہرات واپسی، علاء الدین علی قوشچی سے ملاقات اور اکتساب علم، مولانا سعد الدین کاشغری کا عقیدت مند ہونا۔

۴۔ خواجہ عبید اللہ احرار کی زیارت کے لیے ہرات سے مرو کا سفر۔

۵۔ ۸۷۰ھ/ ۶-۱۴۶۵ء میں خواجہ عبید اللہ سے دوبارہ ملنے سمرقند جانا۔

۶۔ ۸-۸۷۷ھ/ ۲-۱۴۷۴ء میں خراسان سے حجاز تک کا سفر۔ راستے میں ہمدان، کردستان، بغداد، کربلا، نجف، مدینہ، مکہ، دمشق، حلب اور تبریز سے گذرنا اور خراسان واپسی۔ (۶۹)

۷۔ ۸۸۴ھ/ ۱۴۷۹ء میں فاراب تاشقند میں خواجہ عبید اللہ سے تیسری ملاقات کی غرض سے سفر۔

سفر حجاز

مذکورہ چھٹا سفر مولانا کا سب سے اہم اور طویل سفر ہے جس میں انھیں کئی واقعات پیش آئے۔ **رشحات عین الحیات** سے اس سفر کی روداد اس طرح نقل ہوئی ہے۔ (۷۰)

> ''جامی ماہ ربیع الاوّل ۸۷۷ھ کے وسط میں حجاز کے سفر پر نکلے... جب وہ اس سفر کی تیاری میں مصروف تھے تو خراسان کے تمام اکابر نے ان سے یہ سفر منسوخ کرنے کی درخواست کی اور کہنے لگے کہ روزانہ آپ کی بدولت غریبوں کے کئی کام سنورتے ہیں اور جو مشکلات شاہی دربار میں آپ کی سفارش سے حل ہوتی ہیں، خود اُس کا ثواب ایک پیدل حج سے کم نہیں ہے۔ جامی نے خوش طبعی سے جواب دیا: ''ہم پیدل حج کرتے کرتے تھک چکے ہیں، اب ایک سواری حج بھی ہو جائے۔''
>
> چنانچہ وہ ہرات سے نکلے اور نیشاپور، سبزوار، بسطام، دامغان، سمنان اور قزوین سے ہوتے ہوئے ہمدان پہنچے۔ ہمدان کے حاکم شاہ منوچہر نے بڑے خلوص اور نیازمندی کا مظاہرہ کیا اور حضرت جامی کو اُن کے قافلے سمیت تین راتیں اپنے

ہاں ٹھہرایا اور ان کے اعزاز میں شاہی ضیافتیں منعقد کیں۔ اپنے ملازمین اور متعلقین کی ایک کثیر جماعت جامی کے ہمراہ روانہ کی۔ ان لوگوں نے جامی کا قافلہ بحفاظت کردستان سے گذار کر بغداد کی سرحد تک پہنچایا۔ جامی یکم جمادی الاخر کو بغداد میں داخل ہوئے اور چند دنوں بعد امیر المؤمنین حسین علیہ السّلام کے روضۂ مقدسہ کی زیارت کی غرض سے ''حلّہ'' روانہ ہوئے۔ جب کربلا پہنچے تو یہ غزل لکھی:

کردم ز دیدہ پای سوی مشہد حسین
ھست این سفر بہ مذھب عشاق فرض عین (۷۱)

اس کے بعد وہ دوبارہ بغداد آ گئے۔ ان دنوں جو ایک عجیب واقعہ پیش آیا وہ روافض کی شورش تھی۔ انھیں (جامی کی مثنوی) **سلسلۃ الذہب** کے بعض اشعار پر اعتراض تھا۔ ہوا یوں کہ جام کا فتحی نامی شخص، جو محض پڑھنے کی شُد بدر کھتا تھا اور سالہا سال سے آستانہ حضرت مخدوم (جامی) کے قریب رہ رہا تھا، اس سفر میں جامی کے ہمراہ تھا۔ ایک دن کچھ نفسانی خواہشات کی بنا پر اس کی حضرت جامی کے ایک خادم سے تلخ کلامی ہوگئی اور بات بڑھتے بڑھتے ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ فتحی اپنی نہایت گندی طبیعت اور کثیف فطرت کے سبب حضرت جامی کی خدمت سے الگ ہوکر اپنے ہم جنس اور ہم ذوق رافضیوں کے ساتھ جاملا اور اپنا بوریا بستر بھی وہیں لے گیا۔ جامی نے **سلسلۃ الذہب** کے دفتر اوّل میں قاضی عضد رحمۃ اللہ کی بعض کتب سے ایک تمثیل نقل کی ہے کہ اکثر لوگ عبادت کے وقت (خدا کی بجائے) کسی موہوم شے کے خیال میں گرفتار ہوتے ہیں۔ (۷۲) فتحی نے اس تمثیل کے ابتدائی اور آخری اشعار چھوڑ کر درمیان سے چند ایسے اشعار لے لیے جو اس فرقہ کے عقائد کے ماحصل ہیں اور روافض کو دکھائے۔ چنانچہ ایک بے حد متعصب رافضی نے اس فتنہ کو ہوا دینے کے لیے چند اشعار از خود بنا کر ان کے ساتھ لگا دیے۔ اس طرح قرب و جوار کے غالی اور جاہل رافضیوں کو ایک بہانہ ہاتھ لگ گیا اور وہ اشاروں اور کنایوں سے حضرت جامی کے قافلہ کے لوگوں

کو شرانگیز باتوں سے چھیڑنے لگے۔ آخرکار ایک روز بغداد کے ایک وسیع مدرسے میں ایک عظیم مجلس منعقد ہوئی۔ جس میں حضرت جامی نے شرکت کی۔ حنفی اور شافعی فقہ کے قضات ان کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ مدمقابل حسن بیگ کا بھتیجا مقصود بیگ اور حسن بیگ کا برادرِ نسبتی خلیل بیگ، جو کبھی بغداد کے حکمران رہے تھے، ترکمان امرا کے پہلو میں براجمان ہوئے۔ بغداد کے عوام مدرسہ کی چھت پر چڑھ گئے۔ کتاب **سلسلۃ الذہب** سامنے لائی گئی اور سب کے سامنے سیاق وسباق کے ساتھ حکایت کا مضمون پڑھا گیا۔ حضرت جامی نے خوشی سے فرمایا کہ جب ہم نے **سلسلۃ الذہب** میں حضرت امیر (حضرت علی) اور ان کی اولاد بزرگوار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف کی تو ہم خراسان کے سُنیوں سے خوفزدہ تھے کہ مبادا وہ ہمیں رافضی خیال کریں۔ لیکن ہمیں کیا علم تھا کہ ہم بغداد میں رافضیوں کی ایذا کا شکار ہو جائیں گے۔ جب حاضرین مجلس، حکایت کے مضمون سے کماحقہٗ آگاہ ہوئے تو انگشت بدنداں رہ گئے اور یک زبان ہو کر پکار اُٹھے کہ اس امّت میں سے ہرگز کسی نے حضرت امیر کے اوصاف اس خوبی سے بیان نہیں کیے اور ان کے مناقب میں ایسا مبالغہ نہیں کیا۔ پھر حنفی اور شافعی اقضی القضات نے وہاں موجود دیگر اکابر سمیت اس حکایت کی صحت پر دستاویز لکھی۔ اس کے بعد انھی قاضیوں اور اکابر کے روبرو روافض کے سرغنہ نعمت حیدری سے جامی نے پوچھا کہ تم شرعی نقطۂ نظر سے مجھ سے مباحثہ کرنا چاہتے ہو یا طریقت کی رُو سے؟ وہ بولا: ''دونوں طرح سے۔'' حضرت جامی نے فرمایا: ''پہلے اٹھو اور شرعی حکم کے مطابق مونچھوں کے بڑھے ہوئے وہ بال درست کرو جو مدت سے تم نے نہیں کٹوائے۔'' ادھر جامی نے یہ بات کہی اُدھر شیروان کے بعض لوگ، جو جامی کی حمایت کے لیے اس مجلس میں آئے بیٹھے تھے، لپکے اور نعمت حیدری کو گھیر لیا اور قینچی پہنچتے پہنچتے اس کی آدھی مونچھیں عصا پر رکھ کر چھری سے کاٹ ڈالیں اور باقی قینچی سے کاٹ دیں۔ جب اس کی مونچھیں تمام کٹ چکیں تو جامی نے فرمایا: چونکہ یہ کام تو نے اپنے ہاتھ سے (اپنی مرضی سے) انجام

نہیں دیا، لہٰذا تو اہلِ طریقت کی نظر میں از روے طریقت مردود ہے اور لباسِ فقر تم پر حرام ہے۔ لہٰذا اب تمہارے لیے ضروری ہے کہ شیخِ وقت کے پاس جاؤ تا کہ وہ تمہارے حق میں فاتحہ و تکبیر پڑھے۔ پھر اہلِ طریقت کے قاعدے کے مطابق ضروری ہے کہ کچھ مدت کربلا میں رہ کر سادات سے تکبیر قبول کروا کر واپس مباحثہ کے لیے آؤ۔ پھر نعمت حیدری کو سامنے لایا گیا جس نے **سلسلۃ الذہب** پر بعض لغو اشعار کا الحاق کیا تھا اور دشمنی اور تعصب میں پیش پیش تھا۔ اسے بُرا بھلا کہا گیا۔ حکام نے بھی اسے ملامت کی۔ پھر اسی مجلس میں اُسے ٹوپی پہنا کر گدھے پر اُلٹا سوار کر کے عوام و خواص کے سامنے بطور سزا و تشہیر بغداد کے بازار میں اور شہر کے اِرد گرد گھمایا گیا۔ حضرت جامی نے ان واقعات اور اہلِ بغداد کی اس اذیت رسانی پر یہ غزل لکھی:

بگشای ساقیا بہ لب شط سر سبوی	وز خاطرم کدورت بغدادیان بشوی
مہرم بہ لب نہ از قدح می کہ ہیچ کس	ز ابنای این دیار نیرزد بہ گفت وگوی
از ناکسان وفا و مروّت طمع مدار	وز طبع دیو خاصیت آدمی مجوی
در راہ عشق زہد و سلامت نمی خرند	خوش آن کہ با جفا و ملامت گرفت خوی
عاشق کہ نقب زد بہ نہان خانۂ وصال	دارد فراغتی ز نفیر سگان کوی
بی رنگی است و بی صفتی وصف عاشقان	این شیوہ کم طلب ز اسیران رنگ و بوی
جامی مقام راست روان نیست این زمین	برخیز تا نہیم بہ خاک حجاز روی (۷۳)

جامی چار مہینے بغداد میں ٹھہرے اور اسی سال عید الفطر کے بعد حجاز روانہ ہو گئے اور مدینۃ النبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا رُخ کیا۔ آنحضرت کی نعت میں ایک ترکیب بند لکھا، جس کا مطلع یہ ہے:

محمل رحلت ببند ای ساربان کز شوق یار
می کشد ہر دم بہ رویم قطرہ ہای خون قطار (۷۴)

شوال کے آخر میں قبلۂ عزت و شرف، حریم حرمت ''نجف'' پہنچے اور اس متبرک و مبارک مقام پر یہ منقبت لکھی:

قَد بَدا مَشهد مَولایَ اَنیخوا جَمَلی
کہ مشاہد شد از آن مشہدم انوار جلی (۷۵)

حضرت امیر علیہ السّلام کے روضۂ اقدس کی زیارت سے مشرف ہو چکے تو حضرت امیر کی منقبت میں ایک زوردار قصیدہ لکھا، جس کا مطلع یہ ہے:

اَصبَحتُ زائراً لکَ یا شَحنۃ النَّجف
بہر نثار مرقد تو نقد جان بہ کف (۷۶)

سیّد شرف الدین محمد لیث نقیب (۷۷) نے، جو اُس وقت اس علاقے کے سیّد السادات اور نقیب النقباء تھے، اپنی اولاد و احفاد اور دوسرے اکابر سمیت حضرت جامی کا استقبال کیا اور آداب تعظیم و توقیر بجالائے۔ تین دن اور تین رات ان کی شاندار مہمانداری کی اور ان کے شایان شان خاطر و مدارات بجالاتے رہے۔

جب ذوالقعدہ کا چاند نظر آیا تو حضرت مخدوم (جامی) اپنے قافلے سمیت صحرا میں داخل ہوئے اور مدینۃ النبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا رُخ کیا۔ راستے میں آنحضرتؐ کے معجزات پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

بانگ رحیل از قافلہ برخاست خیز ای ساربان
رختم بنہ بر راحلہ آہنگ رحلت کن روان

اور اس کا دوسرا مطلع یہ ہے:

یارب مدینہ است این حرم کز خاکش آید بوی جان
یا ساحت باغِ ارم یا عرصۂ روض الجنان (۷۸)

بائیس دن کے بعد یہ قافلہ مدینہ پہنچا اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ مقدسہ کی زیارت سے فارغ ہو کر مکہ معظّمہ روانہ ہو گئے۔ دس دن کے سفر کے بعد ذوالحجہ کے اوائل میں یہ لوگ مکّہ پہنچ گئے۔ حرم میں پندرہ دن ٹھہرے، حج کے پورے مناسک اور لوازم ادا کیے اور دوبارہ مدینہ چلے آئے۔ روضۂ نبوی کی مکرر زیارت کے خیال میں یہ غزل لکھی۔

به کعبه رفتم و زآنجا هوای کوی تو کردم
جمال کعبه تماشا به یاد روی تو کردم (۷۹)

روضۂ نبوی کی زیارت کے بعد آپ شام روانہ ہو گئے اور دمشق میں پینتالیس روز قیام کیا۔ وہاں قاضی محمد خیضری (۸۰) سے ملاقاتیں رہیں جو اس علاقہ کے قاضی القضات اور محدث روزگار تھے۔ حدیث میں وہ نہایت عمدہ سند رکھتے تھے۔ حضرت جامی نے ان سے احادیث سنیں اور سندِ حدیث حاصل کی۔ جتنے روز جامی وہاں مقیم رہے جناب قاضی نے وہ مہمان نوازی کی کہ باید و شاید۔ وہاں سے جامی حلب روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو سادات، ائمہ اور قضات نے مختلف تحائف پیش کیے۔ ادھر قیصر روم کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ جامی خراسان سے حجاز آئے ہوئے ہیں تو اس نے حضرت جامی کے دیرینہ خادم اور اُن کے آستانہ کے حاضر باش خواجہ عطاء اللہ قرمانی کو اپنے خواص اور پانچ ہزار اشرفی نقد اور ایک لاکھ اشرفی کے وعدے کے ساتھ جامی کی خدمت میں روانہ کیا اور ان سے بڑی نیازمندی سے التماس کی کہ آنجناب چند روز مملکت روم پر بھی اپنا سایۂ التفات ڈالیں اور اہلِ روم کو اپنے قدوم شریف سے نوازیں۔ اتفاق یہ ہوا کہ اس سے پہلے کہ قیصر روم کے قاصد دمشق پہنچتے، جامی گویا آسمانی الہام کے زیرِ اثر دمشق سے حلب جا چکے تھے۔ جب شاہی قاصد دمشق پہنچے تو جامی کو نہ پا کر بے حد مایوس ہوئے۔ جامی ابھی حلب ہی میں مقیم تھے کہ دمشق سے خبر پہنچی کے قیصرِ روم کے آدمی انھیں لینے آئے ہیں۔ جامی اس خیال سے کہ کہیں وہ لوگ حلب پہنچ کر اور منّت وزاری کر کے انھیں ساتھ نہ لے جائیں، حلب میں مزیدرُ کے بغیر تبریز کی جانب روانہ ہو گئے۔ راستے میں چونکہ رومی اور آذربایجانی فوجوں کی لڑائی کے سبب انقلاب و اضطراب کی کیفیت تھی، اس لیے وہاں کے ترکمان حکمران محمد بیگ نے، جسے حسن بیگ سے بھی قرابت داری تھی، اس حسنِ عقیدت اور کمال اخلاص کی بناء پر جو اُسے حضرت جامی سے تھا، تین سو سواروں کا دستہ اپنے اقربا اور درباریوں سمیت ان کے قافلے کے ساتھ روانہ کیا جو انھیں کردستان اور دیگر

خطرناک مقامات سے بحفاظت گذار کر تبریز پہنچا آیا۔ (جب مولانا جامی تبریز پہنچے) تو حسن بیگ کے قریبی ندماء قاضی حسن، مولانا ابوبکر تہرانی اور درویش قاسم شقاول نے شہر کے دوسرے امراء اور عمائدین کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور انھیں نہایت عزت واحترام کے ساتھ مختلف خوبصورت مقامات سے گذار کر شہر لائے۔ مولانا نے حسن بیگ سے ملاقات کی۔ وہ بھی بڑے ادب سے پیش آیا اور شاہی تحائف نذر کیے۔ اس نے بڑی نیازمندی سے مولانا سے (مزید) قیام کی درخواست کی۔ مگر وہ اپنی معمر والدہ کی خدمت کا بہانہ بنا کر خراسان روانہ ہو گئے۔

حضرت جامی جب ہرات پہنچے تو میرزا سلطان حسین مرو میں تھا۔ اسے حضرت کی واپسی کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے چند خاص معتمدوں کو تحائف دے کر حضرت کی خدمت میں روانہ کیا اور ساتھ ایک مکتوب بھی دیا جس سے شاہ کا وفورِ اخلاص و نیاز ٹپکتا ہے۔ اس نے اپنا مکتوب اس شعر سے شروع کیا:

اھلا بمقدمک الشریف فانہ

فرح القلوب و نزھة الارواح"

میر علی شیر نے خمسۃ المتحیرین میں جامی کی ہرات واپسی اور سلطان اور جامی کے مابین ہونے والی رباعی کے تبادلے کا ذکر یوں کیا ہے:

"جب حضرت جامی سفرِ مکہ سے واپس آئے تو سلطان بلخ میں تھا۔ اس نے تہنیت نامہ دے کر ایک قاصد اُن کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ ان کی سلامتی کی خبر لائے۔ ساتھ یہ رباعی لکھی:

انصاف بدہ ای فلک مینا فام　　تا زین دو کدام خوبتر کرد خرام
خورشید جہانتاب تو از جانب صبح　　یا ماہ جہانگرد من از جانب شام (۸۱)

جامی نے اس رقعہ کے جواب میں تفصیلی خط لکھا اور یہ رباعی مرقوم فرمائی:

با کلک تو گفت نامہ کای گاہ خرام　　صد تحفہ خوش بہ روم آوردہ ز شام
گر پای تو درمیان نباشد، نرسد　　مہجوران را ز جانب دوست پیام"

ہم یہاں جامی کی ایک غزل نقل کر رہے ہیں جو بظاہر انھوں نے سفرِ حجاز سے واپسی پر لکھی تھی: (۸۲)

لِلّٰہ الحمد کہ بعد از سفر دور و دراز — می کنم بار دگر دیدہ بہ دیدار تو باز
مژہ برہم زنم پیش تو آری زخوش است — کہ تو را چہرہ بود باز و مرا دیدہ فراز

... ...

جامی از شوق مقام تو نوائی کہ زند — بہر عشاق رہ راست بود سوی حجاز

باب سوم

جامی کے خصائل وفضائل

جامی کے خصائل وفضائل

جامی کی اپنی کتب اوران کے حالات پر دوسرے مورّخین کی تحریریں پڑھنے سے جامی کے وہ اوصاف اور خصائل قاری پر نمایاں ہو جاتے ہیں جن کی بدولت ان کی تحریریں فارسی ادب کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے زندہ ہوگئیں اوران ہی اعلیٰ صفات کی برکت سے ان کا نامِ نامی مشرق و مغرب میں گونج رہا ہے۔

جامی کے ان خصائل پر بحث کرنا درحقیقت ان کی روحانی زندگی کی تاریخ رقم کرنے کے مترادف ہےاورایک محقق بہرحال ایسی تاریخ کو مادّی زندگی کی تاریخ پرفوقیت دیتا ہے۔ محققین کو نہ صرف بڑے غوروخوض سے ان صفات کا مطالعہ کرنا چاہیے بلکہ ان سے کامیابی کا راز بھی تلاش کرنا چاہیے۔ ہمارے نوجوان طلبہ پر لازم ہے کہ وہ اس معمر دانشور کے اخلاقِ حسنہ کواپنے سفرِ زندگی میں مشعلِ راہ بنائیں۔ یہ اسی اخلاق اور خوبیوں کا کرشمہ تھا کہ خراسان کے دوراُفتادہ گاؤں سے ایک گمنام لڑکا اٹھااور شہرۂ آفاق ہوگیا۔ پھراُن کی رفعتِ مقام یہ تھی کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ بھی ان سے کسبِ فیض وبرکت کے لیےان کا دامن پکڑتے۔

یہاں ہمارا موضوع مولانا جامی کی عادات واطوار پر تحقیق کرنا ہے۔خواہ یہ عادات فطری تھیں خواہ کسبی،لیکن جامی کی تحریروں پران کے اثرات بہرحال موجود ہیں۔

علم حاصل کرنے کا ملکہ

جامی کی تصانیف کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ان کی نمایاں خوبی علم ودانش حاصل کرنے کا شوق ہے جواُن کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، وہ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک ہمیشہ ایک طالبِ علم کی طرح تعلیم وتعلّم میں مصروف رہے۔انھوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی اکتسابِ علم سے غفلت نہیں برتی۔ (۸۳) ان کی شخصیت ایسے لوگوں کے لیے نمونۂ تقلید ہے جوعلم ومعرفت کے حصول کے لیے میدانِ عمل میں قدم رکھتے ہیں۔

ذاتی استعداد، غیر معمولی قوتِ حافظہ، فطانت اور ذکاوت ایسے اوصاف راہِ علم میں جامی کے ہم گام تھے جو معارف وعلوم وفضائل کی تمام منازل طے کرنے میں ان کے معاون واقع ہوئے۔ جامی کے شاگردوں اور ارادت مندوں کا ان فضائل کی بدولت یہ عقیدہ تھا کہ جامی صاحبِ ''نفس قدسی'' ہیں۔ حصولِ علم میں ثابت قدمی، پابندی اور نظم وضبط بنیادی شرائط ہوتی ہیں جو مولانا جامی میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ مولانا عبدالغفور لاری اپنے استاد کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''حضرت (جامی) ہجومِ عشق اور شعر وشاعری سے شغل کے دوران بھی علم و معارف کا اکتساب کرتے رہے ہیں۔ مطالعہ کی عادت، قوت مباحثہ اور اپنے ہم سبقوں اور ہم درسوں، بلکہ اساتذہ پر اُن کی سبقت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ان کی چھٹیاں بڑی آسودگی سے گذرتیں، اور دیگر افکار میں ڈوبے رہتے۔ وہ فرماتے کہ ہم جس حال میں بھی ہوتے ہیں، کچھ نہ کچھ غور وفکر کرتے رہتے ہیں۔ البتہ پڑھائی کے دنوں میں جب سبق لینا ہوتا تو اکثر یوں ہوتا کہ کسی ہم سبق سے کتاب لے کر پڑھ لی اور درس میں جا پہنچے اور (لطف کی بات یہ ہے) آپ ہی سب پر غالب رہتے۔

گو ان کی تحصیل علم کی مجموعی مدت بہت کم رہی ہے لیکن ان کی دانشمندی اور اصول وفروع کے حقیقی ورسمی علوم میں ان کا تبحر کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ عمر کے آخری تیس سال تعلیم وتعلّم کا سلسلہ ترک رکھا لیکن تعلیمی موضوع پر جب بھی بات چل نکلتی تو وہ اس کے جواب کے لیے تیار ہوتے اور اس طرح تشریح وتوضیح کرتے کہ گمان ہوتا یہ کام مرتبۂ انسانی سے باہر ہے۔

ماوراء النہر کے ایک عالم کو علم ہیئت میں کوئی مشکل مسئلہ درپیش تھا، حالانکہ ان کی شہرت خود اسی علم میں تھی اور وہ اس میں مہارت تامہ رکھتے تھے، لیکن مدتوں اس گتھی کو سلجھا نہ سکے۔ اتفاق سے اس کی ملاقات حضرت جامی سے ہو گئی۔ ان سے استفسار کیا۔ حضرت نے جھٹ ان کا شبہہ دور کر دیا۔ اس عالم کا کہنا ہے کہ اس روز مجھے معلوم ہوا کہ ان میں ''نفسِ قدسی'' موجود ہے۔''(۸۴)

لاری آگے چل کر لکھتے ہیں:

''حضرت نے جس کتاب کا مطالعہ کیا ہوتا صرف اسی کی طرف رجوع کرتے اور بحکم العلم نقطة کثرها الجاهلون (۸۵) (علم صرف ایک نقطہ ہے، جاہلوں نے اسے پھیلا یا ہے) پہلے حقیقی مقصود کو دوسرے کے ذہن میں منتقل کرتے۔ انھیں جو مسئلہ بھی پیش آتا جب تک اس کی پوری تحقیق نہ کر لیتے اور اطمینان نہ ہو جاتا کسی دوسرے مسئلے کو ہاتھ نہ لگاتے۔ وہ فرمایا کرتے: جب تک ایک بات قطعی اور حتمی نہیں ہو جاتی، ہم اسے آگے نقل نہیں کر سکتے۔'' (۸۶)

مولانا کی فطرت میں مطالعہ کا شوق اس قدر راسخ تھا کہ اکثر انھوں نے اپنی مثنویات اور منظومات میں اپنے صاحبزادے اور قارئین کو بھی مفید کتابیں پڑھنے کی نصیحت کی ہے۔ ان کی یہ رُباعی ملاحظہ ہو:

خوشتر ز کتاب در جہان یاری نیست	در غمکدۂ زمانہ غمخواری نیست
ہر لحظہ ازو بہ گوشۂ تنہائی	صد راحت ہست و ہر گز آزاری نیست (۸۷)

مثنوی یوسف وزلیخا میں کہتے ہیں:

بکن زین کارخانہ در کتب روی	خیالِ خویش را دہ با کتب خوی
ز دانایان بود این نکتہ مشہور	کہ دانش در کتب، داناست در گور
انیس کنج تنہائی کتاب ست	فروغ صبح دانائی کتاب ست
بود بی مزد و منّت اوستادی	ز دانش بخشدت ہر دم گشادی
ندیمی، مغزداری، پوست پوشی	بہ سرّ کار گویایی خموشی
درونش ہمچو غنچہ از ورق پر	بہ قیمت ہر ورق زان یک طبق دُر
عماری کردہ از رنگ ادیم است	دو صد گل پیرہن دروی مقیم است
ہمہ مشکین عذاران توی بر توی	ز بس رقت نہادہ روی بر روی
زیکرنگی ہمہ روی و ہمہ پشت	گر ایشان را زند کس برلب انگشت
بہ تقریر لطایف لب گشایند	ہزاران گوہر معنی نمایند
گہی اسرار قرآن باز گویند	گہ از قول پیمبر راز گویند

گہی باشند چون صافی درونان | بہ انوار حقایق رہ نمونان
گہی آرند در طیّ عبارات | بہ حکمت ہای یونانی اشارات
گہی از رفتگان تاریخ خوانند | گہ از آیندہ اخبارت رسانند
گہی ریزندت از دریای اشعار | بہ جَیبِ عقل گوہر ہای اسرار
بہ ہر یک زین مقاصد چون نہی گوش | مکن از مقصد اصلی فراموش (۸۸)

مثنوی **تحفۃ الاحرار** میں جامی نے علم حاصل کرنے کی فضیلت یوں بیان کی ہے:

تاج سر جملہ ہنر ہاست علم | قفل گشای ہمہ در ہاست علم
در طلب علم کمر چست کن | دست ز اشغال دگر سست کن
با تو پس از علم چگویم سخن | علم چو آید بہ تو گوید چہ کن
علم کثیر آمد و عمرت قصیر | آنچہ ضروریست بدان شغل گیر
ہر چہ ضروری است چو حاصل کنی | بہ کہ عمارت گری دل کنی (۸۹)

وارستگی اور تجرّد

جامی کی ایک اور نمایاں خصوصیت اس مادّی دنیا یا دنیاوی مادّیات سے قطع تعلق ہے۔ درویشی کی جو بھی جامع تعریف ہوسکتی ہے وہ اپنے تمام تر مفہوم کے ساتھ مولانا کی فطرت میں موجود تھی۔ یہ جوہر تواضع، فروتنی، ترک ریا، مذمتِ نفس اور خلوصِ عقیدت کی صورت میں ان کی حرکات وسکنات اور اقوال وافعال میں جلوہ گر رہا۔ انھوں نے کبھی پیر و مرشد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ حالانکہ وہ ہمیشہ اذکار و ریاضت میں مشغول رہتے لیکن زندگی کے ضروری امور سے بھی کبھی غافل نہیں رہے۔

شریعت کے تقاضوں کو وہ مکمل طور پر پورا کرتے۔ ان میں وہ صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں جن کی تلقین مشائخ اپنی تعلیمات میں ہمیشہ اپنے پیروکاروں کو کیا کرتے ہیں۔ ان اعلیٰ صفات سے مزیّن ہونے کے باوجود انھوں نے کبھی ریاکاری نہیں کی۔ مولانا لاری ان کے فضائل واوصاف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت جامی علیہ الرحمۃ والرضوان کا کوئی لمحہ بھی باطنی اشغال سے خالی نہ گذرتا وہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (ایسے لوگ جنھیں نہ

تجارت غفلت میں ڈال دیتی ہے نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد سے روکتی ہے۔ سورۃ نور: ۳۷) کی مجسّم تصویر تھے۔ ان کا ظاہر خَلق اور باطن حق سبحانہٗ کے ساتھ رہتا، حوادث روزگار اُن پر اثر انداز نہ ہوسکے۔ مختلف لوگ ان کی مجلس شریف میں فتنہ انگیز باتیں کرتے لیکن وہ انھیں درخور اعتنا نہ سمجھتے۔ اگر کبھی انھوں نے کسی ایسی بات پر توجہ دی تو وہ بجلی کی کوند کی طرح گذر جاتی۔ وہ فرماتے کہ طریقۂ خواجگان کا حسن یہ ہے کہ ہر مقام پر ہر کسی کے ساتھ برتاؤ کیا جاسکتا ہے:

سر رشتۂ دولت ای برادر بہ کف آر — وین عمر گرامی بہ خسارت مگذار
دائم ہمہ جا، با ہمہ کس، در ہمہ کار — می دار نہفتہ چشم دل جانب یار

......صوفیہ (نقشبندیہ) کا اخلاق ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ مشتبہ شے سے اجتناب کرتے۔ اگر سلاطین و حکام کے دستر خوان پر کوئی مشکوک چیز موجود ہوتی تو اکثر اوقات ان (جامی) کے لیے دوسرا کھانا منگوایا جاتا۔ ورنہ وہ بقدر ضرورت کھانا کھا کر ہاتھ کھینچ لیتے اور ساتھ ہی فرماتے کہ جب کبھی ایسا امر واقع ہوتا ہے تو طبیعت چند روز تک مکدر رہتی ہے۔ ان کی اپنی مجلس میں بھی ایسا ہی ہوتا کہ اگر کوئی چیز اس نوعیت کی ہوتی تو اکثر اوقات خود اُن کے لیے دوسرا کھانا لایا جاتا مگر اس طرح کہ اہلِ مجلس کو پتا نہ چلتا اور وہ بدگمان نہ ہوتے...

ان کا معمول یہ تھا کہ نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد وہ ایک ساعت جماعت کے ساتھ بیٹھتے، جب مجلس سے اٹھتے تو ایک ساعت سلسلہ (نقشبندیہ) کے اشغال میں مصروف رہتے اور فرماتے کہ سونے سے پہلے یہ اشغال بہت اہم ہیں تاکہ ان کی برکت تمام رات رہے۔ اشغال سے فارغ ہوتے تو آرام فرماتے۔ شروع شروع میں تو وہ بہت کم آرام کرتے، جب بیدار ہوتے تو نماز اور صبح تک مراقبے میں مشغول رہتے۔ لیکن آخری عمر میں رات کے تیسرے پہر میں ضرور بیدار رہتے اور نماز و مراقبے میں مشغول ہو جاتے اور فرماتے کہ صبح کے اذکار و اشغال کی برکت سارا دن رہتی ہے۔ نمازِ فجر کے لیے وہ دوبارہ وضو کرتے۔ نماز سے فارغ ہوتے تو مراقبے میں چلے جاتے یہاں تک سورج طلوع ہو کر ایک

نیزے تک آجاتا۔ دن کے باقی اوقات وہ مراقبہ، تصنیف وتألیف اور مطالعہ میں گذارتے...

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اور مخلوق کی تعظیم کے لیے حضرت کے بیٹھنے کا انداز تشہد کی صورت میں تھا۔ ان کی کوشش ہوتی کہ قبلہ رُو ہو کر بیٹھیں۔ زیادہ تر وہ زمین پر بیٹھتے اور کھلے بازوؤں والی قبا پہنتے...لباس کی زیبائش میں وہ منفرد تھے، لباس جیسا بھی پہنتے وہ دلکش ہوتا۔ کبھی قبا پہنتے، کبھی جبّہ، کبھی سر پر عمامہ رکھتے اور کبھی کچھ نہیں...

حضرت کی صحبت کی ایک خاصیت یہ تھی کہ جو بھی اُن کی صحبت میں جاتا اُسے خواہ کس قدر انقباض وملال ہوتا، وہاں پہنچ کر رَفع ہو جاتا اور وہ انبساط اور خوشی کی حالت میں تبدیل ہو جاتا۔ جو کوئی بھی ان کی خدمت میں آتا، خواہ ادنیٰ، خواہ اعلیٰ، مولانا بیٹھے رہتے اور اس بات کا انتظار کرتے کہ پہلے وہ شخص اٹھے (پھر وہ خود اُٹھتے)۔ اس عادت پر قائم رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بعض امراض کا شکار ہو گئے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی کہ مجلس میں نیچے بیٹھیں اور جہاں تک ممکن ہوتا، اپنے آستانے پر بیٹھتے اور کھانے میں حقیر ترین لوگوں کے ساتھ شریک ہوتے۔ کھانے پینے میں وہ کسی قسم کا کوئی تکلّف نہ برتتے، بلکہ بے تکلّف کھانوں سے رغبت رکھتے...

جس کام میں ریا کا شائبہ ہوتا وہ حضرت سے سرزد نہ ہوتا۔ اگر کسی کو دنیاوی امور میں حاجت مند پاتے، البتہ ایسی ضرورت جو محض ہوائے نفس کی وجہ سے نہ ہو تو اُسے چپکے سے پورا کر دیتے۔ لیکن مگر وہ ضرورت نفسانی ہوتی تو قطعی توجہ نہ دیتے۔ وہ ریا کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دیتے۔ لوگ ان کے معتقد ہوں یا منکر، انھیں اس سے بالکل غرض نہیں تھی اور نہ لوگوں کی محض توجہ حاصل کرنے کے لیے ریا کی اجازت دیتے۔ حضرت کے زیرِ کفالت افراد کی دنیاوی ضروریات سے جو بچ جاتا اُسے بھلائی کے کاموں پر خرچ کر دیتے۔ انھوں نے ہرات میں اندرونِ شہر ایک مدرسہ تعمیر کروایا۔ خیابان (۹۰) میں مدرسہ اور خانقاہ اور جام میں جامع

مسجد بنوائی۔ مدرسۂ خیابان، جو کہ حضرت کے مزار کے قریب ہی واقع ہے، اکثر املاک اس کے لیے وقف ہیں...

حضرت جامی علیہ الرحمۃ والرضوان محافل میں بہت کم باتیں کرتے، بلکہ فرماتے، دوستو! تم ہی کوئی بات کرو، ہمارے پاس خود کہنے کے لیے کچھ نہیں۔ چنانچہ احباب باتیں شروع کرتے، تب حضرت بھی بیچ میں کوئی بات کہہ دیتے۔ کبھی کبھار خوش طبعی بھی فرماتے۔ ایک رات کہنے لگے کہ ''جو دوست واحباب بھی مل بیٹھتے ہیں انھیں آپس میں گھل مل جانا چاہیے اور اپنی خوشی اور لذّت کو باہم بانٹنا چاہیے...

خلوت میں ان کی زبان پر صوفیہ کا ذکر اور حقائق و معارف بہت جاری رہتے۔ ایسے لوگ جو طریقۂ تصوّف سے باہر ہوتے، ہر چند وہ صاحبِ فضل وکمال ہوتے مگر اُن کے سامنے اس قسم کی باتیں زبان پر نہ لاتے:

رباعی

جامی غم دوست را بہ عالم ندہی باہر کہ نہ اوست شرح این غم ندہی
مرغ غم او بہ حیلہ شد با ما رام خاموش کہ مرغ رام را رم ندہی (۹۱)

عزتِ نفس اور استغنا

مولانا جامی کی دوسری اہم صفاتِ حسنہ، استغنا، عزتِ نفس اور طمع وحرص سے اجتناب ہیں۔ انھوں نے خود کو کبھی دوسروں کا محتاج نہیں بنایا۔ یہ صفات نہ صرف ان کے اشعار وگفتار سے مترشح ہیں بلکہ ان کے سوانح نگاروں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً

علی بن حسین کاشفی رشحات میں لکھتے ہیں:

''اوائل زندگی میں ایک دن مولانا شیخ حسین، (۹۲) مولانا داؤد، (۹۳) مولانا معین (۹۴) جو باہم بیٹھ کر علمی بحث کیا کرتے تھے، وظیفہ حاصل کرنے کے لیے اکٹھے شاہرخ کے بعض امرا کے ہاں جا رہے تھے کہ جامی کو بھی بازو سے پکڑ کر زبردستی ہمراہ لے گئے۔ امیر کے دروازے پر کچھ دیر انتظار کیا (پھر کہیں شرف باریابی ملا)۔ ملاقات کے بعد جب یہ لوگ باہر نکلے تو جامی نے فرمایا: ''اس دفعہ تو

آپ کے ساتھ آ گیا، آئندہ میں ایسا نہیں کر سکوں گا۔'' چنانچہ اس کے بعد وہ کبھی اہلِ جاہ وارباب دنیا کے دروازے پر نہیں گئے، بلکہ ہمیشہ فقر و فاقہ میں بھی صبر اور قناعت سے کام لیا۔ شیخ نظامی قدس سرہٗ کے یہ اشعار اُن پر کس قدر صادق آتے ہیں:

چون بہ عہدِ جوانی از برِ تو — بہ در کس نرفتم از درِ تو

ہمہ را بر درم فرستادی — من نمی خواستم تو می دادی

جامی فرمایا کرتے کہ ہم نے جوانی میں کبھی خود کو ہرگز ذلیل وخوار نہیں کیا، جیسا کہ ہرات اور سمرقند کے اکثر فضلا وعلما، قاضی روم اور مولانا خواجہ علی سمرقندی کے ہمرکاب پیدل چلتے تھے۔ ہم نے کبھی ایسے لوگوں کا ساتھ نہیں دیا اور نہ مدرّسین کی عادت کے مطابق امرا کے دروازے پر گئے ہیں۔ اسی لیے ہمارے وظیفہ کے حصول میں مشکلات پائی جاتی تھیں۔''(۹۵)

ہم یہاں کلامِ جامی سے چند اشعار نقل کر رہے ہیں جو اُن کی شرافتِ نفس اور خودداری کا پتا دیتے ہیں۔ **خردنامۂ اسکندری** میں وہ کہتے ہیں:

طلب را نمی گویم انکار کن — طلب کن ولیکن بہ ہنجار کن

بہ مردار جویی چو کرکس مباش — گرفتار ہر ناکس و کس مباش

پی لقمہ چون سگ تملق مکن — بہ فتراک دو نان تعلق مکن

رھان گردن از بار غل طمع — فشان دامن از خار ذل طمع(۹۶)

انسانی روحانی شرافت اور اس کے مقام کی عظمت پر مولانا نے **مثنوی سبحۃ الابرار** میں انسان کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے:

ای گل تازہ کہ از باغ الست — بہ جہان آمدہ ای دست بدست

پردۂ سبز فلک غنچۂ تست — باشد این جامہ بہ قدش زتو چست

باغبان گرچہ کند غنچہ ہوس — قصد او جلوۂ گل باشد و بس

گل تویی زین چمن و غیر تو خار — شیوۂ خار پرستی بگذار

گلبن اندر رہت از خار درشت — کہ بہ کف زر کشد و گاہ بہ مشت

غنچہ مشتی است ز زرگل چو کفی | پی ایثار تو از ہر طرفی
چشم نرگس بہ تماشای تو باز | نای بلبل ز نوای تو بساز
یاسمن بزم ترا نخلخہ سای | نارون فرق ترا چتر گشای
سبزہ در آرزوی مفرشی ات | باد خرسند بہ محمل کشی ات
محملت راست بہ ہر پیش و پسی | لالہ از بانگ فتادہ جرسی
آینہ روی ترا آب زلال | شانہ کش موی ترا باد شمال
طرفہ حالی کہ ز خیل تو ہمہ | وندرین بزم طفیل تو ہمہ
تو ز حال ہمہ پوشیدہ نظر | گشتہ مشغوف دو سہ خردۂ زر
می زند بر محک آگہیت | گونۂ زرد زر دھد ہیت
بس بود وجہ تو این زردی روی | سرخ رویي ز زر خواجہ مجوی
چون بنفشہ قد خود ساختہ خم | گر سر افکندہ نشینی و دژم
بہ کہ افتی چو گل از خندہ بہ پشت | غافل از سرزنش خار درشت
دست خالی ز درم یا دینار | گر سر افراز شوی ہمچو چنار
بہ کہ با خار و خس آیی ہمسر | مشت چون غنچہ پر از خردۂ زر (۹۷)

وہ اپنے ایک قصیدہ ''لجۃ الاسرار'' میں استغنا اور علو ہمتی کے بارے میں کہتے ہیں:

لب نیالایند اہل ہمت از خوان خسان | در خور دندان انجم گردۂ ماہ و خور است
طامعان از بہر طعمہ پیش ہر خس سر نہند | قانعان را خندہ بر شاہ و وزیر کشور است
ماکیان از بہر دانہ می برد سر زیر کاہ | قہقہہ بر کوہ و بر در شیوۂ کبک دراست (۹۸)

جامی اپنے ایک قطعہ میں ناممکنات کا ذکر کرتے ہوئے اسی استغنا کے بارے میں کہتے ہیں:

بہ دندان رخنہ در پولاد کردن | بہ ناخن راہ در خارا بریدن
فرو رفتن بہ آتش دان نگونسار | بہ پلک دیدہ آتشپارہ چیدن
بہ فرق سر نہادن صد شتر بار | ز مشرق جانب مغرب دویدن
بسی بر جامی آسان تر نماید | کہ بار منّت دونان کشیدن (۹۹)

ممکن ہے کوئی عیب جُو نقّاد مولانا جامی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے یہ کہے کہ انھوں نے اپنی ان تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں، شرافت طبع، عزت نفس اور استغنا کے باوجود بادشاہانِ وقت کی مدح میں قلم کیوں اٹھایا اور قصیدہ گو شعرا کی طرح، جن کا مقصد صلے میں سیم وزر کے چند سکے حاصل کرنا ہوتا ہے، قصیدے کیوں لکھے؟

اِس اعتراض کے جواب میں ہم لیڈرا یونیورسٹی کے پروفیسر اگسٹ بریکٹو (Auguste Bricteus) کے اس نظریے کو دُہرائیں گے جو انھوں نے جامی کی مثنوی سلامان وابسال کے فرانسیسی ترجمہ (مطبوعہ پیرس، ۱۹۱۱ء) کے مقدمہ میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"اپنے ممدوحین کی شان میں بڑی آب وتاب سے قصائد لکھنے پر جو لوگ جامی پر اعتراض اٹھاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ انھیں بھی یہ ماننا پڑے گا کہ اس قسم کے اشعار میں شاعر کو شاعری محض بطور فن اور ہنر پیش کرنا مقصود رہا ہے۔ دراصل مشرق کے شاعروں کا المیہ یہ رہا ہے کہ وہ حالیہ دَور تک یورپ کے ادبا کی طرح قلم کی کمائی سے، جسے اب قانونی نام "رائلٹی" دے دیا گیا ہے، اپنے معاشی مسائل حل نہیں کر سکے۔ لہٰذا اُس عہد میں لکھنے والوں کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ اپنی تحریروں میں امرا اور سلاطین کا نام عزت واحترام سے لیں تاکہ ان کے خوانِ کرم سے کچھ صلہ پا سکیں۔ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ کسی جابر بادشاہ کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کے لیے اپنے قلم سے مدد لیں۔ بے شک عہد حاضر کے لکھنے والوں کی نسبت اُن کا کام آسان تھا، کیونکہ انھیں تو اپنے مدح سرا قلم سے ایک ایسے اہرمن کو متوجہ کرنا ہوتا ہے جس کے سَو سر ہیں اور اسے "عوام" کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ قدیم شعرا وادبا صرف ایک بار کسی امیر کی خدمت میں قصیدہ پیش کر کے اتنا کچھ حاصل کر لیتے تھے کہ بقیہ عمر میں بڑی فراغت اور آزادی کے ساتھ اپنے لطیف افکار اپنی دوسری تصانیف میں سمو سکتے تھے۔"

نقادوں کے اس اعتراض کا مسکت جواب خود جامی نے بھی اپنے تیسرے دیوان کے ایک قطعہ میں دے دیا ہے:

هست دیوان شعر من اکثر غزل عاشقان شیدایی
با فنون نصائح است و حِکَم منبعث از شعور دانایی
ذکر دونان نیابی اندر دی کان بود نقد عمر فرسایی
مدح شاهان در او به استدعاست نه ز خوش خاطری و خود رایی
امتحان را اگر ز سر تا پاش بر روی صد ره و فرود آیی
زان مدائح به خاطرت نرسد معنی حرص و آز پیمایی
هیچ جا نبود آن مدائح را در عقب قطعهٔ تقاضایی (۱۰۰)

سادگی اور درویشی

جامی اپنے تمام تر ظاہری و باطنی جاہ وجلال اور معاصر سلاطین و اکابر کی طرف سے احترام پانے کے باوجود بے حد سادہ اور بے تکلّف زندگی بسر کرتے تھے، جیسے ان کا وجود درویشی اور فقر میں فنا ہو چکا ہو اور اُن کی ہستی حقائق وفضائل میں محو ہوگئی ہو۔ وہ روحانی فضائل حاصل کرنے میں اس قدر مستغرق اور مصروف تھے کہ انھیں مادّی لذتیں محسوس کرنے اور عیش کوشی کی فرصت ہی نہ تھی۔

عبدالغفور لاری نے مولانا کی روزمرّہ زندگی کے بارے میں ایک باب تحریر کیا ہے جس میں وہ ان کے عام چال چلن کا بطور اجمال ذکر کرتے ہیں۔ اس باب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اپنا بیشتر وقت مفید کاموں، ذکر، توجہ اور تہذیب نفس وتزکیۂ باطن کے لیے صوفیہ کے طریقے کے مطابق مراقبے میں گذارتے۔ اپنے وقت کا ایک حصہ وہ عوام کی تربیت اور خدمتِ خلق پر صَرف کرتے۔ بے شک ایسی زندگی ہر طالبِ علم اور سالک کے لیے مکمل نمونہ ہے۔ لاری لکھتے ہیں:

”زیادہ تر وہ زمین پر بیٹھتے اور کھلے بازوؤں والی قبا پہنتے۔ لباس کی زیبائش میں وہ منفرد تھے۔ لباس جیسا بھی ہوتا، دلکش ہوتا۔ کبھی قبا پہنتے، کبھی جبّہ، کبھی سر پر عمامہ رکھتے اور کبھی کچھ نہیں۔ ان کی تمام حرکات وسکنات پسندیدہ اور خوش آیند تھیں۔
ان کی گفتگو میں ملاحت کا عنصر غالب ہوتا۔ ان کی زیادہ تر باتیں پُرلطف اور ولولہ انگیز ہوتیں اور اکثر خوش طبعیاں فرماتے۔“ (۱۰۱)

میر علی شیر نوائی خمسۃ المتحیرین میں مولانا کی تواضع اور سادگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''علومِ ظاہری اور شاعری خود پسندی کا تقاضا کرتے ہیں، لیکن حضرت (جامی) یہ اوصاف رکھنے کے باوجود اپنے حلقۂ اصحاب میں اس طرح اٹھتے بیٹھتے، کہتے سنتے، کھاتے پیتے، لباس پہنتے کہ جو لوگ دُور سے ان کی شہرت سُن کر ان کی زیارت کے لیے آتے وہ احباب کے مجمع میں آپ کو اس وقت تک پہچان نہ سکتے جب تک ان کا تعارف نہ کروا دیا جاتا۔''(۱۰۲)

مولانا کی ان صفات کی تائید اور تصدیق خود اُن کی اپنی تحریروں سے بھی ہو جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے قلم سے زہد، تواضع، فقر اور درویشی کی جو دعوت دی ہے وہ قلب کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ جب تک کہنے والے کی راستی اور سچائی کی گرمی، بات میں حرارت پیدا نہ کرے وہ سامع کے دل کو بھی جوش نہیں دلا سکتی۔

مولانا کا یہ رقعہ ملاحظہ فرمایئے جو انھوں نے خواجہ احرار کو تحریر کیا ہے۔ اس کے اختصار و ایجاز سے بھی مولانا کی بے حد تواضع، مہربانی اور ترکِ نفس نمایاں ہے:

''سلام اللہ تعالیٰ و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ علیکم، تحیات مبارکات و دعوات طیّبات منبعث از کمال اخلاص و غایت اختصاص مطالعہ نمودہ شوق و غرام بہ تقبیل انامل شریفہ کہ اشرف مطالب است، تصور فرمودہ نیازمندی این کمینہ را بہ سائر عزیزان بہ تخصیص فلان و فلان برسانند و چون این فقیر از آن حقیر تر است کہ نامش در آنحضرت بردہ آید یا از سلک ملازمان شمردہ شود،

نگویمت کہ سلامم بہ آنجناب رسان   نیاز ذرۂ مسکین بہ آفتاب رسان
ولی درود دو چشمِ رمد رسیدۂ من   بہ خاک مقدم آن شاہ کامیاب رسان

دولت دو جہانی و سعادت جاودانی محصّل باد۔''(۱۰۳)

خیر خواہی اور نیکوکاری

مولانا کی فطرت میں خیر خواہی اور بھلائی کا جو جذبہ موجود تھا، اُس کی بدولت ان کی ذات منبع خیرات و برکات بنی رہتی اور وہ ہمیشہ کمزوروں کا ہاتھ تھامتے۔ مظلوموں کی حمایت اور عاجزوں کی مدد کرتے۔ نیکی، محبت، ایثار نفس، محکوموں پر رحم اور گمراہوں کی دستگیری کی تعلیم نہ صرف ان کی

تحریروں میں ملتی ہے، بلکہ وہ خود بھی ان تمام صفات میں سب کے لیے عملی نمونہ تھے۔ عبدالغفور لاری لکھتے ہیں:

''اگر کسی کو دنیاوی امور میں حاجت مند پاتے، البتہ ایسی ضرورت جو محض ہوائے نفس کی وجہ سے نہ ہو تو اُسے چپکے سے پورا کر دیتے۔ لیکن اگر وہ ضرورت نفسانی ہوتی تو قطعی توجہ نہ دیتے۔ وہ ریا کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دیتے۔ لوگ ان کے معتقد ہوں یا منکر، انھیں اس سے بالکل غرض نہیں تھی اور نہ لوگوں کی محض توجہ حاصل کرنے کے لیے ریا کی اجازت دیتے۔ حضرت کے زیر کفالت افراد کی دنیاوی ضروریات سے جو بچ جاتا اُسے بھلائی کے کاموں پر خرچ کر دیتے۔ انھوں نے ہرات میں اندرونِ شہر ایک مدرسہ تعمیر کروایا۔ خیابان میں مدرسہ اور خانقاہ اور جام میں جامع مسجد بنوائی۔ مدرسۂ خیابان، جو کہ حضرت کے مزار کے قریب ہی واقع ہے، اکثر املاک اس کے لیے وقف ہیں...

ایک دن حضرت کی مجلس میں ذکر ہوا کہ فلاں شخص کہہ رہا تھا کہ میں نے فلاں کام خالصاً ''للہ'' کیا ہے تو آپ نے فرمایا: غالباً وہ شخص ''اخلاص'' کا مفہوم نہیں سمجھتا۔''(۱۰۴)

مولانا کے وہ مکتوبات اور رقعات جو سلاطین، وزرا اور ارکانِ حکومت کے نام ہیں اُن سے بھی یہی مترشح ہے کہ وہ ہمیشہ انھیں خلقِ خدا کی مدد اور ظلم و ستم ترک کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ مثلاً ایک وزیر (۱۰۵) کے نام مولانا کا رُقعہ ملاحظہ ہو جس سے ان کے لہجے کی سچائی اور حسنِ نیت عیاں ہے:

''بعد از عرض اخلاص بہ لسان محبت و اختصاص، معروض آن کہ قربِ سلطان صاحب قدرت و مجال قبول سخن در آنحضرت نعمتی بزرگ است و شکر آن نعمت صرف اوقات و انفاس است بہ مصالح مسلمان و رفع مفاسد ظالمان و عوانان۔ اگر ناگاہ عیاذاً باللہ طبع لطیف را از ممر آن شغل گرانی حاصل آید و خاطر شریف را پریشانی روی نماید تحمل آن گرانی را در کفۂ حسنات وزنی عظیم خواہد بود و مصابرت بر آن پریشانی را در جمعیت اسباب سعادت دخلی تمام۔

راحت و رنج چون بود گذران رنج کش بہر راحت دگران
زان کہ باشد بہ مزرع امید رنج تو تخم راحت جاوید
حق سبحانہٗ وتعالیٰ توفیق دستگیری از پای افتادگان و پایمردی عنان از دست دادگان زیارت گرداناد۔ والسّلام والاکرام۔"(۱۰۶)

اور یہ چند اشعار، جوانھوں نے بادشاہوں سے مخاطب ہو کر لکھے ہیں، ان کے خیر خواہ مزاج کا پتا دیتے ہیں:

ای کہ در تاج و نگین داری روی تابہ کی تاج و نگین خواہد ماند
ملک ہستی ہمہ طی خواہد شد نہ زمان و نہ زمین خواہد ماند
تا توانی بہ جہان نیکی کن کز جہان با تو ہمین خواہد ماند(۱۰۷)

ذوقِ جمالیات اور حبِّ جمال

کتاب مجالس العشاق میں جامی کے بارے میں لکھا ہے:

"بہت کم ایسا ہوا کہ اُن کی مجلس میں اُن کا کوئی منظور نظر موجود نہ ہوتا۔"(۱۰۸)

اس کے بعد جامی کے عشق مجازی کے چند قصے لکھے ہیں اوران کی کچھ غزلیں درج کی ہیں، جسے کسی نہ کسی منظورِ نظر سے منسوب کیا ہے۔

ہر چند کہ جامی کا باطنی دامن، ظاہری آلائشوں سے پاک ہے اور ان کا مقام اس سے بالاتر ہے کہ وہ ہوا و ہوس کی پستی قبول کریں، پھر بھی یہ مسلّم ہے کہ مولانا میں اس قدر ذوقِ جمالیات ضرور موجود تھا کہ جب وہ خوبصورت چہرے اور دلکش بالوں کو دیکھتے تو یہ سلگتا ہوا ذوق شعلۂ جوالہ بن جاتا اور محبوب ہستی کے جمال کے مظاہر اُن کی حسّاس طبع کو تحریک دیتے، جس کے نتیجے میں ان کے قلم سے آگ کے شعلے سے زیادہ جلانے والے آثار اور اشعار تخلیق ہوئے، جو آج بھی ویسے ہی شرر بار ہیں۔ ایسے اشعار کا شمار فارسی زبان کی بہترین غنائی شاعری اور عشق و شیفتگی کے صفِ اوّل کے آثار میں ہوتا ہے۔

مولانا عبدالغفور لاری نے اپنے استاد کے حالاتِ زندگی میں ان کی نفسیات، کیفیات اور قلبی جذبات و واردات پر تفصیلی بحث کی ہے، ایسی بحث جو اپنے موضوع میں بے مثال ہے اور دیگر بزرگوں کی سوانح حیات کا باب اس سے عموماً خالی ہوتا ہے۔ لاری نے اس ضمن میں بڑی

شائستگی سے حقِ ادب ادا کیا ہے اور بڑے لطیف اور عفیف پیرائے میں، مولانا کے احساسات کے تقاضے کے مطابق ان کے عشق، شوق اور وجد پر گفتگو کی ہے اور جا بجا اُن کے قطعات اور رُباعیات سے اپنے مقالے کو مستند بنایا ہے۔ یہاں لاری کا مقالہ مکمل طور پر درج کرنا تو ممکن نہیں البتہ چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں جن کی تازگی اور جدت اب بھی برقرار ہے:

''حضرت جامی ابتدائے حال سے لے کر مرتبۂ کمال تک وجد و عشق سے کبھی بے بہرہ نہیں رہے۔ کششِ عشق اور جذبِ محبت ان پر غالب تھی۔ لیکن اسرارِ عشق چھپانا ان کی فطرت کا خاصا تھا۔ ابتدائے حال میں وہ مجازی محبت یعنی خوبصورت انسانی شکلوں میں گرفتار رہے اور یہ کیفیت ظاہر کرنے سے احتراز کرتے، ان کی عفت اور پاکیزگی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اس کا تصور بھی محال ہے:

آنم کہ بہ ملک عاشقی بی بدلم در شہر وفا بہ پاکبازی مثلم
پاک آمدہ ز آلایش علم و عملم بنہادہ نظر بہ قبلہ گاہ ازلم

اس قسم کے لوگوں کے ہاں مجازی محبت، روحانی فیض کا تصور لے کر کی جاتی ہے نہ کہ نفسانی لذتوں کے خیال سے، انھیں محبت کا درد پانا مقصود ہوتا ہے، خوش گذرانی اور تفریح نہیں۔ جو لوگ نفس و ہوس کے اسیر ہو جاتے ہیں وہ تسکینِ قلب کا سامان شہوانی تقاضے پورے کر کے فراہم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں نفسانی لذت کا نام ''روحانی فیض'' ہے۔ اسے کسی طرح بھی عشق و عاشقی کا نام نہیں دیا جا سکتا:

قومی کہ نیامدند در عشق تمام خوانند ہوای نفس را عشق بہ نام
کی شاید شان در حرم عشق مقام خود ہست بریشان سخن عشق حرام

اس عشق کی علامت جلنا اور گھلنا ہے اور نفسانی لذتوں سے چشم پوشی، کیوں کہ محبوب سے تفریح کا تقاضا اور آسودگی حاصل کرنا محض خواہشِ نفس ہے:

با عشق توام ہوا نماندست و ہوس با آتش سوزندہ چسان ماند خس
خواہد ز تو مقصود دل خود ہمہ کس جامی از تو ہمین تو را خواہد و بس''(۱۰۹)

لاری نے اس عظیم عارف کے عارفانہ حالات میں ایک دلچسپ حکایت بیان کی ہے جو

بڑی پُر معنی ہے اور جامی کے چھپے ہوئے خیالات کو ظاہر کر کے ان کی نفسیاتی عادات اور آداب کا پتا دیتی ہے:

''جامی جب زندگی کے آخری دنوں میں قصۂ یوسف وزلیخا منظوم کرنے میں مشغول تھے تو فرمایا کرتے: ''ہمارا دل ایک ایسی خیالی صورت کی طرف شدت سے مائل ہے، جسے ہم عالمِ وجود میں تصوّر نہیں کرتے۔'' ان دنوں ان پر باطنی حرارت اور تپش کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔ چنانچہ چند دفعہ سماع بھی فرمایا تو وجد وکیف میں دائرے میں گھومتے اور یہ کیفیت بڑی شدت سے طاری ہوتی اور بڑی دیر تک قائم رہتی۔ حتیٰ کہ گانے بجانے والے عاجز آ جاتے، لیکن ان کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ آتی۔ آخر کار جب درد حاصل ہو جاتا تو اپنی اصلی حالت پر لوٹ آتے، حالانکہ اس سے پہلے وہ سماع کے معاملے میں ذرا تردّد سے کام لیا کرتے تھے اور فرماتے: ''جب تک کوئی وارستہ حال نہ ہو اور اپنی موجودہ (طبعی) حالت سے باہر نہ نکلے وہ سماع کیسے کر سکتا ہے؟'' میں (لاری) جب حضرت کے یہ حالات مشاہدہ کرتا تو حیران ہوتا۔ آخر ایک دن فرمانے لگے کہ ہم پر ایک ایسی حالت اور کیفیت طاری ہو گئی تھی جسے سماع کے بغیر دُور نہیں کیا جا سکتا تھا۔''(۱۱۰)

مولانا جامی کی طبع میں موجود اسی جوش وجذبہ اور ذوق وشوق کا نتیجہ تھا کہ ان کی سب سے زیادہ پُرسوز مثنوی **یوسف وزلیخا** تخلیق ہوئی۔ بعید نہیں کہ یہ پُر جوش اشعار عین اُسی حالت میں لکھے گئے ہوں۔ مولانا، اس مثنوی کے شروع میں اپنی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''بحمد اللہ کہ تا بودم در این دیر — بہ راہ عاشقی بودم سبک سیر
چو دایہ مشک من بی نافہ دیدہ — بہ تیغ عاشقی نافم بریدہ
چو مادر بر لبم پستان نہادست — ز خونخواری عشقم شیر دادست
اگرچہ موی من اکنون چو شیر است — ہنوز آن شوق شیرم در ضمیر است
بہ پیری و جوانی نیست چون عشق — دمد بر من دما دم این فسون عشق
کہ جامی چون شدی در عاشقی پیر — سبک روحی کن و در عاشقی میر''(۱۱۱)

خوش مزاجی اور ظرافت طبع

مولانا جامی کی ایک اور خصوصیت، ان کی خوش مزاجی، ظرافت طبع اور خندہ پیشانی ہے۔ چنانچہ ان سے بے شمار لطائف وظرائف منقول ہیں۔ خود ان کی کتب میں بھی مزاح کے نمونے پائے جاتے ہیں جو کھانے میں نمک کی طرح مولانا کے عمیق اور پُر مغز افکار کو شیریں اور دلچسپ بنا دیتے ہیں۔

مولانا فخر الدین علی کاشفی نے **لطائف الطّوایف** میں مختلف طبقوں کی حکایات ولطایف جمع کی ہیں، اس کا ایک باب ''لطایف عارف جام'' کے لیے مختص ہے جس میں مولانا سے متعلق تیس نادر حکایتیں درج ہیں۔ (۱۱۲) ہم وہاں سے چند حکایات نقل کر رہے ہیں جو نہ صرف مولانا کی خوش مزاجی کا مظہر ہیں بلکہ ان کے حالاتِ زندگی، عقائد اور آدابِ زندگی پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔

۱۔ جب جامی اپنے سفر حجاز کے دوران بغداد پہنچے تو پیر جمال عراقی نے اپنے مریدوں سمیت ان کا استقبال کیا۔ وہ بہت بڑے پیر تھے اور عوام وخواص ان کے معتقد تھے۔ پیر جمال اور ان کے تمام مریدوں نے اونٹ کی کھال کا لباس پہنا ہوا تھا۔ جب پیر صاحب کی نظر جامی پر پڑی تو بول اٹھے: ''ہم نے جمالِ الٰہی دیکھا۔'' جامی نے کہا: ''ہم نے بھی جمالِ الٰہی دیکھے۔'' (یعنی خدا کے اونٹ دیکھے۔)

۲۔ میرزا سلطان ابوسعید کے زمانے میں مولانا شیخ حسین ایک خود مختار محتسب تھے، جن کے بارے میں میرزا کہا کرتا کہ وہ میری سلطنت میں شریک ہیں۔ ایک دن مولانا شیخ حسین نے ایک مجوسی کو مسلمان کیا اور اپنی دستار اس کے سر پر رکھ دی اور شاہی خزانے سے اس کے لیے خلعت منگوا کر اسے (گھوڑے پر) سوار کر کے ڈھول، باجے اور تاشے کے ساتھ بازار میں گھمایا۔ جب جامی کے سامنے اس بات کا ذکر ہوا کہ شیخ حسین نے آج ایک مجوسی کو مسلمان بنایا ہے اور اپنی دستار اس کے سر پر رکھ دی ہے تو انھوں نے کہا: ''مولانا ساٹھ سال سے اپنی پگڑی مجوسیوں کے سر پر ہی تو رکھتے چلے آرہے ہیں۔''

۳۔ مرزا بابر کے زمانے میں سمرقند کے ایک فقیہ، جن کا نام مولانا ''مزید'' تھا، ہرات آئے۔ ایک دن مرزا بابر کی مجلس میں جامی اور مولانا مزید دونوں موجود تھے۔ بابر نے مولانا مزید سے پوچھا: ''یزید پر لعنت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''یہ جائز نہیں

ہے کیونکہ وہ اہلِ قبلہ سے تھا۔'' یہی سوال بابر نے جامی سے کیا اور کہا کہ مولانا مزید تو یہ کہتے ہیں، آپ اس بارے میں کیا کہنا چاہیں گے؟ جامی بولے: ''صد لعنت بر یزید و صد دیگر بر مزید'' (سو لعنت یزید پر اور مزید سو مزید پر)۔

۴۔ ایک دن مشہور عالم حافظ غیاث الدین محدث (۱۱۳) بیمار ہو گئے تو مولانا جامی ان کی عیادت کے لیے گئے۔ حافظ صاحب نے تصوّف کے مسائل و معارف چھیڑ دیے۔ چونکہ ان کا علمِ تصوّف کا باقاعدہ مطالعہ نہیں تھا اور اس کی اصطلاحات کے استعمال سے کماحقہٗ آگاہ نہیں تھے، اس لیے کچھ مسائل خلافِ اصطلاح کہہ ڈالے۔ مولانا جامی سب کچھ چپ چاپ سنتے رہے۔ جب وہ حافظ صاحب کے ہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو اس کے بعد جو علما وفضلا بھی حافظ صاحب کی عیادت کے لیے آتے، وہ انھیں بتاتے: ''مولانا عبدالرحمٰن جامی اینجا بود چندان از مسائل غامضہ صوفیہ گفتم و گوش گرفت۔'' (یعنی مولانا عبدالرحمٰن جامی آج یہاں تھے، میں نے تصوّف کے چند گہرے مسائل بیان کیے اور وہ سنتے رہے)۔ جب مولانا جامی کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو فرمایا: ''از آن سخنان کہ او گفتہ، گوش می بایست گرفت۔'' (یعنی انھوں نے جو باتیں کی ہیں ان پر کانوں کو ہاتھ لگانا چاہیے)۔ [دونوں اصحاب نے ''گوش گرفتن'' کا الگ الگ مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ مترجم]

۵۔ میرزا الغ بیگ کے زمانے میں جامی کچھ عرصہ سمرقند میں بھی رہے تھے۔ ان دنوں وہاں موضع کان گل سے ایک نوجوان آیا ہوا تھا، بانکلا چھبیلا، شاعر اور بذلہ گو، ''خاکی'' تخلص کرتا اور اسی نام سے مشہور تھا۔ ایک دن جامی خراسان کے چند شعرا اور ظرفا کی معیت میں خاکی کے سامنے سے گذرے، وہ سمرقند کے چند طلبہ اور ظرفا کو لیے بیٹھا تھا۔ خاکی نے آوازہ کسا: ''کجا می روند خرانِ خراسان؟'' (خراسان کے گدھوں نے کدھر منہ اُٹھایا ہے؟) جامی نے فی البدیہہ جواب دیا: ''خاکی نرم می طلبند کہ برآن غلطند۔'' (نرم مٹی چاہتے ہیں جس پر لوٹ سکیں)۔

۶۔ ایک شاعر نے جامی کو بتایا کہ اس نے دیوان کمال، دیوان حافظ اور صد کلمۂ حضرت علی کا جواب لکھا ہے۔ جامی نے فرمایا: ''خدا کو کیا جواب دو گے؟''

۷۔ ایک مہمل گو شاعر، جامی سے کہنے لگا کہ جب میں خانۂ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوا تو تیمن و تبرک کے طور پر اپنا دیوان حجر اسود سے رگڑا۔ جامی نے کہا: ''اچھا ہوتا اُسے آبِ زم زم سے ملتے۔''

۸۔شہر کے ایک غبی شیخ زادہ نے، جسے شعروشاعری کا بھی دعویٰ تھا، جامی کی غزل:

بس کہ در جان فگار و چشم بیدارم تویی
ہر کہ پیدا می شود از دور، پندارم تویی (۱۱۴)

کی زمین میں ایک غزل لکھ ڈالی۔ جب وہ اپنی غزل مکمل کر چکا تو جامی کی غزل کے مذکورہ مطلع پر اعتراض اٹھایا کہ آپ نے اس مطلع میں فرمایا ہے کہ جو کوئی دُور سے دکھائی دیتا ہے میں سمجھتا ہوں وہ تم ہی ہو، وہ کوئی گدھا یا گائے بھی ہوسکتا ہے۔ مولانا جامی نے جواب دیا: ''پندارم تویی۔'' (چلیے میں سمجھ لوں گا وہ تم ہو)۔

موٹی عقل والا وہ شیخ زادہ اتنا بھی نہیں جانتا تھا کہ جس طرح عربی میں لفظ ''من'' زیادہ تر ذی شعور کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ''ما'' شعور سے عاری چیزوں کے لیے، فارسی میں بھی لفظ ''کہ'' باشعور کے لیے مستعمل ہے اور ''چہ'' بے شعور چیزوں کے لیے۔ پس ''ہر کہ'' سے مراد بنی آدم ہی ہے۔

۹۔مولانا جامی کے ایک دوست مولانا ساغری تھے جن کا جامی کے ہاں بڑا آنا جانا تھا، مگر ان پر کنجوسی کا الزام تھا۔ رمضان کی پہلی کو وہ جامی کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے، چونکہ چاند نظر آنے میں شک پڑ گیا تھا، اس لیے حاکم شرع نے اعلان کروا دیا کہ لوگ وقتِ زوال تک کچھ نہ کھائیں پئیں۔ مولانا ساغری نے صبح کوئی چیز کھالی تو جامی کے ایک مرید کہنے لگے: ''بھول چوک سے کھالیا ہوگا۔'' مولانا جامی نے جواب دیا: ''ہاں اگر اپنے حجرے میں کھایا ہے تو بھول چُوک ہی سے کھایا ہے۔''

۱۰۔مولانا ساغری، شاعر بھی تھے۔ جامی نے ان کی ''شان'' میں یہ قطعہ لکھا (۱۱۵):

ساغری می گفت دزدان معانی بردہ اند ہر کجا در شعر من معنی رنگین دیدہ اند
دیدم اکثر شعرہایش را یکی معنی نداشت راست می گفت آن کہ معنیہاش رادزدیدہ اند

یہ قطعہ مشہور ہو کر مولانا ساغری تک بھی پہنچ گیا۔ وہ جامی کے پاس آئے اور گِلہ کرنے لگے کہ میں آپ کے آستانے کا ایک دیرینہ خادم ہوں، آپ نے ایسا قطعہ لکھا ہے جو سارے شہر میں مشہور ہو چکا ہے، لوگ مجھے ستانے کے لیے وہ قطعہ پڑھتے ہیں اور ہنستے ہیں۔ میں تو اس قطعہ کے ہاتھوں رسوائے عالم ہو گیا۔ جامی نے فرمایا: ''بھئی ہم نے تو اس قطعے میں ''ساغری می گفت''

کہا ہے، اب یہ کاتبوں اور شہر کے منچلوں کی ستم ظریفی ہے کہ انھوں نے تصحیف کر کے ''ساغری می گفت'' بنا دیا۔

۱۱۔ زوبی نامی ایک سادہ لوح شخص ناموزوں الفاظ کو آگے پیچھے کر لیتا اور اسے نظم تصوّر کر کے لکھ لیتا اور جہاں بھی جاتا، پڑھتا۔ ایک دن وہ جامی کے پاس آیا اور ان سے اپنی شاعری کی سند طلب کی۔ ان کی بے حد منت وسماجت کی۔ انھیں بڑوں کا واسطہ تک دیا کہ جیسے تیسے میرے لیے کچھ (تعریفی) الفاظ لکھ دیں، جسے وہ شعرا اور ظرفا کے سامنے پڑھ کر فخر کر سکے۔ جامی نے قلم، دوات اور کاغذ منگوایا اور زوبی کا دل رکھنے کے لیے سرِ محفل یہ رقعہ لکھا:

''خدمت مولانا زوبی فقیران را بہ صحبت خود مشرف ساخت و بہ خواندن اشعار دلپذیر خود بنواخت، پایۂ شعرش از آن بلندتر است کہ در تنگنای وزن و قافیہ گنجد یا کسی تواند کہ آن را بہ میزان طبع سنجد، تجاوز اللہ عنہ و عنی و عن جمیع من تکلم بما لایعنی۔''

(ترجمہ: مولانا زوبی نے ہم فقیروں کو اپنی صحبت سے مشرف کیا اور اپنے خوبصورت اشعار پڑھ کر ہمیں سنائے۔ ان کے اشعار کا مرتبہ اس سے بلندتر ہے کہ وزن اور قافیے کے قالب میں سما سکیں ور کوئی انھیں میزان طبع پر تول سکے۔ خدا اُنھیں، مجھے اور اُن لوگوں کو بخشے جو لایعنی باتیں کرتے ہیں)۔

مولانا جامی کی خوش مزاجی کا اندازہ اِس بات سے لگایئے کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان سے لطائف منسوب کیے جاتے رہے۔ **تذکرۂ کرمی** (۱۱۶) میں اسی قسم کی حکایات موجود ہیں۔ دو دلچسپ واقعات ملاحظہ ہوں:

۱۔ جامی پر نزع کا عالم طاری تھا۔ خراسان کے رند اُن کے سرہانے اکٹھے ہو گئے اور ان کے بچھڑ جانے کے اندیشے سے آہ وفغاں کرنے لگے۔ جب جامی خالقِ حقیقی سے جا ملے تو وہ بار بار مندرجہ ذیل اشعار تصرّف وتحریف کے ساتھ پڑھتے تھے:

از بزم طرب بادہ گساران ہمہ رفتند — ما با کہ نشینیم چو یاران ہمہ رفتند
نی کوہکن بی سر و پا ماند و نہ مجنون — از کوی جنون سلسلہ داران ہمہ رفتند

۲۔ جامی پر نزع کا وقت طاری تھا۔ اُن کے سرہانے بھدی آواز والے چند حفّاظ سورۂ

یٰس پڑھ کر اُنھیں عذاب میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔ چند آیات جیسے تیسے جامی نے سن لیں، آخر اُن سے رہا نہ گیا اور آنکھیں کھول کر اُن سے کہا: ''ہائے اب بس بھی کرو کہ میں مر چکا۔''

جامی کی تصانیف میں بھی ان کے مزاج کی شگفتگی برابر موجود ہے۔ **مثنوی سلسلۃ الذہب** ان کی خالص علمی اور عرفانی مثنوی ہے مگر اس میں بھی کئی پُر مزاح حکایات درج ہیں۔ مثلاً وہ مشہور حکایت کہ میں تو کمبل چھوڑتا ہوں مگر کمبل مجھے نہیں چھوڑتا۔ (۱۱۷)

مثنوی **سبحۃ الابرار** کے عقد ۳۲ میں وہ ماتھے پر بَل نہ ڈالنے اور ہمیشہ ہنس مکھ اور شیریں زبان رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ (۱۱۸)

طبع شعر

مولانا جامی کے روحانی کمالات میں سے بالتحقیق ایک کمال ان کا ملکۂ شاعری ہے جس میں اُن کی استادی اور مہارت ایران، ترکستان اور ہند (و پاکستان) کے تمام فارسی زبانوں کے ہاں تسلیم شدہ ہے۔ انھیں ''خاتم الشعرا'' کا لقب دیا گیا ہے کیونکہ خراسان، فارس اور عراق میں قدیم اساتذہ کے اُسلوب پر شعر وشعری کی جو بساط بچھی تھی وہ ان کی موت پر اُلٹ گئی۔ کم از کم ان کی وفات کے بعد سے جو نویں صدی ہجری کی عین شام کو واقع ہوئی، تیرہویں صدی ہجری تک فارسی ادب کے اُفق پر ویسی آب وتاب والا کوئی دوسرا ستارہ طلوع نہیں ہوا۔

اگرچہ ان کی شاعری کا یہ قد آور پودا اپنی عمر کے آخری حصے میں پھلا پھولا کیونکہ جوانی اور ادھیڑ عمر کی چند غزلوں کے علاوہ، جو اُن کے پہلے اور دوسرے دیوان میں درج ہیں، ان کی کوئی اہم تصنیف موجود نہیں ہے۔ ان کی سات مثنویوں کا مجموعہ **ہفت اورنگ** اور قصائد وغزلیات تقریباً سلطان حسین بایقرا کے زمانے کی تخلیق ہیں یعنی ۸۷۳ تا ۸۹۸ھ۔

لیکن اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ یہ عظیم شاعر بھی دوسرے شاعروں کی طرح خداداد صلاحیتوں کے ساتھ پیدا ہوا اور ساری زندگی اس کی پُرسوز اور پُرجوش طبع اُسے نثری اور شعری ادب تخلیق کرنے میں راہنمائی کرتی رہی۔ بالخصوص جب جامی سیر وسلوک کی وادی سے گذر رہے تھے تو مسلسل اپنے نہاں جذبات وکیفیات کا اظہار شعروں میں کرتے رہے۔ بقول مولانا لاری:

''عوام الناس پر وہ اپنے باطنی حالات پر شعر وشاعری کے ذریعے پردہ ڈال لیتے، البتہ اگر خواص سے مڈبھیڑ ہوجاتی تو کبھی شعر کی آڑ میں شاعر بن جاتے اور

کبھی علم کی اوٹ میں طالب علمی کا لباس پہن لیتے۔ یعنی اس امر کے لیے انھیں جو تدبیر بھی نظر آتی اسے کر گزرتے۔"(۱۱۹)

جامی نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ شعر اور شاعر کے بلند مقام اور عظیم مرتبے کا ذکر کیا ہے۔ اپنے **دیوان قصائد و غزلیات** کے مقدمے میں انھوں نے آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی کی مدد سے بڑے سلیقے سے شاعری کی فضیلت بیان کی ہے۔ بات اپنے حالات اور شاعری سے وابستگی تک لے جاتے ہوئے کہتے ہیں:

"می گوید فقیر... شکستہ از ظلمت ہستی نرستہ عبدالرحمٰن جامی - خلصہ اللہ تعالیٰ منہ - کہ چون فاطر حکیم تعالیٰ شانہٗ در مبدأ فطرت استعداد شعر در جبلت من نہادہ بود و خاطر مرا فی الجملہ تعلقی بہ آن دادہ، ہرگز نتوانستم کہ آن حرف را بہ تمامی از صفحۂ احوال خود بتراشم واز آن معنی بالکلیہ فارغ باشم، لاجرم از عنفوان جوانی کہ عنوان صحیفۂ زندگی است تا امروز کہ سنین عمر از ستین گذشتہ است و مشرف بر حدود سبعین گشتہ، ہرگز از آن بہ کلی خالی نبودہ ام واز کلفت اندیشۂ آن یکبارگی نیاسودہ ام، چہ در آن زمان کہ در زمین دل تخم آمال وامانی کاشتمی و دیدہ در مشاہدۂ نورسیدگان بہارستان جمال و جوانی داشتمی، و چہ در آن حال کہ میان بہ ملازمت اہل فضل و کمال بستہ بودم و در مدارس افادہ و مجالس استفادۂ ایشان در صف نعال نشستہ، و چہ در آن ہنگام کہ در مسافرت بلدان و مہاجرت اوطان گام می زدم و از مفارقت اخوان و مباعدت خلّان تلخ کام می بودم، و چہ در آن وقت کہ در خدمت درویشان دلق ترک و تجریدی پوشیدم و بہ اشارت ایشان در تصفیۂ سرّ و جمع خواطر می کوشیدم، و چہ امروز کہ اکثر اوقات بر خود درِ خروج و دخول بستہ ام و در زاویۂ خمول بہ وقت خود مشغول نشستہ، القصہ در ہر وقت سخنی کہ مناسب آن وقت روی می داد، سوادی می کردم و در ہر حال نکتہ ای کہ موجب مقتضای آن حال در خاطر می افتاد، بہ بیاض می آوردم تا بہ تفاریق مجموعہ ای جمع آمد، جمیع معانی را جامع ولوامع سرّ جامعیت از مطاوی آن لامع، الاّ آنکہ دروی از استیلای طمع خام وحرص بر اخذ حطام بہ مدح وقدح لئام زبان نیالودہ ام وقلم نفرسودہ - والحمد اللہ علی ذٰلک - و در این معنی گفتہ شدہ است،

قطعہ:

نہ دیوان شعر است این، بلکہ جامی کشیدہ ست خوانی بہ رسم کریمان
زالوان نعمت در او ہر چہ خواہی بیابی، مگر مدح و ذمّ لئیمان"،(۱۲۰)

جامی نے اپنی وفات سے چھ سال قبل ایک قصیدہ موسوم بہ "رشح بال بہ شرح حال" لکھا، جس میں اپنی شعر گوئی اور شاعری میں حاصل ہونے والی شہرت اور حیثیت کا یوں ذکر کرتے ہیں:

ز طور طور گذشتم بسی ولی ہرگز ز فکر شعر نشد حاصلم فراغت بال
ہزار بار از این شغل توبہ کردم، لیک از آن نبود گزیرم چو سائر اشغال
چنان بہ شعر شدم شہرہ در بسیط جہان کہ شد محیط فلک زین ترانہ مالا مال
عروس دہر پی زیب گوش وگردن خویش ز سلک گوہر نظمم گرفت عِقد لآل
سرود عیش ز گفتار من کند مطرب رہ سماع ز اشعار من زند قوّال
اگر بہ فارس رود کاروان اشعارم روان سعدی و حافظ کنندش استقبال
وگر بہ ہند رسد خسرو و حسن گویند کہ ای غریب جہان مرحبا، تعال تعال
زبس کہ سوی ہر اقلیم گفت وگویم رفت شدند سحرۂ اقوال من ہمہ اقبال
گہی ز روم نویسد سلام من قیصر گہی ز ہند فرستد پیام من جیپال
رسد ز والی ملک عراق و تبریزم عواطفِ متواتر، منائح متوال
چہ دم زنم ز خراسان و اہل احسانش کہ ہستم از کفشان غرق بحر وبرّ ونوال (۱۲۱)

جامی اپنی کتاب بہارستان میں شعرا کے حالات کے لیے مختص روضۂ ہفتم کہ مقدمہ میں خواص وعوام کے نظریات کے مطابق شعر کی جامع تشریح کر چکنے کے بعد اپنی مثنوی سبحۃ الابرار سے ایک ٹکڑا پیش کرتے ہیں، جس میں نہ صرف شعر وشاعری کی فضیلت بیان ہوئی ہے بلکہ اس سے خود مولانا کا اس لطیف فن اور ہنر پر فخر بھی مترشح ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"وللّٰہ درّ الشعر ما اعظم شانہُ و ما ارفع مکانہُ ولیت شعری ایۃ فضیلۃٍ اجلُّ من الشعر و ایّ سحرٍ اَجزلُ من ھذا السحر:

ہیچ شاہد چو سخن موزون نیست سرّ خوبی ز خطش بیرون نیست
صبر ازو صعب و تسلّی مشکل خاصہ وقتی کہ پی بردن دل

کشد از وزن بہ بر خلعت ناز کند از قافیہ دامانش طراز
پا بہ خلخال ردیف آراید بر جبین خال خیال افزاید
رخ ز تشبیہ دھد جلوہ چو ماہ ببرد عقل صد افتادہ ز راہ
مو بہ تجنیس ز ہم بشکافد خالی از فرق دو گیسو بافد
لب ز ترصیع گہر ریز کند جعد مشکین گہر آویز کند
چشم از ایہام کند چشمک زن فتنہ در انجمن وہم افگن
برسر چہرہ زند زلف مجاز شود از پردہ حقیقت پرداز (۱۲۲)

و آن کہ حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کلام معجز طراز قرآن را بہ مای نفی ''ما ھو بقول شاعر'' از آلایش تہمت شعر مطہر ساخت و علم بلاغت موردش را از حضیض تدنّس ''بل ھو شاعر'' بہ اوج تقدس ''و ما علمناہ الشعر و ما ینبغی له'' افراختہ، نہ اثبات این معنی راست کہ شعر فی حد ذاتہ امری مذموم است و شاعر بہ سبب ایراد کلام منظوم معاتب و ملوم، بلکہ بنا بر آن است کہ قاصران نظم بہ آن را -قرآن را- مستند بہ سلیقۂ شعر ندارند و معاندان متصدّی تحدی بہ آن را -صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم- از زمرۂ شعرا نشمارند و این واضح ترین دلیلی است بر رفعت مقام شعر و شعرا و علو منزلت سحر آفرینان شعر آرا:

مایۂ شعر بین کہ چون ز نبی نفی نعت پیمبری کردند
بہر تصحیح نسبت قرآن تہمت او بہ شاعری کردند'' (۱۲۳)

شعر و شاعری کے زوال پر جامی کا اظہارِ افسوس

تیموری بادشاہوں اور شہزادوں کی شعر پروری کے سبب نویں صدی ہجری میں شاعروں کی ایک ایسی ''کھیپ'' تیار ہوئی جنھیں شاعری اور سخنوری کے ذریعے صرف روزی اور پیسہ کمانا مقصود تھا۔ اس طرح شعر و سخن کا اَرفع مقام رو بہ زوال ہوا۔ اس قماش کے بے مایہ یا مادّہ پرست قصیدہ گو شعرا کی بہتات سے ادب کی تاریخ کا ایک انحطاطی دَور شروع ہوا جو بعد کی صدیوں میں اپنے ''عروج'' پر پہنچ گیا۔ یہ ساری صورتِ حال جامی کے سامنے تھی اور انھیں اس بات سے بے حد

افسوس تھا کہ ایک فائدہ پسند اور مادّہ پرست طبقہ، شاعری کے فن کو سبوتاژ کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامی اپنی کتب میں ایسے شعرا سے شاکی نظر آتے ہیں جو شاعر کے اعلیٰ اور اَرفع مقام کو پست کرنے اور اس کی قدر و منزلت گھٹانے کا باعث بنے۔ مثنوی **سلسلۃ الذہب** کے پہلے دفتر میں ظہیر فاریابی کے ایک شعر:

شعر در نفس خویشتن بد نیست
نالۂ من زخسّت شرکا است

پر تضمین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

شعر در نفس خویشتن بد نیست — پیش اہل دل این سخن ردّ نیست
نالۂ من ز خست شرکاست — تن چو نالم ز شرّ ایشان کاست
پیش از این فاضلان شعر شعار — کسب کردی فضائلِ بسیار
بودی آراستہ بہ فضل و ہنر — بودی آزادہ از فضول سیر
حکمت و اصل و فرع ورزیدہ — بہ ترازوی شرع سنجیدہ
مستمر بر مکارم اخلاق — مشتہر در مجامع آفاق
طیب انفاس شان مروّح روح — جنبش کلکشان کلیدِ فتوح
ہمہ را دل ز ہمتِ عالی — از قناعت پُر، از طَمع خالی
وہ کز ایشان بجز فسانہ نماند — جز سخن ہیچ در میانہ نماند
کیست شاعر کنون یکی مدبر — کہ نداند ز جہل ھرّ از بر
نکند فرق شعر را ز شعیر — راحت خلد را نہ رنج سعیر
ہمت او خسیس و طبع لئیم — ہمہ آفاق را حریف و ندیم
روز و شب کو بہ کو و جای بہ جای — می رود چون سگان سوختہ پای
تا کجا بُو بَرَد کہ یک دو سہ کس — گشتہ جمع از سر ہوا و ہوس
کردہ ترتیب عیش را اسباب — از شراب و کباب و چنگ و رباب
افکند خویش را بہ مکر و دروغ — پیش آن جمع چون مگس در دوغ
کاسہ ای چند زہر مار کند — با ہمہ جنگ و کارزار کند

ژاژ خاید، ظرافت انگارد　　هرزه گوید، لطیفه پندارد
بس که آید از آن گروه درشت　　سیلی اش بر قفا و بر رو مشت
به در آید از آن میانه که بود　　پس سر سرخ و چشم خانه کبود
با چنان چشم خانه و پس سر　　روی از آنجا نهد به جای دگر
ننهاده است هیچ کس خوانی　　در همه شهر بهرِ مهمانی
که نرفت است تا سر خوانش　　ننشسته طفیل مهمانش
نگرفته است که پی گشتی　　کنج باغی و جانب دشتی
که نجسته سراغ او در پی　　طی نکرده بساط عشرت وی
گشته زین گونه خست و ابرام　　شعر مذموم و شاعران بدنام
هر که مخذول و خاسرش خوانند　　خوشتر آید که شاعرش دانند
لفظ شاعر اگرچه مختصر است　　جامع صد هزار شور و شر است
نیست یک خلق و سیرت مذموم　　که نگردد از این لقب معلوم (۱۲۴)

جامی تحفۃ الاحرار میں دوبارہ ایسی شعروشاعری کی مذمت اور چاپلوس قصیدہ گوشعرا کو سرزنش کرتے ہوئے اپنے بیٹے ضیاء الدین یوسف کو نصیحت فرماتے ہیں کہ وہ اس فن کے قریب بھی نہ پھٹکے:

حیف که این قوم گهر ناشناس　　مهره کش سلک امید و هراس
هرچه بر آن نام گهر بسته اند　　مهره صفت بر دُم خربسته اند
چند ز تار طمع و پود لاف　　بر قد هر سفله شوی حله باف؟
چند نهی نام لئیمان کریم؟　　چند کنی وصف سفیهان حکیم؟
آنکه بصد نیش یکی قطره خون　　ناید از امساک ز دستش برون
نام کفش قلزم احسان کنی　　وصف به بحر گهر افشان کنی
وانکه به تعلیم گه ماه و سال　　شکل الف را نشناسد ز دال
عارفِ آغازِ ازل خوانی اش　　واقفِ انجامِ ابد دانی اش
و انکه چو از گربه بر آید خروش　　رو نهد از بیم به سوراخ موش

شیر ژیان، ببر بیان گویی اش	بلکہ دلاور تر از آن گویی اش
از تعب طبع کج اندیش خویش	چون شوی آسودہ نہی پیش خویش
کہنہ دواتی چو دلت تار و تنگ	کاغذی چون تیرہ رخت سادہ رنگ
خار چو نظم سخت سخت و سست	املی نار است و خط نادرست
در سر دستار زنی صبح گاہ	قطرہ زنان تا در اصحاب جاہ
خواجہ ای بروئ کہ مبیناد کس	منتظر او منشیناد کس
چون بہ در آید پس صد انتظار	بر زبر بہتری از خود سوار
پیش روی بوسہ بہ پالیش دہی	ندبہ کنان داد ثنایش دہی
رقعہ شعر آوری از سر برون	صد رقم از حرص و طمع در درون
آریش آن رقعہ کہ صد پارہ باد	نامۂ عصیان قیامت بہ باد (۱۲۵)

جامی نے یہ مضمون ایک دلچسپ حکایت پر ختم کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''لاغری'' تخلص کا ایک شاعر، کسی موٹے خواجہ کی مدح سرائی کرتا ہے۔ خواجہ اس کی ہٹ دھرمی سے تنگ آ کر اونچائی پر واقع اپنے محل کی طرف دوڑنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن شاعر اُسے چھوڑنے والا کہاں، وہ بھی اس کے پیچھے بھاگتا ہے۔ بھاگ بھاگ کر خواجہ کا سانس پھول جاتا ہے تو شاعر اُسے کہتا ہے: ''اے خواجہ! این فربہی است کہ ترا آزار میدہد۔'' (صاحب! یہ موٹاپا ہے جو تمھیں تنگ کرتا ہے)۔ خواجہ جواب دیتا ہے: ''نہ بخدا، از دست لاغری است کہ چنین در شکنجہ و عذاب افتادہ ام۔'' (خدا کی قسم نہیں، ''لاغری'' کے ہاتھوں میں اس مصیبت میں آ پھنسا ہوں)۔ (۱۲۶)

اس قبیل کے خسیس اور فرومایہ شعرا کی حرکتوں سے جامی اس قدر دل برداشتہ ہو جاتے کہ وہ شعر و شاعری سے نفرت کا اظہار کرنے لگتے۔ چنانچہ مثنوی **سلسلۃ الذہب** کے دفتر اوّل میں وہ اسی قسم کے احساسات بیان کرتے ہیں:

جامی این وعظ و تلخ گوئی چند	خردہ گیری و عیب جویی چند
موی در سر سفیدی افگندت	سر موی نمی شود پندت
می کنی از بیاض شعر اعراض	روز و شب شعر می بری بہ بیاض
گاہ می خواہی از مداد امداد	می کنی شعر را چو شعر سواد

چو زمانہ سواد شعر ربود   خود بگو از سواد شعر چہ سود؟
شعر لہو است بگسل از وی خو   لیث شعری الی متی تلھو
چون زنی در ردیف و قافیہ چنگ   کار بر خود کنی چو قافیہ تنگ
ہست نظمی لطیف عمر شریف   کش مرض قافیہ است و مرگ ردیف
دل گرو کردہ ای بہ نظم سخن   فکر کار ردیف و قافیہ کن
شعر بادی است کش کنند ابداع   از مفاعیل و فاعلات و ذراع
می کنی ز ابلہی و خود رایی   صبح تا شام باد پیمایی
کاملان چون دُر سخن سفتند   اعذب الشعر اکذبہ گفتند
آنچہ باشد جمال او ز دروغ   پیش اہل بصیرتش چہ فروغ؟(۱۲۷)

جامی اسی نظم کے خاتمے پر لکھتے ہیں:

''شاعری گرچہ دلپذیرم نیست   طرفہ حالی کز آن گزیرم نیست
نکتۂ ''الشعیر قد یؤکل''   دانم اندر عرب شدہ است مثل
مضرب آن مثل منم امروز   بہر خویش این مثل زنم امروز
می کنم عیب شعر و می گویم   می زنم طعن مشک و می بویم
طعنہ بر شعر ہم بہ شعر زنم   قیمت و قدر آن بہ آن شکنم
چہ کنم در سرشت من این است   وز ازل سرنوشت من این است
بہر این آفریدہ اند مرا   جانب این کشیدہ اند مرا
ہر چہ حق خواست طوق گردن من   کی توانم کشیدن از گردن؟''(۱۲۸)

جامی اور اساتذۂ سخن

جامی کی نگارشات کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ان کا زورِ طبع اور کمالِ شاعری بڑی حد تک استادانِ شعر و ادب کے دواوین اور آثار کے مطالعہ کا مرہون تھا۔ تذکرہ **نفحات الانس** میں انھوں نے اکثر اساتذۂ سخن کو بزرگ صوفیہ کے زمرے میں شمار کیا ہے اور اُن کے کلمات کو بطور حوالہ پیش کیا ہے۔ جامی نے **بہارستان** کا روضۂ ہفتم بھی نامور شعرا کے ذکر کے لیے مخصوص رکھا ہے اور اپنے

اشعار کے ضمن میں ان اساتذہ کا نام بڑے ادب واحترام سے لیا ہے جن سے انھوں نے کسی فن میں راہنمائی حاصل کی تھی۔ ایک جگہ وہ اپنی غزل کے اُسلوب کو کمال خجندی (۱۲۹) سے نسبت دیتے ہیں اور اپنی ایک غزل کے آخر میں، جس کا مطلع یہ ہے:

چشم تو صاد است و سر زلف دال
با خود از آن ہر دو مرا صد خیال

کہتے ہیں:

جامی از آن لب سخن آغاز کرد شده لقبش طوطی شیرین مقال
یافت کمالی سخنش تا گرفت چاشنی از سخنان کمال (۱۳۰)

حکیم خاقانی (۱۳۱) کی تقلید میں لکھے جانے والے ایک قصیدہ میں وہ اپنی نظم کی تعریف کرتے ہوئے خاقانی کا نام بڑے احترام سے لیتے ہیں:

بوَد از خوان حکمت نامۂ شعر من آن لقمہ کہ پیچیدہ است بہر قُوت جانہا دست لقمانش
خوش آید در سخن صنعت ز شاعر لیکن چندان نی کہ آرد در کمال معنی مقصود نقصانش
خیال خاص باشد خال روی شاہد معنی چو خال اندک فتد بر رخ دہد حسن فراوانش
سخن آن بود کز اوّل نہاد استاد خاقانی بہ مہمانخانۂ گیتی پی دانشوران خوانش (۱۳۲)

ایک دوسری جگہ پر جامی مثنوی سرائی میں خود کو حکیم نظامی اور امیر خسرو دہلوی کا مقلّد سمجھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کئی مثنویوں میں ان دونوں عظیم شعرا کا نام بے حد تعظیم سے لیا ہے۔ اپنے سبعہ کی ساتویں مثنوی خرد نامۂ اسکندری کے شروع میں انھوں نے بڑی فصاحت وبلاغت سے اپنی شاعری کے مختلف ادوار اور اُتار چڑھاؤ کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح پہلے غزل سرائی، پھر قصیدہ سازی اور رُباعی گوئی کرتے رہے اور آخر کار سات مثنویوں کی طرف توجہ دی۔ اس مقدمہ میں وہ اپنی مثنویات کے نام گنواتے ہوئے نظامی اور خسرو کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

زدم عمری از بی مثالان مثل سرودم بہ وصف غزالان غزل
دم از سادہ رویانِ رعنا زدم غزل را ز مہ خیمہ بالا زدم
نمودم رہ راست عشاق را ز آوازہ پُر کردم آفاق را
بہ قصد قصائد شدم تیزگام برآمد بہ نظم معمام نام

ز بیچارگی ها درین چار سوی	به نظم رباعی شدم چاره جوی
کنون کرده ام پشت همت قوی	دهم مثنوی را لباس نوی
کهن مثنوی های پیران کار	که ماندست از آن رفتگان یادگار
اگرچه روان بخش و جان پرور است	در اشعار نو لذت دیگر است
نظامی که استاد این فن وی است	درین بزمگه شمع روشن وی است
ز ویرانهٔ گنجه شد گنج سنج	رسانیده گنج سخن را به پنج
چو خسرو به آن پنج هم پنجه شد	و ز آن بازوی فکرتش رنجه شد
کفش بود از آنگونه گوهر تهی	دهش ساخت لیک از زر ده دهی
زر از سیم هرچند بهتر بود	بسی کمتر از دُرّ و گوهر بود
من مفلس عور دور از هنر	نه در حقه گوهر نه در صره زر
در این کارگاه فنون و فسوس	ز مس ساختم پنج گنج فلوس
من و شرمساری زده گنجشان	که این پنج من نیست ده پنجشان
ولی داشت چون زور پایم قوی	زدم گام همت به چابک روی
گشادم به مفتاح عزم درست	در گنج گفتار را وز نخست
ز لب تحفه آوردم احرار را	به کف سبحه بسپردم ابرار را
و زان پس چو کلک تصرف زدم	رقم بر زلیخا و یوسف زدم
چو طفلان زنی چون فرس ساختم	به لیلی و مجنون فرس تاختم
چو زین چارشد طبع من کامیاب	کنون آورم رو به پنجم کتاب
به یک رشته خواهم چو گوهر کشید	خرد نامه ها کز سکندر رسید
خرد نامه زان اختیار من است	که افسانه خوانی نه کار من است
ز اسرار حکمت سخن راندن است	نه از قصه های کهن خواندن است
ز بهرام گورش نراندم سخن	نگشتم به باغ خود آن سروبن
چو معمورهٔ عمر شد خاک تود	ز معماری هفت پیکر چه سود؟
در آن بحر یک مثنوی داشتم	که تخم حقایق در آن کاشتم

همه نکته های حکیمان دین حکایات ارباب کشف و یقین
چو آن گوهرم بود از آن بحر ژرف مکرر نراندم در آن بحر حرف
سخن گرچه باشد چو آب زلال ز تکرار خیزد غبار ملال
چو افتاد بی او به کارم خلل تلافیش کردم به نعم البدل
شدم در دگر بحر گوهر فشان و از آن کردم ابرار را سبحه خوان
دریغا که بگذشت عمر شریف به جمع قوافی و فکر ردیف
کند قافیه تنگ بر من نفس از آن چون ردیفم فتد کار پس
حضور دل از دست دادم به نقد که بکر سخن را در آرم به عقد
رمید این ز من وآن نگردید رام گرفت این هوا وآن نیامد به دام (۱۳۳)

مزید کئی جگہوں پر بھی جامی نے اساتذۂ سخن کا تذکرہ کیا ہے اوران سے منسوب حکایات کو نظم کے قالب میں ڈھالا ہے۔ مثنوی **سلسلۃ الذہب** دفتر سوم (۱۳۴) میں وہ اچھے شعر کو ''آسائش جان'' اور بُرے شعر کو ''ضعف قلب'' (کا سبب) قرار دیتے ہیں۔ بعض قدیم شعرا کا ذکر کرتے ہیں کہ اُن کے قصائد کی بدولت کس طرح سلاطین اور ممدوحین کا نام صفحۂ ہستی پر ثبت ہو گیا۔ وہ عنصری (۱۳۵) کا نام لیتے ہیں جب اس نے ایاز کی زلف تراشی پر فی البدیہہ رُباعی کہی تو محمود سے کیا انعام واکرام پایا۔

جامی کی مثنوی **سلامان وابسال**، مولانا ے روم کی **مثنوی معنوی** کے وزن پر ہے۔ اس کی تصنیف کے وقت یقیناً **مثنوی معنوی** اور صاحبِ مثنوی، جامی کے پیشِ نظر تھے۔ **سلامان وابسال** کے مقدمہ میں **مثنوی مولوی** کے دو اشعار پر تضمین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نسبتی دارد به حال من قوی این دو بیت از **مثنوی مولوی**:
''کیف یاتی النظم لی و القافیه بعد ما ضاعت اصول العافیه
قافیه اندیشم و دلدار من گویدم مندیش جز دیدار من'' (۱۳۶)

اسی مثنوی میں وہ مولانا ے روم کے مرتبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں تضمین لگاتے ہیں:

وصف خاصان به ز عام اندر نهفت باد صافی وقت آن عارف که گفت

''خوشتر آن باشد کہ وصف دلبران گفتہ آید در حدیث دیگران''،(۱۳۷)

سلامان وابسال ہی میں قطران تبریزی (۱۳۸) کے متعلق ایک حکایت ہے جو اپنے ایک ممدوح، فضلون، کی عطا سے شرمسار ہو کر بھاگ نکلا تھا۔ اس بند کا مطلع ہے:

بود قطران نکتہ دانی سحر ساز
قطرہ ای از کلک او دریای راز (۱۳۹)

شیخ سعدی شیرازی نے ایک شب اپنا یہ مشہور شعر کہا تھا:

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقش دفتری است معرفت کردگار (۱۴۰)

اس شعر کی تخلیق کا واقعہ بھی مثنوی سبحۃ الابرار عقد سوم میں موجود ہے۔ (۱۴۱)

جامی اس مثنوی کے اختتام پر عقد سی ونہم میں خود نصیحتی کرتے ہوئے شعر و شاعری کے حوالے سے اپنے آپ کو ملامت کرتے ہیں اور اپنے مقام ہمت کو ان مراتب سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ مثال پیش کرتے ہوئے وہ متقدم اساتذہ اور ان کی کتابوں کے نام لیتے ہیں، مثلاً فردوسی، نظامی، خاقانی، انوری، ظہیر فاریابی، کمال اصفہانی، سعدی، حافظ، کمال خجندی، حسن سجزی دہلوی، امیر خسرو دہلوی۔ وہ اس مضمون کو حکیم سنایی کی ایک منظوم حکایت کے اس شعر کی تشریح تک لے جاتے ہیں:

باز گشتم از سخن زیرا کہ نیست
در سخن معنی و در معنی سخن (۱۴۲)

جامی نے اپنے دیوان میں مشہور شاعر معزّی اور سلطان سنجر بن ملک شاہ کا مکالمہ درج کیا ہے۔ شاعر کے ارفع مقام، اس کی معنوی قدر و منزلت اور کلام کی بقاے جاودانی کو اس سے بہتر انداز میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ قطعہ یہ ہے:

شنیدہ ای کہ معزّی چہ گفت با سنجر — چو ذکر جودَت اشعار و منّت صلہ رفت
مدیح من پی نشر فضائلی کہ تو راست — بہ شرق و غرب رفیق ہزار قافلہ رفت
عطیۂ تو کہ وافی بہ جوع و آز نبود — ز حبس معدہ چو آزاد شد بہ مزبلہ رفت (۱۴۳)

عربی ادب پر احاطہ اور فنِ ترجمہ میں مہارت

مولانا جامی کا عربی زبان وادب میں تبحر، اُن کے عربی اشعار اور تألیفات سے واضح ہے۔ مولانا کو علومِ تفسیر، لغت، تاریخ، حدیث اور شعر میں جویدِ طولیٰ حاصل تھا، اُس سے انھوں نے اپنے فارسی آثار میں مستعمل ترکیبات وجملات اور مطالب ومعانی کو خوبصورت بنانے میں بڑا کام لیا ہے۔ عربی ادب کی حیثیت ان کے ہاں ایک بھرپور خزانے کی سی تھی، جس میں سے وہ آبدار اور رنگ برنگ موتی اٹھا کر اپنی دانشوری کی بساط پر چُن دیتے۔ مولانا نے اس سے ایک قدم آگے بھی اٹھایا اور وہ یہ کہ انھوں نے مذکورہ بالا علوم میں مستقل کتابیں تصنیف کیں جو آج بھی یادگار ہیں۔

کافیۂ ابن حاجب کی شرح **فوائد الضیائیہ**، جو انھوں نے اپنے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کے لیے لکھی، محققین کے ہاں علم نحو کی بہترین کتاب شمار ہوتی ہے۔ عربی معلّمین آج بھی فارسی محقق (جامی) کی یہ کتاب عربی زبان کے طلبہ کو پڑھاتے ہیں اور علمِ نحو کی مشکلات میں جامی کے قول کو حجّت سمجھتے ہیں۔ صاحب **روضات الجنات** اس کتاب کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہے:

"وهو من احسن ما كتب عليها، وادقها نظرا، وابلغها تقريرا، واتمها تهذيبا و تحريرا، و اجمعها للنكات والدقايق والتحقيقات و نقل ان المولى ميرزا محمد الشروانى الفاضل العلامه كان يقول انى درست هذا الشرح خمساً و عشرين مرة و صار اعتقادى فى كل مرة انى لم استوف حق فهمه و معرفته فى المرة السابقة."(۱۴۴)

اور اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ یہ فرزندِ خراسان (جامی) عربی علوم وفنون میں عراق، شام اور مصر کے اساتذہ کا ہم پلّہ ہو۔ جیسا کہ ہم پہلے باب میں لکھ آئے ہیں کہ نویں صدی ہجری میں خراسان اور ماوراء النہر علم وادب کا مرکز تھے تو ہرات وسمرقند اکابر علما واُدبا کا مسکن۔

جامی کی ملمّع غزلیات، جن کا ایک مصرعہ عربی اور دوسرا فارسی ہے، ان دونوں زبانوں کے امتزاج کا بہترین اور خوبصورت ترین نمونہ ہیں۔

جامی کے اخلاقی قصائد اور ساتوں مثنویات پر عرب افکار وآداب کا اثر بے حد نمایاں ہے۔

انھوں نے عرب شعرا کے کئی شہ پاروں کو بہترین اور شیرین ترین بیان میں فارسی کا جامہ پہنایا ہے۔ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ شیخ سعدی شیرازی (م:۶۹۴ھ) کے بعد جامی ہی وہ عظیم ترین اور ماہر ترین ادیب ہیں جنھوں نے عربی ادب کو فارسی زبان میں بیان کیا ہے۔

مثنویات **سلسلۃ الذہب**، **تحفۃ الاحرار** اور **سبحۃ الابرار** میں اکثر متفرق موضوعات قرآنی آیات، احادیث نبوی، مشائخ وصوفیہ کی روایات اور عربی اشعار و حکایات اور ضرب الامثال سے ماخوذ ہیں جسے انھوں نے بڑے سلیقے سے شیرین فارسی میں منتقل کیا ہے۔اس طرح **اربعین جامی** یا **ترجمۂ چہل حدیث نبوی** اور مثنوی **یوسف وزلیخا** جس کی بنیاد قرآن کے احسن القصص پر رکھی ہے۔ قصۂ **سلامان وابسال** جو **اشارات** شیخ الرئیس پر خواجہ طوسی کی شرح سے ماخوذ ہے۔مثنوی **لیلیٰ ومجنون** جو **دیوان قیس عامری** اور **الاغانی** (۱۴۵) سے ماخوذ قیس کی حکایات واشعار پر مبنی ہے، جامی کے ہاں عربی ادب کو سلیقے اور مہارت کے ساتھ برتنے کے شواہد ہیں۔مثنوی **خردنامۂ اسکندری** کے اکثر مضامین بھی تصوّف اور فلسفے کی کتابوں سے ماخوذ ہیں اور ان معارف وحقائق کا سرچشمہ اکابر کا عربی منثور ومنظوم ادب ہی تھا۔

ترجمہ کرتے وقت جامی کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ وہ اصل مطلب ہی کو دوسری زبان میں منتقل کریں۔البتہ جب وہ اس کی تشریح اور تفسیر پر آتے تو انھیں اپنا قلم روکنا مشکل ہو جاتا اور وہ اختصار وایجاز کو پسِ پشت ڈال کر تمام تفصیل اور جزئیات بیان کر دیتے ہیں۔ چونکہ انھیں درپیش موضوع کے ابلاغ کا صحیح حق ادا کرنا مقصود ہوتا تھا اس لیے وہ اسے اضافات وتفصیلات کے ساتھ پیش کرتے اور یوں موضوع کو بالکل ایک نئی شکل مل جاتی۔

اب جب کہ جامی کے ہاں عربی وفارسی کی آمیزش کی بات ہو رہی ہے تو کیا یہ اچھا نہیں کہ ہم یہاں جامی کی ایک ملمّع غزل اور رُباعی نقل کر دیں۔

غزل

اَحِنّ شوقًا الی دیارٍ لَقیتُ فیھا جَمال سلمیٰ

کہ می رساند از آن نواحی نوید لطفی بہ جانب ما

بہ وادی غم منم فتادہ، زمام فکرت ز دست دادہ

نہ بخت یاور، نہ عقل رہبر، نہ تن توانا، نہ دل شکیبا

زھی جمال تو قبلۂ جان، حریم کوی تو کعبۂ دل
فان سجدنا الیک نسجد و ان سعینا الیک نسعی
ز سر عشق تو بود ساکن زبان ارباب شوق لیکن
ز بی زبانی غم نهانی چنانکه دانی، شد آشکارا
بکت عیونی علی شئونی فساء حالی و لا ابالی
که دانم آخر طبیب وصلت مریض خود را کند مداوا
اگر به جورم برآوری جان دگر به تیغم بیفکنی سر
قسم به جانت که برندارم سرارادت ز خاک آن پا
به ناز گفتی فلان کجایی؟ چه بود حالت در این جدایی؟
مرضت شوقًا ومت هجرًا فکیف اشکو الیک شکوی
بر آستانت کمینه جامی مجال بودن ندید از آن رو
به کنج فرقت نشسته محزون به کوی محنت گرفته مأوا (۱۴۶)

رباعی

فارقت و لا حبیب لی الّا انت
احباب چنین کنند احسنت احسنت
ظن می بردم که در فراقم بکشی
واللّه لقد فعلت ما کنت ظننت (۱۴۷)

جامی نے **سلسلة الذهب** کے دفترِ اوّل میں فرزدق کا حضرت زین العابدین علی بن الحسین کی مدح میں وہ معروف عربی قصیدہ جو شاعر نے اُموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے سامنے پڑھا تھا، بہترین طریقے سے فارسی میں منتقل کیا ہے جو جامی کی عربی سے فارسی میں ترجمے کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ چند ابتدائی اشعار پیشِ خدمت ہیں:

پور عبدالملک بنام ہشام — در حرم بود با اھالی شام
می زد اندر طواف کعبه قدم — لیکن از ازدحام اہل حرم
استلام حجر ندادش دست — بہر نظارہ گوشه ای بنشست

ناگهان نخبهٔ نبی و ولی — زین عباد بن حسین علی
در کسای بها و حلهٔ نور — بر حریم حرم فکند عبور
هرطرف می گذشت بهر طواف — در صف خلق می فتاد شکاف
زد قدم بهر استلام حجر — گشت خالی ز خلق راه گذر
شامی ای کرد از هشام سؤال — کیست این باچنین جمال وجلال؟
از جهالت در آن تعلل کرد — و ز شناسائیش، تجاهل کرد
گفت نشناسمش ندانم کیست — مدنی، یا یمانی، یا مکی است
بو فراس آن سخنور نادر — بود در جمع شامیان حاضر
گفت من می شناسمش نیکو — زو چه پرسی؟ بسوی من کن رو
آن کس است این که مکه و بطحا — زمزم و بوقبیس و خیف و منیٰ
حرم وحل و بیت و رکن و حطیم — ناودان و مقام ابراهیم
مروه، مسعی، صفا، حجر، عرفات — طیبه و کوفه، کربلا و فرات
هر یک آمد بقدر او عارف — بر علو مقام او واقف
قرة العین سیّد الشهداست — زهرهٔ شاخ دوحهٔ زهراست
میوهٔ باغ احمد مختار — لاله راغ حیدر کرار
چون کند جای درمیان قریش — رود از فخر بر زبان قریش
که بدین سرور ستوده شیم — بنهایت رسید فضل و کرم
ذروهٔ عزت است منزل او — حامل دولت است محمل او
از چنین عز و دولت ظاهر — هم عرب هم عجم بود قاصر
جد او را به مسند تمکین — خاتم الانبیا است نقش نگین
لائح از روی او فروغ هدی — فائح از خوی او شمیم وفا
طلعتش آفتاب روز افروز — روشنائی فزای و ظلمت سوز
جد او مصدر هدایت حق — از چنان مصدری شده مشتق
از حیا نایدش پسندیده — که گشاید بروی کس دیده
خلق ازو نیز دیده خوابانند — کز مهابت نگاه نتوانند

باب چہارم

جامی کے عقائد

جامی کے عقائد

مولانا جامی کے مذہبی عقائد کیا تھے؟ تذکرہ نگاروں اور محققین علمِ رجال کا اِس میں اختلاف ہے کیونکہ علم و دانش کا یہ آفتاب (جامی) اس وقت غروب ہوا جب سلطنت صفویہ کا ستارہ طلوع ہورہا تھا۔ اس وقت عمومی افکار و نظریات میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوا۔ اس سیاسی تبدیلی کی وجہ سے ایرانیوں کے عقائد و افکار نے بھی ایک نئی کروٹ لی۔ جامی کی تصانیف کو عوام کے ہاتھوں میں پہنچے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا، بعض لوگ ان کی تعریف کر رہے تھے اور بعض مذمّت۔ اگر ایک شہر میں ان کی کتابیں ہردلعزیز تھیں تو دوسرے شہر میں ناپسندیدہ۔ ایک طرف عوام کا ایک طبقہ جامی کو ناصبی یا صوفی سمجھتا اور ان کی تعلیمات کو کفر اور زندقہ پر مبنی خیال کرتا تو دوسری طرف ایک جماعت انھیں اسلام کے اوّل درجہ کے علما کی صف میں شمار کرتی بلکہ ان کے مرتبۂ ولایت کی بھی قائل تھی۔ دوسرا گروہ جو اُن کے فصاحت و بلاغت سے بھرپور اور خوبصورت کلام پر جان دیتا، اس نے خود جامی کے اشعار و اقوال پیش کر کے انھیں شیعہ عالم یا کم از کم مائل بہ حبّ اہلِ بیت ثابت کیا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ جامی کے اصولِ عقائد پر بہت بحث و تکرار رہی۔

جن ناقدین اور اربابِ نظر نے علم کا پاکیزہ منصب جہالت کے تعصّب سے آلودہ نہیں ہونے دیا اور وہ ہمیشہ راہِ حقیقت پر گامزن رہے ہیں، انھوں نے جامی کی تصانیف پڑھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

۱۔ جامی نے سمرقند اور ہرات کے مدارس میں تعلیم پائی، جن کا شمار اُس وقت سنّی مذہب کے آداب و علوم کے مراکز میں ہوتا تھا۔

۲۔ ظاہری علوم میں جامی کے عقائد کی بنیاد اشعری علماے کلام اور شافعی فقہا کے اصول و عقائد پر قائم ہے۔

۳۔ باطنی علوم میں وہ عرفا و صوفیہ کی تعلیمات کے خوشہ چین ہیں اور ان کی روحانی وابستگی

ماوراءالنہر کے سلسلۂ نقشبندیہ سے ہے۔

نویں صدی ہجری کے اواخر میں ہرات ایک ایسا شہر تھا جہاں خراسانی وعراقی شیعوں اور افغانستانی وترکستانی سنّیوں کے عقائد کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ جامی، جنھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اسی شہر میں گذارا، وہ اس وقت کے مذہبی رجحانات کے اثرات سے کیوں کر بچ سکتے تھے۔ زمان و مکان کے اعتبار سے وہ اس مقام پر کھڑے تھے جہاں نہ طریقۂ اہلِ سنت و جماعت سے منہ پھیر سکتے تھے، نہ مبادیات امامیہ کو مکمل طور پر جھٹلا سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جامی کو اپنی تصانیف میں ہمیشہ خلفاے راشدین اور صحابہ کی بزرگی بیان کرتے اور ان کے مراتب کا معترف پاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی وہ ائمہ اثنا عشر کے فضائل کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ جامی کی ذہنی حدّت اور باطنی پاکیزگی نے انھیں اشعری متکلمین کے مباحثوں اور مناظروں پر ہی رکنے نہیں دیا بلکہ وہ انھیں اہلِ ظاہر کی مبادیات سے نکال کر صوفیہ کی وجد آفریں تعلیمات تک لے گئی اور وہ معاشرے کے رجحان کے مطابق سلسلۂ نقشبندیہ کے حلقے میں چلے گئے جو اس وقت ماوراءالنہر اور خراسان میں صوفیہ کا متداول اور مروّج طریقہ تھا۔ یہ سلسلہ نہ صرف عوام میں مقبول تھا بلکہ تیموری سلاطین اور اُمرا بھی اسی سلسلے کے معتقد اور ارادت مند تھے۔ جب جامی بھی سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ ہو گئے تو یہ امر عوام میں ان کی مزید مقبولیت کا سبب بنا۔

انتہا پسند شیعوں نے جامی پر اُن کی زندگی ہی میں نکتہ چینی شروع کر دی تھی۔ عراق اور آذربایجان کے متعصّبین نے ان کے اقوال پر اعتراضات اٹھائے، جس کا سامنا انھیں بغداد میں کرنا پڑا (تفصیل پہلے گذر چکی ہے)۔ ہم یہاں جامی سے منسوب ایک رُباعی نقل کر رہے ہیں۔ اگرچہ الفاظ رکیک ہیں، تاہم مفہوم کے اعتبار سے شاعر کے مذہبی عقائد کے رجحان کا پتا دیتے ہیں:

ای مُغ بچۂ دہر بدہ جام مَی ام کامد ز نزاع سنّی و شیعہ قَی ام
گویند کہ جامیا چہ مذہب داری صد شکر کہ سگ سنّی و خرِ شیعہ نَی ام (۱۴۸)

جامی کے عقائد و نظریات پر شیعہ علما کو جو اختلافات ہیں، اُن کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: **مجالس المومنین**، از قاضی نوراللہ شوشتری؛ **روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات**، از ملاّ سیّد محمد باقر خوانساری اور رجالِ شیعہ پر دوسری کتابیں۔

ہم یہاں جامی کی اپنی نگارشات ہی سے اقتباسات پیش کرنے پر اِکتفا کریں گے جو اُن

کی مذہبی اور روحانی زندگی اور عقائد ونظریات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

جامی کے مذہبی عقائد

سلسلۃ الذہب دفتر اوّل کے اختتام پر جامی کی ایک ایسی نظم موجود ہے جس میں انھوں نے اپنے اصول عقائد کو اہلِ سنت و جماعت علمائے کلام کے مبادی کے مطابق بیان کیا ہے۔ اس میں انھوں نے توحید، نبوت اور امامت پر بحث کی ہے۔ (۱۴۹) ان کی یہ نظم ''اعتقاد نامہ'' سے موسوم ہے۔ (۱۵۰)

مطلع:

بعد حمد خدا و نعت رسول　　بشنو این نکته را به سمع قبول

مقطع:

هست دیدار حق اجل نعم　　و به انتهی الکلام فتم

چون شد این اعتقاد نامه درست　　باز گردم به کاروبارِ نخست

''اعتقاد نامہ'' کا سبب تألیف وہ یہ بتاتے ہیں کہ مثنوی سلسلۃ الذہب کی تألیف کے دوران جب اس میں عشق کا ذکر چل نکلا تو اچانک انھیں خواجہ زادہ (بظاہر خواجہ عبیداللہ احرار کے صاحبزادے مراد ہیں) کا ایک مکتوب ملا، جس میں جامی سے اصول عقائدِ اسلام پر چند اشعار کہنے کی درخواست کی گئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے مذکورہ ''اعتقاد نامہ'' لکھا۔ جب یہ نظم ختم ہو چکی تو عشق کا بیان جاری رکھا۔

''اعتقاد نامہ'' کے مضامین کی ترتیب وتفصیل اس طرح ہے:

۱۔ بیان وجودِ حق　۲۔ بیان وحدت حق　۳۔ اشارت بہ صفات الٰہی
۴۔ اشارت بہ حیات او　۵۔ اشارت بہ علم او　۶۔ اشارت بہ ارادت او
۷۔ اشارت بہ قدرت او　۸۔ اشارت بہ سمع و بصر او　۹۔ اشارت بہ کلامِ او
۱۰۔ اشارت بہ افعال او　۱۱۔ اشارت بہ وجود ملائکہ　۱۲۔ اشارت بہ ایمان انبیاء
۱۳۔ اشارت بہ فضیلت نبی اسلام (ص)　۱۴۔ اشارت بہ خاتمیت او
۱۵۔ اشارت بہ شریعت او　۱۶۔ اشارت بہ معراج او
۱۷۔ اشارت بہ معجزات انبیاء　۱۸۔ اشارت بہ کتابہای خدا

۱۹۔ اشارت بہ این کہ کتاب اللہ قدیم است

۲۰۔ اشارت بہ فضیلت واشرفیت آل واصحاب اربعہ

۲۱۔ اشارت بہ آن کہ تکفیر اہل قبلہ جائز نیست

۲۲۔ اشارت بہ عذاب قبر وسوال نکیر ومنکر ۲۳۔ اشارت بہ نفختین

۲۴۔ اشارت بہ نظائر صحائف ۲۵۔ اشارت بہ میزان

۲۶۔ اشارت بہ صراط ۲۷۔ اشارت بہ مواقف عرصات

۲۸۔ اشارت بہ خلود کفار در نار وخروج بعضی بہ شفاعت ۲۹۔ اشارت بہ حوضِ کوثر

۳۰۔ اشارت بہ درجات بہشت وخلود آن ورؤیت حق سبحانہٗ وتعالیٰ

سلسلۃ الذہب دفتر اوّل ہی میں جہاں جامی اپنے مذہبی اور صوفیانہ رجحانات واعتقادات کا ذکر کرتے ہیں، وہاں انھوں نے عقیدۂ جبر واختیار کے متعلق، جس پر متکلّمین خاصی لے دے کرتے چلے آ رہے ہیں، ایسا طرزِ بیان اختیار کیا ہے جو اشعریوں کے عقائد کا ترجمان ہے۔ (۱۵۱) اس مسئلے پر مفصّل بحث کر چکنے کے بعد انھوں نے سلطان محمود غزنوی اور اس کے غلاموں کی ایک حکایت بیان کی ہے، جس کا مطلع ہے:

داشت پور سبکتگین دو غلام
گلرخ و لالہ روی و سرو اندام (۱۵۲)

اور خود جامی کے عقائد کا خلاصہ مندرجہ ذیل اشعار میں موجود ہے:

"ای مکاشف شدہ بہ سرّ قدر — پردۂ جد و اجتہاد مدر
بگذر از خویش و در خدای گریز — بگسل از خویش و در خدای آویز
گرچہ تو زاختیار مأموری — لیک در اختیار مجبوری
قابلی ز اختیار خود عاری — گشتہ افعال حق برآن جاری
ہرچہ جاری شود بر آن زافعال — بنگر کز دو نیست بیرون حال
یا ز اسباب قرب و رضوانست — یا ز آثار بُعد و خذلانست
گر ز قسم نخست باشد کار — نعمت حق شناس و شکرگزار
ور ز قسم دوم بود کارت — شمر از نفس زشت کردارت

جرم و عصیان بہ سوی خویش افکن   سر شرمندگی بہ پیش افکن"(۱۵۳)

جامی کی کتاب **شواہد النبوۃ** حضرت رسول اللہ کے حالات اور ان کی نبوت کے دلائل پر مبنی ہے۔ اس کے چھٹے رکن میں انھوں نے صحابۂ رسول اور اہلِ بیت کے حالات و مناقب اور ان سے منسوب کرامات اور خوارق عادات بیان کیے ہیں۔ اس رکن کی تدوین جس نہج پر ہوئی ہے وہ جامی کے اس طرزِ فکر اور مذہبی رجحان کی ترجمان ہے کہ وہ شیعہ مائل سنّی تھے۔ کیونکہ وہاں انھوں نے خلفاے اربعہ کا نام بڑے ادب و احترام سے لیا ہے اور انھیں اہلِ بیت پر مقدم رکھا ہے۔ ان کے فضائل سے منسوب تمام احادیث نبوی نقل اور ترجمہ کر چکنے کے بعد انھوں نے ائمہ اثنی عشر کے مناقب بیان کیے ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب سے لے کر حجۃ بن الحسن (امام مہدی) تک ہر امام کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کیا ہے۔ ائمہ کے حالات لکھنے کے بعد دوبارہ اصحابِ رسول کا بیان ہے اور عشرۂ مبشرہ کے حالات درج کیے ہیں۔

مختصر یہ کہ مذکورہ کتاب کے مندرجات سے بخوبی پتا چلتا ہے کہ اس کا مصنف ایک سنّی ہے جس کا دل تعصب سے پاک ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ عقائدِ امامیہ کی طرف مائل ہے۔ **شواہد النبوۃ** اپنی سادہ، رواں اور بے تکلف فارسی زبان اور غیر ضروری باتوں سے مبرّا ہونے کے باوجود متعصب ایرانی شیعوں کے ہاں قبولیت نہیں پا سکی، بلکہ وہ اسے جامی کے مذہبی عقائد کے بگاڑ کی ایک دلیل قرار دیتے ہیں۔

جامی کے اشعار میں بھی خاندانِ رسالت کے مناقب بیان ہوئے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنی ساتوں مثنویوں کے شروع میں خلفاے ثلاثہ کی مدح لکھتے ہیں لیکن ان کی غزلیات اور قصائد میں امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، حسین بن علی اور علی بن موسیٰ علیہم السّلام کے مناقب بھی بکثرت ملتے ہیں جو جامی کے افکار میں دونوں عقیدوں (سنّی و شیعہ) کے امتزاج کی مزید دلیل ہے۔

جامی نے مثنوی **سلسلۃ الذہب** میں خلفاے اربعہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ یہ ہے:

خاصہ آلِ پیمبر و اصحاب   کز ہمہ بہترند در ہر باب
وز میانِ ہمہ نبود حقیق   بہ خلافت کسی بہ از صدیق
و ز پی او نبود ازان احرار   کس چو فاروق لایق این کار
بعد فاروق جز بذی النورین   کار ملّت نیافت زینت و زین

بود بعد از ہمہ بہ علم و وفا　　اسداللہ خاتم الخلفا ...

ہمہ آثار وحی دیدہ از او　　ہمہ اسرارِ دین شنیدہ از او

رضی اللہ عنہم از سوی حق　　بہر ایشان بشارت مطلق

و ز رضوا عنہ منصب ایشان　　برتری از ہمہ رضا کیشان

چون ہمہ مرضی خداوندند　　چہ غم ار عمرو و زید نپسندند؟

لعن کز رافضی شود واقع　　شود آن لعن ہم بدو راجع (۱۵۴)

اسی طرح مثنوی **سبحۃ الابرار** میں ان کا یہ قطعہ ملاحظہ ہو:

پردہ بگشا ز رخ صدیقی　　بدران پردۂ ہر زندیقی

درّۂ عدل ز دست عمری　　زن بہ فرق سر ہر خیرہ سری

خون فشان کن ز حیا عثمانی　　ریز بر کشت وفا بارانی

پنجہ در کن اسد اللہی را　　پوست برکن دو سہ روباہی را (۱۵۵)

جو ایرانی شیعہ جامی سے عقیدت رکھتے ہیں، وہ جامی کو باطنی طور پر ایک خالص العقیدہ شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں خلفائے ثلاثہ کی مدح میں یہ بیانات اور اشعار جامی کا ''تقیہ'' ہیں۔ چنانچہ **سبحۃ الابرار** کے مندرجہ بالا قطعہ کے آخری شعر کو یہ حضرات خلفائے ثلاثہ کی قدح اور امیر المؤمنین علی علیہ السّلام کی مدح کی طرف اشارہ و کنایہ قیاس کرتے ہیں۔ (۱۵۶)

لیکن شاعر کی مرضی کے خلاف اس قسم کی توجیہات اور تاویلات سے جامی کا شیعہ ہونا ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ بالخصوص جب جامی مثنوی **لیلیٰ و مجنون** کے مقدمہ میں بڑے واشگاف الفاظ میں یہ کہہ رہے ہیں:

''شادیم بہ آل نامدرات　　یاریم بہ ہر چہار یارت

آن چار ستون خانۂ دین　　وان چار چراغ بزم تمکین

ہر یک بہ خلافت خانہ سزاوار　　ہر چار یکی و ہر یکی چار

ایشان بیگانگی بہم راست　　بیگانگی از فضول ما خاست

شاہان بہ صفا موافق آہنگ　　و ز سنگدلی سپاہ در جنگ (۱۵۷)

مثنوی **خرد نامۂ اسکندری** میں، جو جامی کی زندگی کے آخری دنوں کی تالیف ہے، وہ اپنے

مذکورہ عقیدہ کا اعادہ کرتے ہوئے مذہب اہل سنت کے مطابق خلفاے اربعہ کی مدح بیان کرتے ہیں، یعنی انھوں نے (خلیفۂ) اوّل کو صدق، (خلیفۂ) دوم کو عدل، (خلیفۂ) سوم کو حیا اور (خلیفۂ) چہارم کو سخاوت و شجاعت سے متصف کیا ہے اور انھیں اربعہ عناصر کی مانند دین کے پیکر کے قائم و دائم رہنے کا سبب بتایا ہے:

به تخصیص آنان که بی تخت و تاج　　گرفتند از تاجداران خراج
یکی ثانی اثنین در کنج غار　　که چون مارشد ناوک جان شکار
دوم آن که از سکۂ عدل اوست　　کزین گونه دنیا و دین سرخ روست
سوم شرم گیتی که شد بی قصور　　ز شمع نبوت نصیبش دو نور
چهارم که آن ابر دریا نثار　　نم او کرم، برق او ذوالفقار
چو عنصر چهارند زیشان به پای　　ترا قالب دین درین تنگنای
ره اعتدال ار نداری نگاه　　میانشان، شود قالب دین پناه
چو هر سفله بی اعتدالی مکن　　دل از مهر این چار خالی مکن(۱۵۸)

ائمہ شیعہ کی مدح میں جامی نے جو مستقل اشعار لکھے ہیں اُن میں سے زیادہ شہرت اس قصیدے کو ملی جو انھوں نے نجف اشرف جاتے ہوئے امیر المؤمنین علی علیہ السّلام کی مدح میں لکھا۔ مندرجہ ذیل اشعار اُسی قصیدے سے ہیں:

اصبحت زائراً لک یا شحنة النجف　　بهر نثار مرقد تو نقد جان به کف
می بوسم آستانۂ قصر جلال تو　　در دیده اشک عذر ز تقصیر ما سلف
ناجنس را چه حد که زند لاف حبّ تو　　او را بود به جانب موهوم خود شعف(۱۵۹)

جامی سفر حجاز کے دوران بغداد سے نجف جا رہے تھے جب انھیں حضرت امیر کے مزار کا عظیم الشان گنبد نظر آیا تو انھوں نے ایک غزل لکھی جو اُن کے عقائد کی ترجمان ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

قد بدا مشهد مولای اینخوا جَملی　　که مشاهد شد از آن مشهدم انوار جلی
چشم از پرتو رویش به خدا بینا شد　　جای آن دارد اگر کور شود معتزلی
دعوی عشق و تولّا مکن ای سیرت تو　　نقص ارباب دل از بی خردی و دغلی

جامی از قافلہ سالار رہ عشق تو را　　گر پرسند کہ آن کیست، علی گوی علی (۱۶۰)

سلسلۃ الذہب میں جامی نے حضرت رسول اللہ کے چچا ابوطالب کے صاحبِ ایمان ہونے سے انکار کیا ہے اور شیعی عقیدہ کے برعکس انھیں کافر اور ہالک قرار دیا ہے اور ان لوگوں کے فساد عقیدہ کو ثابت کیا ہے ''جو رسالت کے مقدس درخت کی شاخیں تو تھیں مگر انھیں ایمان کا پھل نہ لگ سکا اور اس طرح ابوطالب اور ابولہب کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔''

بود بو طالب آن تہی ز طلب　　مر نبی را عم و علی را اَبّ

خویش نزدیک بود با ایشان　　نسبت دین نیافت باخویشان

ہیچ سودی نداشت آن نسبش　　شد مقر در سقر چو بولہبش (۱۶۱)

جامی کے انھی اشعار نے علمائے شیعہ کو چراغ پا کیا اور وہ ان پر لعن وطعن کرنے لگے اور ایذا رسانی کے لیے ان کے درپے ہو گئے۔ قاضی میر حسین شافعی یزدی نے جامی کی مذمت میں یہ قطعہ لکھا ہے:

آن امامِ بحق، ولیِّ خدا　　کاسداللہ غالبش نامی

دو کس او را بہ جان بیازردند　　یکی از ابلہی، یک از خامی

ہر دو را نام عبد رحمان ست　　آن یکی ملجم، این یکی جامی (۱۶۲)

مثنوی **سبحۃ الابرار**، عقد ۳۸ میں جامی نے حضرت حسن بن علی علیہ السّلام کی مدح میں اُن سے ایک حکایت نقل کی ہے جس میں ان کا روے سخن ایک نوجوان زاہد اور گوشہ نشین کی طرف ہے۔ اس حکایت کا مطلع ہے:

حسن آن سبط نبی، سرّ ولی　　طلعتش مطلع انوار جلی (۱۶۳)

سفر حج کے دوران جامی، حضرت حسین بن علی کے روضے کی زیارت کے لیے جا رہے تھے تو ایک منقبت لکھی، جس کے چند اشعار یہ ہیں:

کردم ز دیدہ پای سوی مشہد حسین　　ہست این سفر بہ مذہب عشاق فرض عین

خدّام مرقدش بہ سرم گر نہند پای　　حقّا کہ بگذرد سرم از فرق فرقدین

جامی گدای حضرات او باش تا کند　　با راحت وصال مبدّل عذاب بین (۱۶۴)

جب انھوں نے خراسان میں امام علی بن موسیٰ کے مزار پر حاضری دی تو کہا:

سلام علی آل طٰہ و یٰس　　سلام علی آل خیر النبیین

سلام علی روضۃٍ حل فیھا　　امام یباھی بہ الملک و الدّین

امام بحق شاہ مطلق کہ آمد　　حریم درش قبلہ گاہ سلاطین

علی بن موسی الرّضا کز خدایش　　رضا شد لقب چون رضا بودش آئین

چو جامی چشد لذت تیغ مہرش　　چہ غم گر مخالف کشد خنجر کین (۱۶۵)

اہلِ بیت کی مدح میں ان سب اشعار کے ہوتے ہوئے بھی شیعہ علماء بالخصوص قاضی نور اللہ شوشتری، جامی کو صحیح العقیدہ ''شیعہ'' نہیں سمجھتے اور ان پر لعن وطعن جائز خیال کرتے ہیں۔

عرب شاعر فرزدق نے ہشام بن عبدالملک اموی کے دربار میں امام زین العابدین کی مدح میں جو عربی قصیدہ پڑھا تھا، جامی نے اس کا منظوم فارسی ترجمہ کیا ہے جو اُن کی اہلِ بیت سے محبت اور خاندانِ رسالت کی تفضیل پر واضح دلیل ہے۔ (۱۶۶)

ملا محمد تقی مجلسی نے شرح من لایحضرہ الفقیہ میں ایک حکایت نقل کی ہے، جس کا اس قصیدے سے گہرا تعلق ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک شخص جامی کی محفل میں کہنے لگا کہ ایک عورت نے فرزدق کو خواب میں دیکھا تو اس کا حال پوچھا۔ فرزدق نے جواب دیا کہ خدا نے مجھے اس قصیدے کی طفیل بخش دیا جو میں نے ہشام بن عبدالملک کے دربار میں علی بن حسین کی مدح میں پڑھا تھا۔ مرحوم مجلسی کا کہنا ہے کہ ملا جامی نے اپنی تمام تر ناصبیت کے باوجود اس شخص سے کہا: بالکل بجا ہے کہ حق تعالیٰ اس قصیدے کی برکت سے تمام اہلِ جہان کو بخش دیں۔''

جامی نے اپنے اس قصیدے کے اختتام پر اہلِ بیت کی مدح بیان کرنے کی فضیلت بیان کی ہے اور اصحابِ رسول سے بغض رکھنے والے رافضیوں کی مذمت کی ہے وہاں انھوں نے امام شافعی کے مشہور شعر:

لو کان رفضاً حبّ آل محمد　　فلیشھد الثقلان انی رافضی

کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ (۱۶۷) ہم جامی کے جن مذہبی عقائد کا اوپر بطور اجمال بحث کر آئے ہیں ان کی تفصیل اس قصیدے میں موجود ہے۔ ہم اس موضوع کو اسی قصیدے کے چند اشعار پر ختم

کرتے ہیں:

مادح اہلِ بیت در معنی — مدحت خویشتن کند یعنی
دوستدار رسول و آل وی ام — دشمن خصم بدخصال وی ام
ہمچو سلمان شدم ز اہل البیت — گشت روشن چراغ من زان زیت
انا مولی لهم و مولی القوم — کان منهم و لا اخاف اللوم
این نہ رفضست محض ایمان است — رسم معروف اہل عرفان است
رفض اگرہست حبّ آل نبی — رفض فرض است بر ذکی و غبی
شافعی آنکہ سنّت نبوی — ز اجتہاد قویم اوست قوی
بہ زبان فصیح و لفظ متین — گفت در طیّ شعر سحر آئین
گر بود رفض حبّ آل رسول — یا تولّا بہ خاندان بتول
گو گوا باش آدمی و پری — کہ شدم من ز غیر رفض بری
کیش من رفض ودین من رفض است — رفع من رفض و ماقی خفض است
رفضِ بد نی ز حبّ آل عباست — بدی آن ز بغض اہل وفاست
بغض آنان کہ مقتدا بودند — سابقان رہ ہدی بودند
از وطن ہا مہاجرت کردند — بر الم ہا مصابرت کردند
با نبی در شدائد اہوال — بذل ارواح کردہ و اموال"(۱۶۸)

جامی کا نظریۂ تصوّف

جامی نے تصوّف میں اُس روش اور اُسلوب کو اپنایا ہے جو شیخ محی الدین بن عربی نے وضع کی۔(۱۶۹) اسی پیروی کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے شیخ اکبر اور ان کے پیروکاروں کی کتب اور افکار کی شروح لکھی ہیں۔ جامی کی کتابیں **نقد النصوص** (**فصوص الحکم** کی شرح) اور **اشعۃ اللمعات** (**لمعات** کی شرح) اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔

جامی نے **لمعات** کی شرح کرتے وقت ہر مقام پر شیخ اکبر کے **فصوص الحکم** یا **فتوحات المکیہ** میں درج نظریات سے ثبوت پیش کیے ہیں۔ جامی کا نظریہ ہے کہ عشقِ حقیقی سے انسان کو سرمدی سعادت حاصل ہوتی ہے اور یہی سلطان عشق ہے جو عالمِ وجود کے مظاہر میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

عاشق، معشوق اور عشق سب ایک وجود مطلق کے مظاہر اور مجاری ہیں اور معشوق و محبوب بلکہ عاشق اور محبّ حضرت حق کے تمام مراتب میں ہے۔ اور اختلافات، ظہورِ محبوب کے فرق اور اس کی شہودی تجلیات میں ہیں۔ محبوب اور محبّ دونوں ایک دوسرے کا آئینہ ہیں۔ عشق مطلق تمام مظاہر میں ظاہر ہوا اور ہر عقل و شعور میں آشکار ہوا۔ اربابِ سلوک پر یہ مختلف تجلیات میں متجلی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر صوری تجلیات جو سب موجودات کی صورتوں میں ہوتی ہیں اور ذوقی تجلیات جو علوم، اذواق اور معارف میں ہوتی ہیں یا تجلیات ذاتی جو صرف اربابِ نہایات کے لیے مخصوص ہیں۔

بندے میں حق کا ظہور ایسا ہی ہے جیسا شیشے میں کسی مرئی صورت کا عکس۔ تاہم اس میں حلول واتحاد اور زندقہ والحاد کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ تمام سالکانِ حق کا سفر ''سیر الی اللہ'' سے شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد ''سیر فی اللہ'' کے مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس سیر و سلوک میں کئی نورانی اور ظلمانی پردے ہیں اور یہ ''سفر'' دراصل انھی پردوں کو درمیان سے اٹھانے کے لیے ہوتا ہے۔ اس (سفر) میں دو قوس ہیں، قوسِ وجوب اور قوسِ امکان۔ مقام قاب قوسین اوادنیٰ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

محبّ کے افعال کی نسبت محبوب سے ہوتی ہے اور عاشق کی ہر شے کا تعلق معشوق سے ہوتا ہے۔ مختلف اشکال کی کثرت، واحدِ حقیقی کی وحدت پر اثر انداز نہیں ہوتی اور عین کثرت میں بھی واحد اپنی اسی حقیقی وحدت میں موجود رہتا ہے۔ معشوق کئی صورتوں میں متجلی ہوتا ہے۔ اور عاشق کو بھی گوناگوں استعدادات حاصل ہیں۔ عاشق (معشوق کی) انھی (متنوع) تجلیات کے مطابق ترقی کرتا ہے۔ سیر فی اللہ کا راستہ لامتناہی ہے اور عاشق کی طلب، ترقی اور سفر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ بقول جامی عاشق کو تعیّن سے پاک دل ملا ہے جو اوج و عزّت کے گنبدوں کی جگہ ہے اور بحر غیب و شہادت (ظاہر) کا مجتمع اور اس دل کو وہ ہمت و استعداد حاصل ہے کہ:

اگر بہ ساغر دریا ہزار بادہ کشند
ہنوز ہمت او ساغر دگر خواہد

جامی اس کی مثال یوں پیش کرتے ہیں: ایک شخص نے برف سے، جو منجمد پانی کی ایک صورت ہے، کوزہ بنایا اور اسے پانی سے بھر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ کوزہ انجماد کی صفت اور کوزے کی صورت میں تو پانی سے جدا ہے لیکن جب سورج چمکا تو کوزہ پگھلنے لگا اور کوزہ پانی سے مل گیا۔ اسی طرح جب حقیقتِ مطلقہ تعینات کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور اس کے سامنے کئی

مظاہر آتے ہیں تو اچانک صاحب دولت کے دل پر احدیت کا سورج چمکنے لگتا ہے جو صور تعینات کو اس کی ظاہری نظروں سے محو کر دیتا ہے اور وہ سب کو ایک ہی دیکھ کر کہہ اٹھتا ہے۔ **لیس فی الدّار غیرہ دیار:**

صیاد ہم او، صید ہم او، دانہ ہم او
ساقی و حریف و می و پیمانہ ہم او

صفات دو طرح کی ہوتی ہیں، وجودی اور عدمی۔ وجودی صفات معشوق کی ہوتی ہیں اور عدمی عاشق سے تعلق رکھتی ہیں۔ پس غنی ہونا معشوق کی صفت ہے اور غربت عاشق کی۔ غربت کے بھی کئی فضائل اور مراحل ہیں۔ عاشق کو غرض سے پاک ہونا چاہیے اور وہ اپنی طلب اور ارادے کو ختم کر کے صرف معشوق کی خواہش کو مقدم رکھے اور اس کی پسند اور ناپسند کا فرق سمجھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عاشقِ سالک مکلّف ہے کہ وہ صوری اور معنوی مجاہدوں میں مشغول رہے۔ عاشق کی وجودی صفات درحقیقت معشوق ہی کی صفات ہیں جو عاشق کے پاس بطور امانت پڑی ہیں۔

عاشق کے معشوق سے وصل کے مراحل کے تین مرتبے ہیں؛ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص آنکھیں بند کرے اور آگ کی موجودگی کا احساس اس کی حرارت سے کرے تو یہ علم الیقین ہے اور جب آنکھ کھول کر آگ دیکھ لے تو یہ عین الیقین ہے، لیکن جب آگ میں کود جائے اور بھسم ہو جائے تو اس سے آگ کی خصوصیات ظاہر ہونے لگیں یعنی وہ جلائے اور اس سے روشنی بھی ظاہر ہو تو وہ حق الیقین کا درجہ ہے۔

محبّ اور محبوب کے درمیان خواہش اور ضرورت کا رشتہ ہے۔ عاشق جب تجرید و تفرید کے کمال پر پہنچتا ہے تو سب سے، حتیٰ کہ معشوق سے بھی، اپنا رشتہ توڑ دیتا ہے اور عشق کی وحدتِ ذاتی حاصل کرتا ہے۔ اس پر سے کثرت کا لبادہ اتر جاتا ہے، یعنی وہ محبوب رہتا ہے نہ محبّ، بلکہ شاہد عین مشہود بن جاتا ہے۔ اس کی عاشقی کی صفات بقابعد الفنا میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور اسے فرق بعد الجمع کا مقام مل جاتا ہے، وہ تکمیل اور ارشاد کی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ جب خود کو دیکھتا ہے تو تمام تر اُسی کو پاتا ہے اور پکار اُٹھتا ہے، **انا من اھوی و من اھوی انا**۔ یعنی:

جانا ز میانِ ما منی رفت و تویی
چون من تو شدم تو من، مکن ذکر دویی

وہ جس چیز پر بھی نظر ڈالتا ہے وہاں اپنے دوست کا چہرہ دیکھتا ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ **کل شئی هالک الّا وجهه** کی کیا توجیہہ ہے اور کیونکر نہیں ہو سکتا کہ اگر مفسّرین نے ''وجہہ'' کی نسبت حق کی طرف دی ہے تو وہ شئے پر عائد ہو یعنی ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ سوائے اس کی وجہہ (صورت) کے کہ وہ اس کی حقیقت اور اس کا عینِ ثابتہ ہے۔

یہ ہیں تصوّف کے چند بنیادی اصول جو مولانا جامی نے اپنی تصوّف کی کتابوں میں جا بجا بڑی تفصیل کے ساتھ مختلف پیرایوں میں بیان کیے ہیں۔ کتاب **لوائح** کے شروع میں انھوں نے جو مناجات تحریر کی ہے وہ سیر وسلوک کے مراحل میں ان کی خواہشات کی غمّاز ہے۔ وہ مانگتے ہیں:

''اے اللہ! مجھے بُرے کاموں میں مشغول ہونے سے بچا اور اشیاء کے حقائق اس طرح دکھا جیسے وہ ہیں۔ ہماری آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھا اور ہر چیز کو جیسے (اس کی اصلیت) ہے ویسے ہمیں دکھا۔ عدم کو وجود کی صورت میں ظاہر نہ کر اور جمال ہستی پر نیستی کا پردہ مت ڈال۔ ان خیالی پیکروں کو حجاب اور دُوری کی علت نہ بنا بلکہ انھیں اپنے جمال کی تجلیات کا آئینہ عطا کر۔ وہم وگمان کی ان تصویروں کو ہماری جہالت اور نابینائی کا ذریعہ نہ بنا، بلکہ دانائی اور بینائی کا سرمایہ بنا۔ ہماری مہجوریاں اور محرومیاں ہم ہی سے ہیں۔ ہمیں اپنے حال پر مت چھوڑ، بلکہ ہمیں ہم سے علیحدہ کر کے اپنے ساتھ ملا۔

یا رب دل پاک و جان آگاہم دہ — آہ شب و گریۂ سحرگاہم دہ
در راہ خود اوّل ز خودم بیخود کن — آنگہ بیخود بہ سوی خود را ہم دہ''(۱۷۰)

حکما اور متکلمین کے مبادیات پر تصوّف کے نظریات کی فوقیت، جامی کے ہاں تسلیم شدہ ہے۔ اگرچہ ہمیں جامی کا وہ رسالہ دستیاب نہیں ہوا جس میں انھوں نے متکلم، صوفی اور حکیم (فیلسوف) کے محاکمہ پر لکھا ہے لیکن مثنوی **سبحۃ الابرار** میں ان کی ایک نظم موجود ہے جس میں وہ تصوّف کو، جو اہلِ جذب وحال کا طریقہ ہے، اہلِ کلام کے مذہب پر، کہ وہ لوگ قیل وقال کے پابند ہیں، ترجیح دی ہے۔ وہ نظم ملاحظہ ہو:

فاضلی وادی برهان پیمای — در بیابان جدل جان فرسای
عمر در بحث و جدل طی کرده — پای یکران امل پی کرده

نہ دلش را ز طریقت نوری	نہ سرش را ز حقیقت شوری
صوفی ای دید ز آلایش پاک	زدہ در چہرۂ آسایش خاک
از ریاضت شدہ چون موی، تنش	سر مویی نہ سر خویشتنش
شد بہ جنگ آوریش شیر مصاف	زخم زن گشت بہ شمشیر خلاف
گفت کای روی تو چون خوی درشت	کردہ بر صحبت دانایان پشت
با شناسایی خود ساختہ ای	گو خدا را بہ چہ بشناختہ ای؟
گفت از آن فیض کہ ہر لحظہ زغیب	ریزدم بر دل و جان پاک زعیب
فاضلش گفت دین کشف نہان	چون شوی قائد کوران جہان؟
گفت من غرق شناسا وریم	نیست کاری بہ شناسا گریم
ہر کہ پی بر پی من بشتابد	ہرچہ من یافتم او ہم یابد
کارمن نیست کہ کس را بہ جدال	رونمایم بہ خدای متعال (۱۷۱)

جامی کے ہاں فلاسفہ کے نظریات اوران کی موشگافیوں کا متکلمین کے مبادی اور صوفیہ کی تعلیمات کے سامنے کچھ وزن نہیں ہے۔ جامی کے خیال کے مطابق فلاسفہ کا گروہ شریعت کے صراطِ مستقیم سے بھٹکا ہوا ہے اور اہلِ طریقت کے وجد و حال سے بے بہرہ ہے۔ نور حقیقت کو دین کے سوا اور کہیں نہیں پایا جا سکتا اور نہ ہی اس کے بغیر قانون فلسفہ کی کوئی افادیت ہے۔ جامی مثنوی **لیلیٰ و مجنون** کے آخر میں اپنے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کو فلاسفہ کی پیروی کرنے سے منع کر کے علمائے دین کی تقلید کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

چون فلسفیان دین بر انداز	از فلسفہ کار دین مکن ساز
پیش تو رموز آسمانی	افسون زمینیان چہ خوانی؟
یثرب اینجا، مشو چو دونان	اکسیر طلب ز خاکِ یونان
گر حرف شناس دین زبون نیست	از سور مدینہ دین برون نیست
رہ نیست جز آنکہ مصطفیٰ رفت	تا مقعد قدس راست پا رفت
می کن بہ رہش نگاہ و می رو	می بین پی او براہ و می رو
زان رہ کہ ز پای او نشان نیست	برگرد، کہ جز ہلاک جان نیست (۱۷۲)

مولانا جامی کی سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستگی کی توثیق اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب **نفحات الانس** میں اکثر مشائخِ نقشبندیہ مثلاً خواجہ بہاء الدین محمد بخاری، مولانا نظام الدین خاموش، خواجہ محمد پارسا بخاری اور مولانا سعد الدین کاشغری وغیرہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور اپنی اکثر مثنویات میں ان کی مدائح لکھی ہیں اور ان کی روح سے فتوح طلب کی ہیں۔ مولانا کے تمام صوفیانہ رسائل و کتب پر سلسلۂ نقشبندیہ کے اعتقادات و نظریات کی چھاپ لگی ہے۔ **نفحات الانس** میں خواجہ عبیداللہ احرار کا نام بڑے ادب و احترام سے لیا ہے۔ اُن کے حالات کے اختتام پر مولانا جامی کا یہ بیان قابلِ غور ہے:

> ''خواجگان نقشبند بالخصوص خواجہ بہاء الدین کے حالات و ملفوظات اور طریقہ سے معلوم ہوا کہ وہ اہلِ سنت و جماعت کے عقائد پر کار بند تھے اور ان کا طریقہ، سنت نبوی کا اتباع، احکامِ شریعت کی اطاعت اور دائمی بندگی ہے جس سے ہماری مراد کسی غیر وجود کے شعور کی مزاحمت کے بغیر حق سبحانہٗ کا دائمی عرفان ہے، پس جو لوگ ان بزرگوں (اہلِ طریقت) کو نہیں مانتے، اس کی وجہ ان کے ظاہر و باطن پر چھائی ہوئی ہوس اور بدعت کی ظلمت ہے اور حسد و تعصب نے انھیں اندھا کر رکھا ہے، جس سے وہ انوارِ ہدایت اور آثارِ ہدایت نہیں دیکھ پاتے اور مشرق تا مغرب پھیلے ہوئے انوار و آثار سے انکار کرتے ہیں۔ افسوس صد افسوس!
>
> نقشبندیہ عجب قافلہ سالاران اند — کہ برند از رہ پنہان بہ حرم قافلہ را
>
> از دل سالک رہ جاذبۂ صحبتشان — می برد وسوسۂ خلوت و فکر چلہ را
>
> قاصری گر زند این طایفہ را طعن قصور — حاش للہ کہ بر آرم بہ زبان این گلہ را
>
> ہمہ شیران جہان بستۂ این سلسلہ اند — روبہ از حیلہ چسان بگسلد این سلسلہ را؟'' (۱۷۳)

یہ نہ سمجھا جائے کہ جامی طریقۂ تصوّف کے مجازی طور پر یعنی صوفیہ کے ظاہری آداب و رسوم کے مقلد تھے، بلکہ وہ ہمیشہ حقیقت پسند رہے ہیں اور اپنی توجہ تصوّف کے باطنی اور حقیقی مقاصد پر مرکوز رکھی ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کے ان پیروں کو آڑے ہاتھوں لیا ہے جو خانقاہوں میں تصوّف کو ذریعۂ معاش بنائے بیٹھے تھے۔ وہ ان کو گمراہ اور گمراہ کن قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> می زند شیخِ ما ز شور و شغب — صیحۂ صبحگاہ و ہی ہی شب

سر پُر از کبر و دل پُر از اعجاب　　روی در خلق و پشت بر محراب
صف زده گردش از خران گله ای　　در فکنده به شہر ولولہ ای
چیست این؟ شیخ ذکر می گوید　　لوث غفلت بہ ذکر می شوید
ناگہان مردکی دوید از در　　کرد در گوش شیخ و یاران سر
کہ فلان خواجہ یا امیر رسید　　حضرت شیخ را محبّ و مرید
شیخ و اصحاب او ز دست شدند　　و ز شراب غرور مست شدند
ذکر را شد چنان بلند آہنگ　　کہ از آن مردم آمدند بہ تنگ
گشت خشک از فغان سقف شگاف　　ذاکران را درون ز لب تا ناف
آن یکی بر دہان کف آوردہ　　و ز کف خود طپانچہ ها خوردہ
و آن دگر جیب خرقہ چاک زدہ　　دم بہ دم آہ دردناک زدہ
خنکی چند کردہ خود را گرم　　نہ ز خالق نہ از خلایق شرم
شیخ چون ذکر را فرود آورد　　رو بہ میدان گفتگو آورد
سخن از کشف راند و ز الہام　　فرق گوید میان حال و مقام
او ز تحقیق دم زند امّا　　رسم تقلید سازدش رسوا"(۱۷۴)

نفحات الانس میں جامی نے سیّد قاسم انوار تبریزی(۱۷۵) کے حالات کے ذیل میں بڑے لطیف اور معقول انداز میں ان کے مریدوں کی مذمت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "ان کے اکثر مریدین حلقۂ اسلام سے خارج تھے اور بے دینی کے دائرے میں (اپنی) شریعت اور سنّت کے ساتھ داخل تھے۔"(۱۷۶) پھر جامی سیّد کے پیروکاروں کی غیر معمولی آزادی اور رویے کی بات کرتے ہیں کہ کس طرح ان لوگوں نے خانقاہ میں نفسانی اشتہاؤں اور جسمانی لذتوں کا دسترخوان بچھا رکھا تھا۔ جامی لکھتے ہیں:

"سیّد قاسم بہت سخی تھے، اس لیے انھیں جو بھی نذر و نیاز آتی، سب لنگر پر صَرف ہو جاتی۔ (اور اس طرح) نفس و ہوا کے مارے مریدوں کی خواہشات کی تکمیل ہوتی رہتی۔ ان کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ وہاں حریص لوگوں کا جمگھٹا رہتا جو اپنے مرشد (سیّد قاسم انوار) کے معارف و ملفوظات تو سنتے مگر اپنے نفس و ہوا کی خاطر

ان میں ایسا تصرّف کرتے کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل اور ضمیر کی مخالفت سے چشم پوشی کا جواز نکل آتا۔ ان کے لیے سب کچھ مباح تھا اور شرع وسنت کی ان کے ہاں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ البتہ خود سیّد قاسم ان سب آلایشوں سے پاک تھے۔"(۱۷۷)

سلسلۃ الذہب دفتر اوّل میں ایک مفصل نظم بعنوان ''صوفی نمایان ظاہر آرای و معنی گدازان صورت پیرای'' ہے جس میں اس قسم کے صوفیہ کے لنگر خانوں میں ان کے چیلوں کے فسق وفجور پر اعتراض کیا گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

حذر از صوفیان شہر و دیار — ہمہ نا مردم اند و مردم خوار
کار شان غیر خواب و خوردن نہ — ہیچ شان فکر روز مردن نہ
ذکر شان حصر در وجوہ معاش — فکر شان صرف بہرہ سفرہ و آش
ہر یکی کردہ منزلی دیگر — نام آن خانقاہ یا لنگر
فرشہای لطیف افکندہ — ظرفہای نکو پراکندہ
دیگدان کندہ دیگ بنہادہ — کردہ آلات مطبخ آمادہ
چشم بر در کہ کیست از دِہ و شہر — یافتہ از طریق مردان بہر
گوشت یا آرد آورد دو سہ من — تا نشیند بہ صدر شیخ زَمن
سر انبان لاف بکشاید — بر حریفان گزاف پیماید
نکند بس ز مہمل و قلماش — تا بدان دم کہ پختہ گردد آش
بہر آش است آشنایی او — و آتش دیگ روشنایی او
ہر کجا مفسدی مجالی یافت — کامروی را ز شہر سر بر تافت
کرد یاد حضور درویشان — کہ سرم خاک مقدم ایشان(۱۷۸)

اس نظم کا خاتمہ اِن اشعار پر ہوتا ہے:

این نہ صوفی گری و آزادی ست — بلکہ کیدی گری و قوادی ست
شیخ و صوفی کہ گفتمت صد بار — می کنم زان حدیث استغفار
آن فرومایہ را چہ استحقاق — کاین اسامی بر او شود اطلاق

لقب و اسم پادشاہی چند حیف باشد بر این دغایی چند (۱۷۹)

تصوّف اور روحانیت کے حوالے سے جب ہم جامی کی بات کر رہے ہیں تو ان کی سب سے نمایاں خوبی کا ذکر بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ انھوں نے پیری و مریدی کا کوئی مرکز قائم نہیں کیا، نہ وہ کرامات، مکاشفات اور خوارق عادات کا اظہار (پسند) کرتے تھے۔ وہ کبھی شیخ طریقت بن کر نہیں بیٹھے اور نہ ہی دوسرے لوگوں کو اپنی پیروی اور ارادت کی دعوت دی ہے۔ میر علی شیر نے **خمسۃ المتحیرین** میں لکھا ہے:

> ''انھیں (جامی کو) حق تعالیٰ کی طرف سے خوارق عادات کے اظہار کا اُمر نہیں تھا، چنانچہ وہ اپنی پاکیزہ کیفیات کو طریقۂ ملامتیہ کی طرح اور شاعر و ملاّ بن کر پوشیدہ رکھتے۔''(۱۸۰)

عبدالغفور لاری **تکملہ** میں مولانا جامی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

> ''وہ فرماتے کہ کشف و کرامات پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں کہ فقیر ایک دولت مند کی مجلس میں جائے اور اُسے وہاں تاثیر و جذب حاصل ہو اور وہ کچھ دیر اپنے آپ سے بے خبر رہے۔
>
> یاری کہ بدیدار وی از دست شوی آن بہ کہ بہ زیر پای او پست شوی
> گر می نخوری ز جام لعلش باری از شیوۂ چشم مست او مست شوی''(۱۸۱)

لاری نے جامی کے حالات و مکاشفات میں آگے چل کر لکھا ہے:

> ''وہ فرماتے کہ جب ہم خود کو مرتبۂ اجمال میں پاتے ہیں تو مغلوب ہو جاتے ہیں اور ہم پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ہم زمین سے جدا ہو گئے ہیں اور ہمارا پاؤں زمین پر نہیں ٹکتا۔''(۱۸۲)

مولانا لاری نے اس پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ جامی نے پیری و مریدی کا باقاعدہ کام کیوں شروع نہیں کیا۔ جامی کی مشائخِ نقشبندیہ سے ارادت کے سلسلے میں لاری لکھتے ہیں:

> ''جامی کسی کو اس طریقہ (نقشبندیہ) کی تلقین نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ وہ حضرت مخدوم (سعد الدین کاشغری) سے مجاز اور غیب سے اذن یافتہ تھے۔ ہاں اگر اچانک کوئی فقیر منش شخص انھیں مل جاتا تو چپکے سے اُسے طریقۂ نقشبندیہ سے

متعارف کرتے، مقصد نہایت لطافت اور نازکی ہوتا۔ وہ فرماتے کہ میں اس طریقہ میں شیخ بننے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن عمر کے آخری دنوں میں وہ اہلِ طلب کی طلب میں رہنے لگے۔ وہ فرماتے کہ افسوس! اب (حقیقی) طالب ناپید ہیں، یوں تو طالب بہت ہیں مگر اپنی لذت کے:

قومی کہ کام دل طلبند از شکر لبان
شک نیست عاشق اند ولی عاشق خود اند"(۱۸۳)

لاری مزید لکھتے ہیں:

"چونکہ حضرت جامی پر توحید وفنا کی نسبت غالب تھی، اس لیے وہ کسی کی صحبت سے، خواہ صالح ہوتا خواہ طالح، اجتناب نہیں کرتے تھے، بلکہ سلسلۂ نقشبندیہ کے اصولِ تصوّف "خلوت در انجمن"(۱۸۴) کے مطابق وہ باطنی شغل کو ظاہر کے ساتھ ملائے رکھتے تھے۔"(۱۸۵)

رشحات عین الحیات میں جہاں جامی کے روحانی مرتبۂ کمال اور اَرفع مقام کا ذکر ہوا ہے وہاں عوام الناس سے ان کے تعلق اور معاشرے سے آمیزش کو ان کی اخلاقی تربیت کا اصول اور روحانی مبادیات کی بہترین دلیل سمجھا گیا ہے۔ کاشفی لکھتے ہیں:

ایک دن (جامی) نے کسی سے پوچھا، کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا: "مجھے حضوری ملی ہوئی ہے۔ عافیت کی چادر میں پاؤں لپیٹ کر فراغت کے گوشے میں بیٹھا ہوں۔" جامی نے فرمایا: "چادر میں پاؤں لپیٹ کر ایک گوشے میں بیٹھ جانا حضوری اور عافیت نہیں ہے بلکہ عافیت یہ ہے کہ اپنی ذات سے نجات پائی جائے۔ پھر کسی گوشہ میں جا بیٹھو، چاہے لوگوں کے درمیان رہو۔"(۱۸۶)

کاشفی مزید لکھتے ہیں:

"کسی نے جامی سے پوچھا: "حضرت! کیا سبب ہے کہ آپ تصوّف پر کم بولتے ہیں؟" فرمایا: "شاید اس لیے کہ ہم دونوں کبھی ایک دوسرے کو کھلاتے رہے ہیں۔"(۱۸۷) (یعنی تم مجھے خوب پہچانتے ہو، اب میرے کسی دعوے کو تم لاف و گزاف پر محمول کرو گے۔ مترجم)

جامی کی طریقۂ نقشبندیہ سے قلبی ارادت کے بارے میں صاحبِ **رشحات** کا قول ہے:

''وہ (جامی) فرماتے ہیں کہ ہم نے طریقِ خواجگان قدس سرہم میں کسی کو کم دیکھا ہے کہ اس میں ایک قسم کی چاشنی اور کشش نہ ہو۔ اس سلسلے کی ابتدا دوسرے (سلاسل کے) مشایخ کی انتہا ہے۔ جس نے ایک بار اِس سلسلے کو قبول کرلیا، شاذ ونادر ہی وہ اس سے الگ ہوتا ہے۔ اگر وہ غلبۂ نفس کے ہاتھوں اسے چھوڑ بھی دے تو اسے واپس لوٹالیا جاتا ہے۔''(۱۸۸)

جامی کی دل پر توجہ اور ذکرِ قلبی پر صاحبِ **رشحات** کا بیان ہے:

''ایک دن کسی نے جامی سے درخواست کی، مجھے کوئی ایسی نصیحت فرمایئے کہ باقی تمام عمر اسی میں مشغول رہوں۔ جامی نے فرمایا کہ کسی نے یہی سوال حضرت مخدوم مولانا سعدالدین قدس سرہٗ سے بھی کیا تھا تو انھوں نے بائیں پہلو پر ہاتھ رکھ کر قلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں مشغول رہو، یہی کام ہے، یعنی ''وقوف قلبی'' لازم ہے۔ اسی مفہوم پر جامی کی رباعی ہے:

ای خواجہ بہ کوی اہل دل منزل کن　　در پہلوی اہل دل دلی حاصل کن
خواہی بینی جمال معشوق ازل　　آئینۂ تو دل است رُو در دل کن''(۱۸۹)

کرامات

اگرچہ مندرجہ بالا تمام روایات، تصوّف کے مراحل میں جامی کے مشرب اور مذہب کی پاکیزگی، ارفع مقام اور عظمت کی ترجمان ہیں اور اپنی جگہ کشف وکرامت ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے جامی سے منسوب کشف وکرامات کے بیان کی ضرورت نہیں رہتی، تاہم جامی کے مریدوں اور عقیدت کیشوں نے ان کی کرامات بیان کی ہیں۔ ہمارے خیال میں ان حکایات کا نقل کرنا درویشی اور وارستگی میں جامی کے اعلیٰ مقام کو گھٹا نہیں سکتا تو قطعاً بڑھا بھی نہیں سکتا۔ پھر بھی یہ دیکھنے کے لیے کہ دوسرے لوگ ان کی حیثیت کے کس درجہ تک قائل تھے، ہم **رشحات عین الحیات** سے چند کرامات نقل کررہے ہیں:

۱۔ صوبۂ گیلان میں ایک شخص چند روز بیمار رہ کر انتقال کرگیا۔ اس کی اولاد، دوست، احباب، اعزّہ واقارب، سب اس کی موت پر ماتم کناں تھے لیکن جب وہ اس کی تجہیز وتکفین کرنے

لگے تو اچانک میّت میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ مرا ہوا شخص آہستہ آہستہ بے ہوشی کی حالت سے آفاقہ پا کر اسی دن صحیح سلامت بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جو لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے، سب مبہوت کھڑے رہ گئے۔ کسی کو حقیقت حال معلوم نہ ہو سکی۔ کچھ روز کے بعد اُس شخص نے اپنے چند ہم راز دوستوں کو بتایا کہ جب مرض کی شدت اور اضطراب کے بعد میری روح پرواز کرنے لگی تو اچانک مولانا عبدالرحمٰن جامی ظاہر ہوئے اور مجھ پر توجہ فرمائی تو اسی وقت میرا مرض جاتا رہا۔ اس واقعہ کے بعد گیلانی شخص نے بیس ہزار کپکی دینار اور پشم اور کتان کی نفیس اجناس مولانا جامی کی خدمت میں روانہ کیں اور نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے اُن سے سلسلہ (میں داخل ہونے) کی درخواست کی۔ چنانچہ مولانا نے طریقۂ خواجگان قدس اللہ ارواحہم پر ایک مختصر مگر مفید رسالہ لکھ کر اسے بھیجا اور اس کے اختتام پر تحریر کیا: اگرچہ اس قسم کی باتیں کہنا اور لکھنا اس فقیر کا شیوہ نہیں ہے لیکن آپ کی طرف سے اخلاص کی جو خوشبو ہمارے مشام ذوق کو پہنچی وہ باعث تحریر بنی:

با این ہمہ بی حاصلی و ہیچ کسی　　درماندہ نارسائی و بوالہوسی
دادیم نشان بہ گنج مقصود ترا　　گر ما نرسیدیم تو شاید برسی (۱۹۰)

۲۔ ایک دن حضرت مولانا سیف الدین احمد شیخ الاسلام ہرات (۱۹۱) اپنے دوسرے تدریس پیشہ احباب کے ہمراہ مولانا جامی کی خدمت میں آئے۔ انھوں نے ضیافت کے بعد گویّوں اور سازندوں کو محفل میں غزلیں پڑھنے، راگ گانے اور ساز بجانے کے لیے کہا۔ اتفاق سے اس واقعہ کے دو تین دن بعد مولانا جامی چہل قدمی کرتے ہوئے زیارت گاہ کی طرف نکل گئے اور وہاں شیخ شاہ سے، جو متقی مشائخ میں سے تھے، ملاقات کی۔ شاہ صاحب کو پہلے ہی شیخ الاسلام ہرات کی جامی سے ملاقات اور محفل سماع منعقد ہونے کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ انھوں نے باتوں باتوں میں جامی سے کہا: ''مولانا! آپ تو علماے عالم کے مقتدا اور عرفاے عرب وعجم کے پیشوا ہیں، پھر آپ کی بابرکت محفل میں گانا بجانا اور (صوفیانہ) رقص کیسا؟'' جب شاہ صاحب یہ اعتراض کر چکے تو مولانا جامی اپنا منہ ان کے کانوں کے قریب لے گئے اور چپکے سے کوئی بات کہہ دی جس کا حاضرینِ مجلس کو پتا نہ چل سکا۔ اچانک شاہ صاحب چیخے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور بہت دیر بعد ہوش میں آئے۔ اب انھوں نے مولانا جامی کی خدمت میں بے حد نیاز مندی کا اظہار کیا اور پھر کبھی اس قسم کی بات منہ سے نہیں نکالی۔ (۱۹۲)

میر علی شیر نوائی ایک صاحبِ نظر اور دانشور شخص ہے۔ اس نے بھی اپنی کتاب خمسۃ المتحیرین میں مولانا جامی کی کرامات پر مبنی چند حکایات درج کی ہیں۔ ہم یہاں دو ایسی کرامات درج کر رہے ہیں جن سے تاریخی معلومات بھی دستیاب ہوتی ہیں۔

۱۔ سیدیم عراقی نام ایک جوان جو مظفر برلاس [۱۹۳] کا ملازم اور دیوان خانے کا داروغہ تھا، اپنی کم عقلی کے باعث حضرت جامی (کے مقام و مرتبت) کا منکر تھا۔ ایک دن اپنی اسی فرومائیگی کے ہاتھوں اس نے آنحضرت (جامی) کا دیوان پھاڑ کر جلا دیا۔ انھی دنوں اس کے جسم پر کوئی زخم لگا اور متورّم ہو کر اس میں پیپ پڑ گئی، جو بالآخر جذام کی صورت اختیار کر گیا اور اس شخص کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔"

۲۔ جب سلطان حسین بایقرا کا وزیر مجد الدین محمد خوافی، جامی کی سفارش سے سلطان کی طرف سے سنائی جانے والی سزائے قید اور شکنجہ سے بچ نکلا اور اس کے میر علی شیر کے ساتھ تعلقات کشیدہ تھے تو:

"مجد الدین محمد، جو اپنی شہرت کے باعث محتاج تعارف نہیں، کی کسی غلطی کی بنا پر بادشاہ نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا اور قید کی سزا سنائی۔ جب رہائی کے لیے اس سے ضامن مانگا گیا تو اس نے حضرت جامی سے اپنی ضمانت کی درخواست کی جو انھوں نے کمال مہربانی سے قبول فرما لی (اور ضمانت دے دی) لیکن وہ بے انصاف (مجد الدین) قید سے چھوٹتے ہی مفرور ہو گیا۔ لیکن دس پندرہ روز کے اندر دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور اس کی پیشی ہوئی۔ اب کے اُسے نہ صرف جرمانہ ادا کرنے اور شکنجے میں ڈالنے کا حکم دیا گیا بلکہ ماموریںِ دیوان نے اُس کی ساری جائیداد بھی ضبط کر لی اور شہر بدر کر دیا گیا۔" [۱۹۴]

خمسۃ المتحیرین کے اختتام پر علی شیر نوائی نے ان رسائل کی نشاندہی کی ہے جو معاصرین نے جامی کے حالات و کرامات پر تحریر کیے ہیں اور لکھا ہے:

"حضرت جامی کی کرامات پر دوسرے لوگوں مثلاً مولانا عبدالواسع [۱۹۵] اور مولانا احمد پیر شمس [۱۹۶] کی کتب و رسائل بھی موجود ہیں۔ طالبین ان کتب و رسائل کی طرف رجوع کریں۔" [۱۹۷]

باب پنجم

جامی کا مزار

جامی کا مزار

جامی کے مزار کے بارے میں یہاں چند تاریخی اور جغرافیائی معلومات درج کی جاتی ہیں۔

مولانا عبیداللہ بن ابوسعید ہروی نے رسالۂ **مزارات ہرات** (تألیف ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۴ء) میں جامی کی تدفین کا ذکر یوں کیا ہے:

> ''خاقان کبیر سلطان حسین میرزا، امیر علی شیر، ارکان حکومت، سادات، علما اور مشائخ پل توکلی [۱] کے قریب واقع آنجناب (جامی) کے دولت خانہ [۲] تشریف لے گئے۔ تجہیز و تکفین کے بعد آنحضرت کی نعش عیدگاہ ہرات میں لائی گئی اور نماز جنازہ کے بعد انھیں ان کے پیر بزرگوار مولانا سعدالدین کاشغری کے مزار کے بالمقابل دفن کر دیا گیا۔
>
> آنحضرت کا مزار قبلۂ حاجات اور کعبۂ مرادات ہے۔ ہرات کے اکثر لوگ ہفتہ کے دن مزار کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔'' [۳]

مولانا جامی کی قبر حضرت کاشغری کی قبر کے پاس واقع ہے اور یہ جگہ ''تخت مزار'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس احاطہ میں مدفون دیگر بزرگوں کی قبور کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ مولانا عبداللہ ہاتفی۔ مولانا کاشغری کے پائین جانب مدفون ہیں۔ موصوف جامی کے بھانجے تھے۔

۲۔ مولانا عبدالغفور لاری، ان کی قبر مولانا جامی کے پائین جانب ہے۔

۳۔ مولانا محمد۔ مولانا جامی کے بھائی تھے اور ان کی قبر جامی کی قبر کے سامنے تھی، جو اب مٹ چکی ہے۔

لوحِ مزار

مولانا جامی کی قبر کے سرھانے سنگ رخام نصب ہے اس پر ہرات کے مشہور خطاط ملا محمد حسین سلجوقی کے خط میں درج ذیل عبارت کندہ ہے:

هو الباقی. کل من علیها فان و یبقی وجه ربک ذو الجلال والاکرام. قد اجاب دعوة الحق و اتی بقلب سلیم. بہ فحوای ندای یا ایتها النفس المطمئنه ارجعی الی ربک راضية مرضیه طاوس روح مقدس عنقای قاف لاہوت، وشاہباز بلند پرواز اوج جبروت، مہبط انوار قدم، کاشف اسرار علوم وحکم، مسند نشین کعبۂ عالی مقامی، بلبل خوش آہنگ بہارستان بلند نامی، عارف نامی وقطب گرامی، مولینا نور الحق والملۃ والدّین عبدالرحمٰن الجامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ السامی از مضیق دامگاہ غرور بوسعت سرای سرور پرواز نمود۔

جامی کہ بود مائلِ جنت مقیم گشت — فی روضۃ مخلدۃ ارضہا السما
کلک قضا نوشت روان بر در بہشت — تاریخہ ''و من دخلہ کان آمنا''

بسعی و اہتمام رستم علی خان این لوح نصب شد۔ از زایرین امید دعای خیر میدارد۔ ۱۳۰۴ھ''(۴)

جامی کے مزار کا محلِ وقوع

جامی کا مزار ہرات کے قدیم شہر سے شمال مایل بہ مغرب اور نئی آبادی سے شمال مغرب میں تقریباً ایک کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مزار اور اس کے گردونواح کے علاقے کو ''خیابان ہرات'' کہتے ہیں۔ وہاں سے شمال مغرب میں شیخ زین الدین خوافی کا مزار ہے۔ مزار سے تقریباً پندرہ سو قدم پر شمال میں واقع پہاڑی پر سیّد ابوعبداللہ مختار (۵) کی قبر ہے۔ خیابان کے اسی علاقے میں بزرگوں کے مزار کثرت سے واقع ہیں جن میں سے بعض آباد ہیں اور بعض اب اس طرح بے نام و نشان ہو چکے ہیں کہ ان کے سابقہ محل وقوع کی گواہی صرف تاریخ کے اوراق ہی دے سکتے ہیں۔

مولانا جامی کے مزار کی آبادی کا نقشہ یوں ہے کہ وہاں ایک صحن، ایک باغ اور ایک باغیچہ ہے۔ صحن ایک ایسے احاطہ میں مشتمل ہے جس کے اردگرد ایک خشتی دیوار ہے۔ صحن پتھر اور اینٹ

سے بنا ہوا ہے۔ ان سیاہ اور سفید قدرتی پتھروں کو ایک موزوں اور منظم ترتیب کے ساتھ فرش پر لگایا گیا ہے۔ اس کے وسط میں تقریباً شمال کی طرف اینٹوں کے ایک جالی دار چبوترے پر مولانا جامی اور دیگر عمائدین کی قبریں ہیں۔ صحن کی غربی جانب درمیانہ درجے کا ایک ایوان ہے۔ ایوان کے دائیں بائیں اینٹوں سے تعمیر شدہ دو منزلہ حجرے ہیں۔ ایوان کا محراب، مسجد کے محراب کی طرز پر ہے۔ ایوان کی شمالی دیوار میں ڈیڑھ میٹر اونچا پتھر نصب ہے۔ اس پتھر (جس پر ۱۳۲۹ھ کی تاریخ درج ہے) پر ۱۳۲۵ھ میں مرحوم امیر حبیب اللہ خان کے دورۂ ہرات اور ان کے حکم سے جامی کے مزار، باغیچہ اور مسجد کی تعمیر و ترمیم کا ذکر ہے۔

ایوان کے شمالی گوشے میں مسجد ہے۔ مذکورہ بڑے صحن کے دو راستے ہیں۔ ایک مشرقی طرف سے قبرستان کے عین وسط میں سیدھا چلا آتا ہے اور دوسرا صحن کی شمالی سمت سے باغ کی طرف جاتا ہے۔ صحن کے شمال میں چنار کے درختوں کا باغ ہے۔ باغ کا احاطہ خام تھا اور اس کی دیوار دو میٹر اونچی ہے۔ چنار کے بعض مضبوط درخت باغ کی کہنگی یا قدامت کی شہادت دیتے ہیں۔ صحن کی مغربی جانب بھی ایک باغچہ میں صنوبر کے دو پرانے درخت ہیں۔ اس باغچے کا ایک حصہ اب قبرستان میں تبدیل ہو چکا ہے۔

صنوبر کے مذکورہ باغ میں سیڑھیوں کے قریب ایک پختہ حوض تعمیر ہوا ہے۔ باغ کے درمیان اینٹوں سے بنا ہوا آدھا میٹر اونچا چبوترا ہے۔ باغ کی تمام روشیں یہیں آ کر ختم ہوتی ہیں۔

مزار کی تولیّت

مولانا کے مزار کے لیے وقف تمام مزروعہ زمینوں وغیرہ کا انتظام ہرات کے محکمۂ اوقاف کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن مزار کی تولیّت ملا محمد فاروق خلف آخند ملا فیض محمد مرحوم کے پاس ہے۔ مزار، باغ اور صحن کی صفائی کے علاوہ زائرین کی پذیرائی، مسجد جامی کی خطابت اور امامت انھی کے ذمہ ہے۔ ان کی اقامت گاہ مزار کے قریب ہی جنوبی سمت میں واقع ہے۔

مزار کی نسبت عوام کے عقائد

یہاں کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر ہفتہ کے دن اور رات کو مولانا جامی کے مزار کی زیارت کی جائے تو اس کے خاص اثرات مرتّب ہوتے ہیں۔ یہ شعر زبان زدِ عام ہے:

ہر کہ آید یوم شنبہ در طواف مولوی　　　ہر طواف مولوی ہفتاد حجِ اکبر است

اضافہ از مترجم:

علی اصغر حکمت نے مولانا جامی کے مزار کے محل وقوع، لوح مزار، عمارت کی ساخت اور تولیّت کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں وہ تقریباً آج سے ستّر سال پہلے کی ہیں۔ اب وہاں ہر چیز بدل چکی ہے۔ راقم السطور کو مولانا جامی کے مزار پر دو دفعہ جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس کا مختصر حال اور مزار جامی کے موجودہ کوائف پیش خدمت ہیں۔

مزار جامی پر مترجم کی حاضری

(پہلا سفر)

جولائی - اگست ۱۹۷۶ء میں میں پہلی بار ایران گیا تو واپسی کے لیے زمینی راستہ منتخب کیا اور ۴ اگست کو ایران و افغانستان کی تایباد - اسلام قلعہ سرحد سے افغانستان میں داخل ہوا۔ سرحد سے کوئی دو گھنٹے کے سفر کے بعد رات کسی وقت میں مینارا ہوٹل، ہرات پہنچا۔ مجھے اگلی صبح کابل روانہ ہونا تھا لیکن موقع سے فایدہ اٹھاتے ہوئے میں نے صبح ایک ٹیکسی کرایے پر لی اور پہلے شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کے مزار واقع گازرگاہ گیا۔ شیخ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے بعد مولانا جامی کی آرامگاہ پر پہنچا۔ ایک بڑی چاردیواری کے اندر بہت سی قبریں تھیں۔ اس چاردیواری کے احاطہ میں ایک چھوٹی سی چاردیواری تھی۔ اسی چاردیواری میں مولانا جامی، مخدوم سعدالدین کاشغری، مولانا عبدالغفور لاری، ہاتفی خرجردی وغیرہ کی قبریں ہیں۔ پختہ اینٹوں سے بنی ہوئی مولانا جامی کی قبر سب سے نمایاں تھی۔ قبر کے سر اور پاوں کی طرف جنگلی پستہ کے درخت اور ارد گرد گھاس اُگی ہوئی تھی اور قبر ایک طرح سے ان درختوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اتنے بڑے عالم، شاعر اور عارف کی قبر کی یہ ویرانی اور خستگی دیکھ کر دُکھ ہوا۔

(دوسرا سفر)

ہرات کا دوسرا سفر پہلے سفر سے ۳۴ سال بعد پیش آیا۔ میں ۲ جولائی ۲۰۱۰ء کو تاجکستان گیا۔ وہاں سے واپسی پر مجھے ایران جانا تھا۔ اس کے لیے میں نے افغانستان کا راستہ چنا۔ دوشنبہ سے کابل اور کابل سے ۲۶ جولائی کو ہرات پہنچا۔ اب میرا تاریخی اور ادبی شعور ۱۹۷۶ء کی نسبت

پختہ تر تھا اور تصوّف ، آثار قدیمہ، تاریخ اور فارسی ادب کے طالب علم کی حیثیت سے میرے لیے
ہرات کی اہمیت اور کشش دو چنداں تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مولانا جامی سے جو انس برسوں پہلے
پیدا ہو چکا تھا، اس کا تقاضا تھا کہ کچھ ایام ان کے جوار میں گذارے جائیں۔ مجھے یاد تھا کہ مولانا
جامی کا مزار محلّہ ''خیابان'' میں واقع ہے۔ لیکن میں اکیلا وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ۲۷ جولائی کو چند
ہراتی احباب کو، جن سے اسی سفر میں شناسائی ہوئی تھی، بطور راہ نما ساتھ لیا اور جامی کے مزار
پر جانے کے لیے نکلے۔ لیکن حیرت ہوئی وہ خود راہ بلد نہ تھے اور انھیں بار بار کئی لوگوں سے مزار تک
جانے والا راستہ پوچھنا پڑا! ملّہ میں بد واسی کو کہتے ہیں۔ ہماری گاڑی تاریخی مصلّیٰ سے گذر کر ایک
وسیع چوراہے پر پہنچی۔ یہ چوک مولانا جامی سے منسوب ہے اور اس کے چاروں طرف جامی کے
اوصاف اور مختصر حالات سنگ مرمر پر کندہ ہیں۔ اس چَوک سے ایک راستہ، ایوان مزار جامی کی
طرف جاتا ہے۔ ایوان کی طرف جاتے ہوئے بائیں ہاتھ چھوٹے قد کے سرسبز درختوں کی کیاری
ہے۔ ایوان ایک چار دیواری کے اندر ہے۔ ایوان میں داخل ہونے کے لیے ایک مرکزی دروازہ
اور ایک بغلی دروازہ ہے۔ ہماری گاڑی جب بڑی چار دیواری کے مرکزی دروازے پر رُکی تو وہ
منظر اس دھندلی تصویر سے بالکل مختلف نکلا جو میں ۱۹۷۶ء سے نہاں خانۂ ذہن میں سجائے ہوئے
تھا۔ ایسا لگا جیسے کسی نئی جگہ پر آ گیا ہوں۔ اس تصویر میں مولانا جامی کا مزار پستے کے درختوں اور
جھاڑ جھنکار میں واقع تھا لیکن اب کا منظر ایک باصفا جگہ کا تھا۔ ہم مرکزی دروازے سے داخل
ہوئے۔ دائیں بائیں بہت سی قبور ہیں۔ جن کے کتبے بتا رہے تھے کہ یہ سب حالیہ سالوں کے
مدفونین ہیں۔ یہاں سے گذرے تو ایوان مزار جامی نظر آ گیا جس کی اپنی چھوٹی چار دیواری ہے۔
اس چار دیواری کے سائے میں داخلے کے دروازے کے دائیں بائیں چند نادار خواتین، افغانی
برقعوں میں ملبوس، زائرین کی طرف سے خیرات کی منتظر بیٹھی تھیں۔ ایوان مزار جامی کے دروازے
تک پہنچا تو تجسس اور شوق کی آمیزش سے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میں ایسی شخصیت کی آخری
آرام گاہ پر حاضر ہو رہا تھا جن پر مطالعات کے لیے میں نے اپنی زندگی کے کچھ سال وقف کیے
تھے۔ ۸۱-۱۹۸۰ء میں جامی کا ترجمہ کرنے کے بعد بھی میں کئی سال تک جامی کے سحر میں گرفتار رہا
تھا اور اپنے ذہن کی نوزائیدہ ''کتابیات جامی'' کی پرورش کرتا رہا تھا۔ خواجہ احرار اور نقشبندیات پر
مطالعات کے دوران بار بار جامی سامنے آجاتے تھے۔ کئی سالوں پر محیط جامی سے یہ اُنس میرے

بہت کام آیا اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں اپنے ہی کسی بزرگ کے پاس جا رہا ہوں۔ وہ بزرگ جس کا جسم خاکی تو خاکِ ہرات میں دفن ہے لیکن اس کے فیضِ معنوی کی تابناک شعاعیں ہزاروں فرسنگ دور میرے گاؤں۔ ساہن پال۔ میں چمکتی ہیں جہاں میرے جدّ بزرگوار حضرت غلام مصطفیٰ نوشاہی اپنے مکاشفات میں کئی بار جامی کو بہ حالت بیداری دیکھنے کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ گویا حضرت جامی وہیں کہیں آس پاس رہتے ہیں۔

چھوٹی چار دیواری سے اندر داخل ہوا تو سامنے مولانا جامی کی قبر نظر آ گئی۔ سارا منظر بدلا ہوا تھا۔ قبر اب جاذب نظر سفید پتھر سے بن گئی ہے اور اس کے سرہانے پرانا کتبہ ہٹا کر (۱۳۸۵ش / ۲۰۰۶ء میں) نیا کتبہ لگا دیا گیا ہے۔ سفید پتھر پر سیاہ عبارت بہ خط نستعلیق خوب نظر نواز ہے۔ کتبے میں جامی کے لیے القاب و اوصاف، ان کی بعض تصانیف کے نام بہ صنعت براعت الاستہلال اور ان کی تاریخ ولادت و وفات بیان ہوئے ہیں۔ ایوان کا سارا فرش بھی ٹائلوں سے بنا ہے۔ افغانستان میں اکابر کی قبروں کا طول، انسانی قد سے لمبا رکھا جاتا ہے۔ مولانا جامی کی قبر کا طول بھی ان کے قد سے زیادہ ہے۔ قبر کی تعمیر سفید ٹائلوں سے اوپر تلے تین حصوں میں کی گئی ہے۔ نیچے بڑا تخت ہے۔ پھر اس کے اوپر چھوٹا تخت، اور اس سے اوپر اس سے چھوٹا تخت۔ سب سے اوپر والے تخت کے اندر خالی جگہ چھوڑ کر اس میں سبزہ اگا دیا گیا ہے اور جنگلی پستے کا وہ تاریخی درخت بھی اسی جگہ میں شامل ہو گیا ہے (تصویر ملاحظہ ہو)۔ اس درخت کی شاخوں نے پوری قبر کو ڈھانپ رکھا ہے۔ قبر کی پائنتی جانب ایک آہنی خزانہ پستے کے اسی درخت کے ساتھ زنجیر سے بندھا رکھا ہے جس میں زائرین نقد نذرانہ ڈالتے ہیں۔ قبر کے اردگرد بیٹھنے کے لیے سبز قالیچہ بچھا ہوا ہے۔ مولانا جامی کے سرہانے جو کتبہ نصب ہے اس کے دونوں طرف عبارتیں کندہ ہیں۔ اندرونی جانب یہ منظوم قطعۂ تاریخ وفات کندہ ہے:

الا انّ اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لا یحزنون

مرقد است این بارگاہ یا روضۂ خلد برین
یا جناب حضرت جامی است در اینجا دفین
آفتاب معرفت، سلطان اقلیم سخن
بحر توحید الٰہی، صاحب صدق و یقین

منبع انوار فیض و مظہر علم و عمل
در فضائل خاتم اہل فضیلت را نگین
در شریعت مقتدی و در طریقت مقتدا
وارث علم پیامبر عامل قرآن و دین
عرصہ دار نظم و نثر اندر جہان آریا
ہفت اورنگش طنین انداز چرخ ہفتمین
از بہارستان طبعش در طرب شد روزگار
از نگارستان کلکش تازہ شد روی زمین
شہرت نام و کلامش رفت در اندک زمان
از کنار دجلۂ بغداد تا اقصای چین
گوہر دُرج ادب اندر ہرات باستان
اختر برج شرف اندرخراسان مہین
از مزار فایض الانوار مولینای جام
بوی فیض و رحمت آید بر مشام زایرین
'عنبری' سال وفات از باغ رضوان سر بگیر
جایگاہ حضرت جامی است در 'خلد برین'
۸۹۸ھ ق

بیرونی جانب نثر میں یہ تحریر کندہ ہے (بترتیب سطور):

کل من علیھا فان و یبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام
آرامگاہ قدسی جایگاہ، طوطی گویای اسرار بہارستان
وجود، طاؤس خوشخرام گلستان شہود، شاہباز
بلند پرواز اوج ناسوتی، غوّاص دریای توحید
و معرفت لاہوتی، سالک مسالک جبروتی

سریر آرای ہفت اورنگ عرفان اسلامی،
صدر نشین جہان فرہنگ و ادب و خوشنامی
سخن سرای بزرگ خراسان نامی، عالم علم
لدّنی، قطب گرامی، نورالحق والمّلۃ
والدّین مولینا عبدالرحمٰن الجامی قدس
سرّہ السامی است کہ از رایحہ لوایح فیوض
و برکاتش مشام جان عارفان معطرہ از نفحات
انس آفرین کراماتش ضمیر عاشقان جاودانی
منوّر است و از صریر خامۂ عنبر شمامہ اش تا ہمیشہ دہلیز
بزرگ زمان پُر صدا است و ۵۴ اثر عالمانہ و عارفانہ
اش جاودانہ پُر باراست، ولادت باسعادتش ۸۱۷
ہجری و عمر شریفش ۸۱ سال و تاریخ وفاتش این است
جامی کہ بود مایل جنت مقام گشت
فی روضۃ مخلدۃ ارضہاء السماء
کلک قضا نوشت روان بر در بہشت
تاریخہٗ (ومن دخلہ کان اٰمنا)

۸۹۸

این لوح سنگ مرمرین از طرف ریاست فرہنگ و جوانان ہرات تہیہ و نصب گردید ۱۳۸۵

☆☆☆

مولانا جامی کی قبر کے سر کی طرف ایوان کی محرابوں والی عمارت ہے۔ محرابوں کے اندر بیٹھ کر نماز وغیرہ پڑھی جاسکتی ہے۔ اسی ایوان میں مزار کے خدّام کا رہائشی کمرہ ہے۔ عمارت کے دونوں سروں پر ایک ایک بلند مینار ہے۔

جس احاطے میں جامی کی قبر ہے، اس کے ساتھ کچھ اور مشاہیر کی قبریں بھی ہیں۔ بعض پر کتبات نصب ہیں اور بعض بے نام ونشان ہیں۔ جامی کی قبر سے متصل شمال مشرقی طرف مخدوم

سعدالدین کاشغری کی قبر ہے۔اس کے سرہانے بھی پستے کا درخت ہے اور مزار کا تاریخی کتبہ یہاں چھپا ہوا ہے۔مخدوم کی قبر چاروں طرف پختہ اینٹوں سے محیط ہے لیکن اس محیط کی درمیانی جگہ کچی اور خالی چھوڑ دی گئی ہے اس کے اندر کسی ٹوٹے پھوٹے تاریخی کتبے کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں۔

مولانا جامی کے قدموں میں ان کے شاگرد مولانا عبدالغفور لاری کی قبر ہے۔اس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔جامی کے مزار کے موجودہ خادم نے اس کی نشان دہی کی۔کتب تاریخ میں بھی یہی لکھا ہے کہ لاری کی قبر جامی کے قدموں کی طرف ہے۔لاری کے قبر سے مغرب کی طرف دو اور قبریں بھی ہیں۔

مخدوم سعدالدین کے قدموں میں جو قبریں ہیں ان میں ایک مولانا جامی کے بھانجے عبداللہ ہاتفی صاحبِ تیمور نامہ کی قبر ہے اور اس پر کتبہ موجود ہے۔کتبے کی عبارت یہ ہے (بترتیب سطور):

هوالغفور

تربت مولانا عبداللہ ہاتفی

از باغ دہر ہاتفی خوش کلام رفت
سوی ریاض خلد بصد عیش و صد طرب
جان داد رو بروضۂ پاک رسول وگفت
روحی فداک یا صنم ابطحی لقب
رفت از جہان کسی کہ بود لطف شعر او
آشوب تُرک و شور عجم، فتنہ عرب
تاریخ فوت او طلبیدم ز عقل گفت
از 'شاعر شہان و شہ شاعران' طلب

۹۲۷

فکری سلجوقی نے مولانا ہاتفی کی قبر کی جو کیفیت بتائی ہے اس کے مطابق ان کی قبر پر بھی پستے کا درخت سایہ افگن تھا، لیکن کوئی لوح مزار نہیں تھی۔اب لوح مزار نصب ہے اور اس پر جو

قطعۂ تاریخ کندہ ہے یہ وہی ہے جو مولانا حبیب اللہ نامی شاعر نے کہا تھا اور سلجوقی نے اسے نقل کیا ہے۔ (۶)

اسی احاطے میں مولانا جامی کے بھائی محمد بھی دفن ہیں لیکن مجھے ان کی قبر کا نشان نہیں ملا۔

ایوان مزار جامی کے احاطے سے مغربی جانب مسجد ہے۔ ایوان اور مسجد کے پچھواڑے میں ایک باغ ہے۔ ایوان کے چار اطراف قبرستان ہے جہاں ہرات کے کئی مشاہیر دفن ہیں۔

باب ششم

تصانیفِ جامی

تصانیفِ جامی

کثرتِ تألیفات

جامی کی متداول تصانیف، جو الگ الگ یا مجموعوں کی صورت میں دنیا کے ہر بڑے کتب خانے میں موجود ہیں، ان میں سے بعض ایران اور ہندوستان (و پاکستان) میں کئی بار طبع ہو چکی ہیں۔ جامی کی تصانیف کی نشان دہی کرنے والے قدیم ترین مصنّف سام میرزا صفوی، صاحبِ تحفۂ سامی ہیں جنھوں نے جامی کی چھوٹی بڑی، عربی، فارسی، منثور و منظوم ۴۵ تصانیف کے نام درج کیے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے: "جامی نے ساری عمر تصنیف و تألیف میں گذار دی اور ان کی تصانیف اس طرح ہیں:

۱۔ تفسیر قرآن، آیۂ "وایای فارھبون" تک

۲۔ شواہد النبوۃ	۳۔ اشعۃ اللمعات
۴۔ شرح فصوص الحکم	۵۔ لوامع
۶۔ شرح بعضی ابیات تائیہ فارضیہ	۷۔ شرح رباعیات
۸۔ لوائح	۹۔ شرح بیتی چند از مثنوی مولوی
۱۰۔ شرح حدیث ابی ذر غفاریؓ (۱)	۱۱۔ رسالہ فی الوجود
۱۲۔ ترجمۂ اربعین حدیث	۱۳۔ رسالۂ لا الٰہ الا اللہ
۱۴۔ مناقب خواجہ عبداللہ انصاری	۱۵۔ رسالۂ تحقیق مذہب صوفی و متکلم و حکیم
۱۶۔ رسالۂ سوال و جواب ہندوستان	۱۷۔ رسالۂ مناسک حج
۱۸۔ سلسلۃ الذہب	۱۹۔ سلامان و ابسال
۲۰۔ تحفۃ الاحرار	۲۱۔ سبحۃ الابرار
۲۲۔ یوسف و زلیخا	۲۳۔ لیلیٰ و مجنون

۲۴۔ خرد نامۂ سکندری
۲۵۔ رسالہ در قافیہ
۲۶۔ دیوان اوّل
۲۷۔ دیوان ثانی
۲۸۔ دیوان ثالث
۲۹۔ رسالۂ منظومہ
۳۰۔ بہارستان
۳۱۔ رسالۂ کبیر در معمّا
۳۲۔ رسالۂ متوسط [در معمّا]
۳۳۔ رسالۂ صغیر [در معمّا]
۳۴۔ رسالۂ اصغر در معمّا
۳۵۔ رسالۂ عروض
۳۶۔ رسالۂ موسیقی
۳۷۔ منشآت
۳۸۔ فوائد الضیائیہ فی شرح الکافیہ
۳۹۔ شرح بعضی از مفتاح الغیب، منظوم و منثور
۴۰۔ نقد النصوص
۴۱۔ نفحات الانس
۴۲۔ رسالۂ طریق صوفیان [۲]
۴۳۔ شرح بیت خسرو دہلوی
۴۴۔ مناقب مولوی
۴۵۔ سخنان خواجہ پارسا۔"[۳]

جامی کی تصانیف کی یہ وہ جامع ترین فہرست ہے جو اس کے قریب العہد تذکرہ میں درج ہوئی ہے۔ بعد کے جن تذکرہ نگاروں اور مورّخوں نے جامی کے حالات تحریر کیے ہیں وہ یہ تعداد بڑھا چڑھا کر پیش کرتے رہے ہیں، اور بظاہر مبالغے سے کام لیتے رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جامی کی کتب و رسائل، شروح و حواشی کی کُل تعداد لفظ "جامی" کے اعداد یعنی ۵۴ کے برابر ہے!

امیر شیر علی خان لودھی نے تذکرہ مرآت الخیال میں جامی کی تصانیف کی تعداد ۹۹ بتائی ہے۔ ان کا کہنا ہے:

"جامی نے ننانوے کتابیں تصنیف کیں جو سب کی سب ایران، توران اور ہندوستان میں اہلِ دانش کے ہاں مقبول ہوئیں اور کوئی بھی ان پر اعتراض نہ اُٹھا سکا۔"[۴]

لیکن لودھی نے اپنے دعوے کی تائید میں ان کتب کے نام نہیں گنوائے۔

مذکورہ بالا فہرست میں درج کتب کے علاوہ میری نظر سے جامی سے منسوب ایک اور منظوم کتاب تجنیس اللغات یا تجنیس الخط بھی گذری ہے، جس کا ایک مصرعہ ہے:

مصر شہر و شہر ماہ و ماء آب و خوف سہم

بظاہر یہ کتاب لندن اور کلکتہ سے چھپ چکی ہے۔

مولانا عبدالغفور لاری نے اپنے استاد جامی کی ۴۷ تصانیف کے نام درج کیے ہیں اور **تحفۂ سامی** میں مذکور ۴۵ کتب پر مندرجہ ذیل تین ناموں کا اضافہ کیا ہے:

۱۔ شرح ابی رزین عقیلی ۲۔ رسالۃ فی الواحدہ

۳۔ صرف فارسی منظوم و منثور

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ لاری کی مندرجہ فہرست، **تحفۂ سامی** سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔

تألیفات کا متداول ہونا

جامی کی کتابیں اُن کی زندگی ہی میں مقبول اور متداول ہو گئی تھیں۔ لاری لکھتے ہیں:

"حضرت جامی کے فضائل و کمالات کے درخت پر جو پھل لگا اور ان کے موتی اگلنے والے قلم سے جو نکتہ روشن ہوا، اور ان کے حقیقت نگار خامہ سے جو دقیقہ صادر ہوا، وہ صفحۂ ہستی پر قائم ہو گیا اور جریدۂ فلک پر ثبت ہو گیا۔ لوگ ان کی تصانیف بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔"(۵)

لاری آگے چل کر لکھتے ہیں:

"حضرت جامی جس کتاب کی تصنیف اور رسالے کی ترتیب میں بھی مصروف ہوتے اسے تھوڑی مدت ہی میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتے۔"(۶)

مولانا جامی کی کتب کے متداول ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی جن معاصر سلاطین اور اکابر کے ساتھ خط کتابت تھی انھیں وہ اپنی کتابیں تحفۃً بھیجتے اور خود سلاطین بھی جب آپس میں تحفوں کا تبادلہ کرتے تو جامی کی کتب اُن تحائف میں شامل ہوتی تھیں۔

کتاب **الشقائق النعمانیہ فی علماء دولۃ العثمانیہ** میں ایک واقعہ درج ہے جو ہمیں جامی کی کتب کے متداول ہونے کی ایک اور شہادت فراہم کرتا ہے۔ واقعہ ملاحظہ ہو:

"مولائے اعظم سیّدی محی الدین الفناری اپنے والد مولانا علی الفناری سے روایت کرتے ہیں کہ میرے والد، منصور سلطان محمد خان فاتح کی چھاؤنی میں قاضی تھے۔ ایک دن سلطان ان سے کہنے لگا کہ متلاشیانِ حق کو متکلمین، صوفیہ اور حکما سے اختلاف ہے۔ میرے خیال میں ان گروہوں کا محاکمہ ہونا چاہیے۔

میرے والد بولے، ''مولانا عبدالرحمٰن جامی کے سوا کوئی دوسرا شخص ان کا محاکمہ نہیں کرسکتا۔'' چنانچہ سلطان نے تحائفِ مسنونہ کے ساتھ ایک قاصد مولانا کی خدمت میں بھیجا اوران سے درخواست کی کہ وہ یہ محاکمہ انجام دیں۔ جامی نے جواباً جو مکتوب لکھا اس میں چھ مسئلوں پر ان (تینوں) مکاتبِ فکر کا فیصلہ کرنا چاہا۔ ان میں سے پہلا مسئلہ ''وجود'' کا تھا۔ جامی نے سلطان سے دریافت کیا کہ ''اگر یہ تحریر پسند ہو تو باقی مسائل پر بھی قلم اٹھایا جاسکتا ہے، ورنہ وقت ضائع کرنے والی بات ہوگی۔'' (افسوس کہ) یہ خط سلطان محمد خان کی وفات کے بعد روم پہنچا اور اب میرے والد کے پاس محفوظ ہے۔''(۷)

یہ وہی رسالہ **تحقیق مذہب صوفی ومتکلم وحکیم** ہے جس کا ذکر پچھلے صفحات پر جامی کی فہرستِ کتب میں ہو چکا ہے۔

منشآتِ جامی کے مطالعہ سے بھی یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ جامی قسطنطنیہ سے لے کر ہندوستان تک اور سمرقند سے شیروان وتبریز تک تمام سلاطین، علما، وزرا اور فضلا سے خط کتابت کرتے تھے اور وہ لوگ جامی سے ان کی تصانیف کے طلب گار رہتے تھے۔

ایشیا اور یورپ کے کتب خانوں میں جامی کی مثنویات، دواوین اور دیگر نثری کتابوں کے بے شمار قلمی نسخے موجود ہیں، جن میں سے بعض خود جامی کی زندگی میں یا ان کے قریبی دَور میں بڑی نفاست اور تذہیب وتزئین کے ساتھ لکھے گئے اور خوبصورت جلدیں بندھوا کر ان کی حفاظت کی جاتی رہی۔(۸)

تحقیق وتصنیف کا زمانہ اور تصانیف میں تنوّع

جامی میں تألیف وتحریر کا ملکہ ان کی عمر کے درمیانی حصے سے دکھائی دیتا ہے۔ ان کی پہلی تصنیف **حلیۂ حلل** ہے۔ فن معمّا گوئی پر یہ کتاب جامی نے ۸۵۶ھ میں مرزا ابوالقاسم بابر بادشاہ کے نام پر لکھی۔ اس وقت جامی کی عمر اُنتالیس سال تھی۔ جیسا کہ صاحب **حبیب السیر** نے جامی کے حالات میں لکھا ہے:

''مرزا ابوالقاسم بابر کے زمانے میں اُسی کے نام پر فن معمّا پر رسالہ **حلیۂ حلل** لکھا اور سلطان سعید مرزا سلطان ابوسعید کے عہد میں اپنے دواوین مرتّب کیے اور

تصوّف پر بعض رسائل لکھے۔ دیگر تألیفات وتصانیف خاقان منصور (سلطان حسین بایقرا) کے زمانے میں حیطۂ تحریر میں آئیں۔"(۹)

جامی نے اپنا تیسرا دیوان خاتمۃ الحیٰوۃ ۸۹۶ھ میں، یعنی اپنی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے مرتّب کیا۔(۱۰) پس ان کی تصانیف ان کی عمر کے دوسرے حصے میں معرض وجود میں آئیں اور ان کا چرچا ہوا یعنی چالیس سے اسّی سال کی عمر تک کے زمانے میں۔ چالیس برس کی اس مدت میں زبان کے لحاظ سے انھوں نے فارسی اور عربی میں کتابیں لکھیں، لیکن موضوعات کے اعتبار سے ان کتب کا میدان بڑا وسیع ہے اور یہ تفسیر، فقہ، تصوّف، حدیث، اخلاق، شعر، صرف ونحو، عروض وقافیہ، معمّا اور تذکرہ وغیرہ کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان کی تصانیف کی مزید فرعی تقسیم، نثر ونظم کی ہوسکتی ہے۔

تصانیف

افسوس کہ مولانا کی تمام تصانیف ہماری دسترس سے باہر ہیں، تاہم تہران میں میسر وسائل کو بروے کار لاتے ہوئے ہم مولانا کی جن کتب کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں اُن کا تاریخ تصنیف کے لحاظ سے ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔(۱۱)

۱۔ رسالۂ کبیر در معمّا حلیۂ حلل

یہ رسالہ ۸۵۶ھ/۱۴۵۲ء میں تصنیف ہوا، جس کا انتساب جامی نے اپنے معاصر بادشاہ ابوالقاسم بابر، بادشاہ ہرات وخراسان (م:۸۶۱ھ/ ۵۷-۱۴۵۶ء) کے نام کیا ہے۔ چونکہ یہ کتاب فن معمّا پر ہے اس لیے شاہ مذکور کا نام بھی بطور تعمیہ آیا ہے۔ متن میں بھی جا بجا شاہ کے نام کے کئی معمّے ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں جامی لکھتے ہیں:

نام شاہ اندر معمّی گفتہ بہ ‌‌ ‌ زان کہ آن دُر است و دُر ناسفتہ بہ
نامش ار خواہم، بگویم آشکار ‌ ‌ ‌ از شکوہ افتد زبان من ز کار
آن گہر را نیک اخفا می کنم ‌ ‌ ‌ درج در درج معمّی می کنم

ابتدا:

''بعد از گشایش مقال بستایش خجستہ مآل دانائی کہ معمای حقیقت ذاتش در ملابس اسماء چون حقایق اسماء درکسوت معمی جلوۂ نمایش یافت۔''

اختتام:

''تمام شد تسوید این بیاض وترشیح این ریاض بردست متجرع جام تلخ کامی عبدالرحمٰن بن احمد الجامی وفقہ اللّٰہ لحلّ معمیات اسماء الحسنی والکشف عن الغاز صفاتہ العلیا لسنۃ ست و خمسین و ثمان مائۃ۔''

سبب تألیف بتاتے ہوئے جامی نے لکھا ہے کہ وہ مولانا شرف الدین علی یزدی (م:۸۵۸ھ) کی کتاب **حلل مطرز در معمی ولغز** کی تلخیص کرنا چاہتے تھے۔اسی لیے جامی نے مولانا یزدی کا نام نہایت احترام سے لیا ہے اور اپنے اس رسالے کا نام بھی اسی مناسبت سے **حلیۂ حلل** رکھا ہے۔

کتاب چند فصول وابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب کا نام موتیوں کی خصوصیات اور موتی بیچنے والوں کی اصطلاحات پر رکھا ہے۔یعنی:

افسر۔درمقدمہ

ترصیع۔درکلیات

عقد اوّل: دراعمال تسہیلی، مشتمل بر چہار سمط، سمط اوّل درعلم استاد، سمط ثانی درعمل تحلیل، سمط ثالث درعمل ترکیب، سمط رابع درعمل تبدیل۔

عقد دوم: دراعمال تحصیلی، مشتمل بر ہشت سمط، سمط اوّل درعمل تنصیص و تخصیص، سمط ثانی درعمل تسمیہ، سمط ثالث درعمل تلمیح، سمط رابع درعمل مترادف واشتراک، سمط خامس درعمل کنایت، سمط سادس درعمل تصحیف، سمط سابع درعمل استعارہ وتشبیہ، سمط ثامن دراعمال حسابی۔

عقد سوم: دراعمال تکمیلی، مشتمل بر سہ سمط، سمط اوّل درعمل تألیف، سمط ثانی درعمل اسقاط، سمط ثالث درعمل قلب۔

چونکہ یہ کتاب جامی کے جوانی کے دنوں کی یادگار ہے،لہٰذا اس میں ایسے دلچسپ مضامین نمایاں ہیں جن کے لیے دماغی اور فکری ورزش کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۔ رسالۂ صغیر در معمّا

یہ بھی فنِ معما میں ہے۔

ابتدا:

بہ نام آن کہ ذات او ز اسما　　بود پیدا چو اسما از معما
معمایی ست عالم کانچہ خواہی　　در او پیداست اسماء الٰہی

اس رسالہ کی تاریخِ تالیف معلوم نہیں ہوسکی البتہ اس میں جامی کی ایک ایسی غزل بطور تعمیہ موجود ہے جس سے ''شاہ ابوالغازی سلطان حسین بہادر خان مداللہ تعالیٰ ظلال جلالہ'' استخراج ہوتا ہے، گویا یہ رسالہ سلطان حسین میرزا (م:۹۱۱ھ) کے زمانے میں اس کی عمر کے آخری دنوں میں لکھا گیا۔ مذکورہ غزل کے دو اشعار یہ ہیں:

شہری نہادہ روی بہ راہ تو جانفشان　　بہر نثار مقدمت افشاند جان روان
ابروی تو مہی است در آغاز نو شدن　　در برج آفتاب درخشان شدہ عیان

رسالۂ کبیر کی طرح اس کے مضامین کی تقسیم بھی چار اقسام پر ہوئی ہے۔ یعنی تسہیلی، تحصیلی، تکمیلی، تذییلی۔ اور ہر قسم کے ذیل میں چند اعمال بیان کیے گئے ہیں، جن کی وضاحت کے لیے قطعات و اشعار درج ہیں، جو بجائے خود معما ہیں۔

فنِ معما پر جامی کے دو مزید رسائل بھی پائے جاتے ہیں، جن میں سے ایک کا ذکر فہرست مخطوطات برٹش میوزیم میں ہوا ہے۔[۱۲] اس کا آغاز مندرجہ ذیل شعر سے ہوتا ہے:

چو از حمد و تحیت یافتی کام　　بدان ای در معمّٰی طالب نام

۳۔ رسالہ در فن قافیہ یا الرسالۃ الوافیہ فی علم القافیہ

ابتدا:

''بعد از تیمن بہ موزون ترین کلامی کہ قافیہ سنجان انجمن فصاحت بدان تکلم کنند۔''

اس رسالہ کی تاریخ تالیف کا ذکر نہیں ہوا۔ مقدمے میں بھی کسی کا نام نہیں لیا گیا جس سے زمانۂ تصنیف متعیّن ہو سکے۔ سبب تالیف میں جامی نے صرف اتنا لکھا ہے:

''این مختصری است وافی بہ قواعد علم قوافی کہ بہ موجب اشارت بعضی از اجلۂ اصحاب و اعزۂ احباب صورت تحریر و سمت تقریری یابد۔''

یہ رسالہ ایک مقدمہ، پانچ فصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے:

مقدمہ: در تعریف قافیہ ورد یف

فصل اوّل: اصطلاحات علم قافیہ

فصل دوم: حرکات قافیہ

فصل سوم: صناعات قافیہ

فصل چہارم: روی مطلق ومقید

فصل پنجم: عیوب قافیہ

خاتمہ: قافیۂ معمول وغیر معمول

اس رسالے کا اختتام کمال اسمٰعیل کے اس قصیدے پر ہوتا ہے جس کا مطلع ہے:

بر تافت ست بختِ مرا روزگار دست
زانم نمی رسد بہ سرِ زلفِ یار دست

اس قصیدہ میں لفظ ''کارد'' (یعنی چُھری) کا استعمال بطور قافیہ ہوا ہے۔ وہ یوں کہ لفظ ''کارد'' کے حرفِ دال کو ردیف کی جانب قرار دیا گیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

خصم شتر دلت را قربان ہمی کند
زآن روی سعدِ ذابح آہختہ کاردست''

۴۔ نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص

یہ شرح ۸۶۳ھ/ ۱۴۵۹ء میں لکھی گئی۔ جیسا کہ اختتام کی عبارت سے ظاہر ہے۔

ابتدا:

الحمد اللّٰه الذی جعل صفائح قلوب ذوی الهمم قابلة لنقش فصوص الحکم.

اختتام:

''فارغ شد از جمع این فوائد ونظم این فرائد پای شکستہ زاویۂ خمول وگمنامی عبدالرحمٰن احمد الجامی **متمثلها بهذه الکلمات المنظومه.**

این تازه رقم کہ زد زمانہ بر لوح بقای جاودانہ

نامش بر ناقدان این فن | زان نقد نصوص شد معیّن
الحمد لملهم السرائر | کامد به مبارکی به آخر
پیوست ز حسن سعی اقلام | در هشتصد وشصت و سہ بہ انجام"

مقدمہ میں جامی فرماتے ہیں:

"کتاب **نقش الفصوص** تألیف امام محی الدین محمد بن علی بن العربی مختصری از کتاب **فصوص الحکم** وی می باشد بہ جہت تصحیح عبارات وتوضیح اشارات بی تکلف وتصرف جمع وکتابت نمودم واز کلمات سایر شارحین **فصوص الحکم**، مانند صدر الدین القونیوی وشیخ موید الدین جندی و شیخ سعد الدین سعید الفرغانی برآن افزودم و آن را بہ **نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص** موسوم کردم۔"

فارسی اور عربی کی مخلوط نثر میں یہ کتاب بے حد سلیس اور رواں ہے۔ اکابر کے اشعار بطور حوالہ استعمال ہوئے ہیں۔ کتاب کے مفصّل دیباچے میں اس فن کی اصطلاحات کے معانی اور مقدمات کا بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد کتاب **فصوص** کی فصلوں کی ترتیب کے مطابق شرح لکھی گئی ہے، جو "فص حکمۃ الٰہیۃ فی کلمۃ آدمیۃ" سے شروع ہو کر "فص فردیہ فی کلمۃ محمدیہ" پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔

۵۔ لوائح

مسجّع فارسی نثر میں یہ کتاب ہمدان کے بادشاہ کے لیے لکھی گئی، جیسا کہ مقدمے میں ایک رباعی سے ظاہر ہوتا ہے:

سفتم گہری چند چو روشن خردان | در ترجمۂ حدیث عالی سندان
باشد ز من ہیچ مدان معتمدان | این تحفہ رسانند بہ شاہ ہمدان

اس شاہ ہمدان سے مراد غالباً جہان شاہ قرہ قوینلو ترکمان ہے۔ چونکہ ہرات والوں کے ہاں اس کا نام اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا لہٰذا جامی نے بھی (رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے) اس کا نام نہیں لیا یا بعد میں حذف کر دیا۔ مصنف نے تاریخ تألیف کی تصریح نہیں کی لیکن ہمارے خیال میں یہ کتاب تقریباً ۸۷۰ھ/۶۵-۱۴۶۶ء میں لکھی گئی، جو کہ جہان شاہ کے عروج کا ابتدائی زمانہ ہے۔

ابتدا:

"لا احصی ثنا علیک کیف و کل ثناء یعود الیک جل عن ثنائی جناب

قدسک انت کما اثنیت علی نفسک.''

اختتام:

''ای کز غمش افتادہ چاکت بہ کفن | آلودہ مکن ضمیر پاکت بہ سخن
چون لال توان بود درو گر پس ازین | لب را بکشا بہ نطق خاکت بہ دہن

تصوّف کے نادر نکات پر مبنی یہ کتاب چند ''لایحہ'' پر مشتمل ہے۔ ہر ''لایحہ'' ایک یا ایک سے زائد فصیح رباعیات پر ختم ہوتا ہے۔

۶۔ لوامع فی شرح الخمریہ

ابن فارض (۱۳) کے عربی قصیدہ خمریہ کی فارسی شرح ہے جو صفر ۸۷۵ھ/ ۱۴۷۰ء میں اختتام پذیر ہوئی، ہر فصل کو ''لامعہ'' کا نام دے کر کتاب کا نام **لوامع** رکھا گیا ہے۔

ابتدا:

سبحانہ من جمیل لیس لوجھہ نقاب الا النور [ولجمالہ حجاب الا الظھور... ای گشتہ نہان زغایت پیدایی ...ای بہ حرمت آنان کہ بہ گام]

شرح کا نمونہ ملاحظہ ہو:

شربنا علی ذکر الحبیب مدامۃ | سکرنا بھا من قبل ان یخلق الکرم
روزی کہ مدار چرخ و افلاک نبود | و آمیزش آب و آتش و خاک نبود
بر یاد تو مست بودم و بادہ پرست | ہرچند نشان بادہ و تاک نبود

مندرجہ بالا رباعی لکھتے وقت بظاہر اپنی اس مشہور غزل کا مطلع جامی کے پیشِ نظر تھا:

بودم آن روز در این میکدہ از دُرد کشان
کہ نہ از بادہ نشان بود نہ از تاک نشان

لھا البدر کاس و ھی شمس یدیرھا | ھلال و کم یبدو اذا مزجت نجم
ماہ ست تمام جام و می مہر منیر | و آن مہر منیر را ھلال ست مدیر
صد اختر رخشندہ ھویدا گردد | چون آتش می ز آب شود لطف پذیر

۷۔ رسالہ ارکان الحج

جامی نے یہ رسالہ ۲۲ شعبان المعظم ۸۷۷ھ/ ۲۲ جنوری ۱۴۷۳ء کو دورانِ سفر حجاز، بغداد

میں لکھا۔

ابتدا:

"الحمدلله الذی جعل الکعبة البیت الحرام مثابه للناس واحل طوائف الطائفین حولها محل الائتلاف بهاو الاستیناس."

اختتام:

"وقع الفراغ من تألیف هذه الاوراق و جمعها ضحوة یوم الخمیس الثانی والعشرین من شعبان المنتظم فی شهور سنة سبع و سبعین و ثمان مائة بمدینة السلام بغداد وقت التوجه الی بیت اللّٰه الحرام، وانا الفقیر عبدالرحمن بن احمد الجامی و فقه اللّٰه لما یحبه و یرضاه."

یہ فارسی رسالہ جس میں عربی کی آمیزش بھی ہے، حج وعمرہ کے ارکان کے فرائض، مناسک اور مستحبات سے متعلق ہے۔ مدینہ منورہ میں روضۃ النبی اور جنت البقیع میں ائمہ کی قبور کی زیارت کے آداب ورسوم کو ائمۂ اربعہ کی فقہ اور مذہب کے مطابق درج کیا گیا ہے۔ تاکہ بقول جامی: "طالبِ صادق اپنی طاقت کے مطابق، جیسا کہ صوفیہ کا مسنون طریقہ ہے، اِن آداب کو اکٹھا کر لے اور کسی خلاف ورزی کا اندیشہ نہ رہے۔" اس رسالہ پر امام نووی سے منقول جو حواشی لکھے گئے ہیں، وہ بظاہر خود جامی ہی کے ہیں۔

یہ کتاب آٹھ فصول پر مشتمل ہے:

فصل اوّل: مقدمات وفضائل وشرائط حج

فصل دوم: ارکانِ حج

فصل سوم: محظورات حج

فصل چہارم: وجوہ ادای حج

فصل پنجم: طواف

فصل ششم: ذکر تفاصیل ارکان وسنن وآداب وادعیہ حج

فصل ہفتم: آداب زیارت روضۂ رسول

فصل ہشتم: آداب زیارت قبور اہلِ بیت رسالت

اس رسالہ سے جامی کا فقہ اسلام کے مبادیات اور فروع میں تبحر عیاں ہے۔

۸۔ نفحات الانس من حضرات القدس

اس فارسی کتاب کی تألیف امیر نظام الدین علی شیر کی درخواست پر ۸۸۱ھ/ ۷۶-۱۴۷۷ء میں شروع ہوئی اور ۸۸۳ھ/ ۱۴۷۸ء میں مکمل ہوئی۔ تاریخ تألیف پر مشتمل رباعی یہ ہے:

این نسخہ مقتبس ز انفاس کرام　　کزوی نفحات اُنست آید بہ مشام
از ہجرت خیر بشر و فخر انام　　در ہشتصد و ہشتاد و سوم گشت تمام

جامی نے **نفحات الانس** کی تألیف کا سبب اور کیفیت یوں بیان کی ہے:

"ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی نیشاپوری [۱۴] کی کتاب **طبقات الصوفیہ** کو شیخ الاسلام ابواسمٰعیل عبداللہ بن محمد الانصاری اپنی مجالس میں لکھواتے تھے اور اس کتاب میں جن دیگر مشایخ کے اقوال درج نہیں ہوئے اسے اپنے ذوق وشوق سے بیان کرتے تھے اور ان کا ایک مرید اسے جمع کرتا اور لکھتا جاتا تھا۔ لیکن وہ تحریر ہرات کی قدیم زبان میں تھی، جس میں کاتبوں نے اس درجہ تحریف وتصحیف کردی کہ بہت سی باتوں کو سمجھنا آسان نہ تھا۔ دوسرا یہ کہ اس میں قدیم مشایخ کا ذکر تو تھا لیکن بعض معاصرین اور متاخرین اور خود شیخ الاسلام [۱۵] کے ذکر سے خالی تھی۔"

اس طرح مولانا جامی کو خیال گذرا کہ **طبقات الصوفیہ** کو مروّجہ زبان میں تحریر کیا جائے اور دیگر معتبر کتب سے استفادہ کر کے اس پر اضافات کیے جائیں، جن بزرگوں کے حالات و مقامات، معارف وکرامات، تاریخ پیدائش و وفات، طبقات میں درج نہیں تھے، وہ نفحات میں لکھے جائیں۔

نفحات الانس میں مجموعی طور پر ۶۱۶ اکابر صوفیہ کے حالات ومناقب درج ہیں، جن میں سے ۵۸۲ رجال اور ۳۴ خواتین ہیں۔ کتاب کے ابتدا میں ایک مفصل مقدّمہ ہے، جس میں صوفیہ کی اصطلاحات اور حقیقی صوفی، عارف کی معرفت، ان کی کرامات اور خوارق کی تشریح کی گئی ہے۔ کتاب ابوہاشم صوفی کے حالات سے شروع ہوکر خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی کے احوال پر ختم ہوتی ہے۔ عارفات میں سے ابتدا رابعہ عدویہ سے کی گئی ہے اور امراۃ فارسیہ کے ذکر پر کتاب ختم کی ہے۔ [۱۶]

ایڈورڈ براؤن نے **تاریخِ ادبیات ایران** جلد سوم میں **نفحات الانس** پر بحث کے لیے ایک مستقل باب مخصوص کیا ہے اور تیموری عہد کے اواخر میں لکھے جانے والے (صوفیہ کے) تذکروں میں اس کتاب کو نہ صرف سرفہرست رکھا ہے بلکہ جامی کو (بحیثیت تذکرہ نگار) شیخ فریدالدین عطار صاحبِ **تذکرۃ الاولیاء** کے ہم پلّہ قرار دیا ہے۔ **نفحات الانس** کے بارے میں پروفیسر براؤن نے بڑی حق بجانب رائے قائم کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہ کتاب اسی جدید اور سلیس انداز میں لکھی گئی ہے جو اس نوعیت کی کتابوں کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ درحقیقت اس کتاب کی تالیف میں جامی کا ذوق اس قدر لطیف اور نیّت اس درجہ پُرخلوص رہی ہے کہ وہ خود کو لفاظی اور عبارت سازی میں الجھا نہیں سکے اور نہ ہی اُس عہد کے دیگر لکھنے والوں کی طرح اپنی کتاب کو اس عیب سے آلودہ کیا ہے۔''(۱۷)

بے شک زبان و بیان کے اعتبار سے **نفحات الانس** نویں صدی ہجری کی فارسی نثر کی بہترین کتابوں میں سے ایک ہیں۔

مولانا جامی کے شاگرد رشید مولانا رضی الدین عبدالغفور لاری نے **نفحات الانس** پر ایک مفصل حاشیہ تحریر کیا، یہ حاشیہ خاص طور پر جامی کے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کے لیے لکھا گیا تا کہ وہ **نفحات الانس** کے مشکل مقامات کو بخوبی سمجھ سکیں۔ مذکورہ حاشیہ، مولانا جامی کے مبسوط حالات پر ختم ہوتا ہے۔

۹۔ سخنان خواجہ پارسا

اس رسالہ کی تاریخ تالیف معلوم نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ **نفحات الانس** سے بعد کی تالیف ہو۔

ابتدا:

''بعد از گشایش مقال بہ ستایش خجستہ مآل ملک متعال [وتوسل بہ درود فرخندہ ورود صاحب آیات تکمیل و اکمال]۔

اختتام:

''ولکن لایجوز ان یغفل عن تبعیة نوره لنور الشمس.''

جامی کی خواجہ محمد پارسا سے عقیدت ہی اس رسالہ کی تصنیف کا باعث بنی۔ یوں بھی جامی

سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ تھے اور خواجہ محمد پارسا بخارائی اس سلسلہ کے سر برآوردہ مشائخ میں سے ہیں۔ پانچ سال کی عمر میں جامی نے خواجہ موصوف کو دیکھا تھا۔ زیرِ نظر رسالہ کے مقدمہ میں جامی لکھتے ہیں:

"خواجہ محمد پارسا بخاری کے بعض ملفوظات متفرق جگہوں پر لکھے تھے، ان سے مخلصانہ عقیدت اور بھرپور اعتماد کی بنا پر انھیں یک جا تحریر کر کے اس رسالے میں جمع کر دیا گیا ہے تا کہ طالبوں کے لیے آموزش اور واصلوں کے لیے یادگار رہے۔"

عشاق ہر کجا رقم کلک آن نگار   یابند بروی از مژہ گوہر فشان کنند
ہر یک گرفتہ حرفی از آنجا بہ یادگار   تعویذ جان و حرز دل ناتوان کنند"

جامی نے اس رسالے میں خواجہ محمد پارسا کے جو متفرق ملفوظات درج کیے ہیں وہ عربی اور فارسی زبان میں ہیں۔ دونوں زبانوں میں طرزِ تحریر بے حد سلیس اور رواں ہے۔ یہ ملفوظات جذب و حال سے پُر اور تصوّف کے بہترین نکات پر مشتمل ہیں۔

۱۰۔ شواہد النبوۃ لتقویۃ یقین اہل الفتوۃ

یہ فارسی کتاب ۸۸۵ھ/ ۱۴۸۰ء میں تصنیف ہوئی۔ مادّۂ تاریخ تألیف "تممۃ" ہے جو کتاب کے آخر میں یوں رقم ہے:

در آن وقت اتمام آن دست داد
کہ "تممۃ" بود تاریخ سال
۸۸۵

ابتدا:

الحمدللّٰہ الذی ارسل رسلا مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعدالرسل.

مقدمہ سے پتا چلتا ہے کہ یہ کتاب بھی امیر علی شیر نوائی اور ان دوستوں کی درخواست پر لکھی گئی جنھوں نے اس سے پہلے **نفحات الانس** لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ جامی بھی چاہتے تھے کہ حضرت رسولِ اکرمؐ، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور صدرِ اوّل تک کے صوفیہ کے حالات پر الگ کتاب تألیف کی جائے جو **نفحات الانس** کے ساتھ ملا کر حضرت رسولِ اکرمؐ سے لے کر ان (جامی) کے

عہد تک کے بزرگانِ اسلام کی ایک تاریخ بن جائے۔

یہ کتاب ایک مقدمہ، سات رکن اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے:

مقدمہ: نبی اور رسول کے معنی اور اس سے متعلقات،
پہلا رُکن: آنحضرتؐ کی ولادت سے قبل کے شواہد و دلائل،
دوسرا رُکن: ولادت سے بعثت تک کے حالات،
تیسرا رُکن: بعثت سے ہجرت تک کے حالات،
چوتھا رُکن: ہجرت سے وفات تک کے حالات،
پانچواں رکن: بعد از وفات ظہور پذیر ہونے والے آنحضرتؐ سے متعلق حالات،
چھٹا رُکن: صحابہ کرام اور ائمہ اہلِ بیت کے حالات،
ساتواں رُکن: تابعین، تبع تابعین اور طبقۂ صوفیہ تک کے حالات،
خاتمہ: منکرین کی عقوبت کا بیان

چونکہ مصنف نے چھٹے رکن میں خلفاے اربعہ کی بالتصریح فضیلت بیان کی ہے اس لیے یہ کتاب ایران اور عراق میں فارسی بولنے والے شیعوں کے ہاں مقبول نہ ہوئی اور اسے کماحقہٗ شہرت نہ مل سکی۔

کتاب کی زبان سادہ اور پختہ ہے۔ کہیں بھی عبارت آرائی اور صنائع بدائع سے کام نہیں لیا گیا۔ جہاں حوالے کی ضرورت تھی صرف وہاں عربی و فارسی اشعار درج کیے ہیں، ورنہ اس سے بھی احتراز کیا گیا ہے۔ البتہ عربی احادیث و روایات بکثرت موجود ہیں۔

۱۱۔ اشعۃ اللمعات

یہ کتاب جامی نے ۶۹ سال کی عمر میں ۸۸۶ھ/ ۱۴۸۱ء میں لکھی۔ جیسا کہ کتاب کے اختتام پر مندرج قطعۂ تاریخ میں مادّہ تاریخ "اتممتہ" سے معلوم ہوتا ہے۔

اختتام: قطعۃ فی التاریخ

بہ آثام ہستی است جامی اسیر — محی اللہ آثار آثامہ
بہ تسوید این شرح توفیق یافت — مقراً بزلات اقدامہ
اذا قال "اتممتہ" قد بدا — بما قال تاریخ اتمامہ

اشعۃ اللمعات، شیخ فخر الدین ابراہیم ہمدانی المعروف عراقی کی کتاب **لمعات** کی فارسی شرح ہے۔ [۱۸] مقدمے سے پتا چلتا ہے کہ امیر علی شیر نے مولانا جامی سے **لمعات** کی تصحیح اور تقابل کی درخواست کی تھی اور بظاہر مولانا اس کام سے پہلو تہی کر رہے تھے۔ مگر آخر کار امیر کی درخواست قبول کر لی اور جیسے ہی اس کام میں مشغول ہوئے، کتاب کے عرفانی حقائق میں جذب ہوتے چلے گے۔ پھر اس کے مندرجات کی شیخ ابن عربی اور ان کے شاگرد صدر الدین محمد قونیوی اور دیگر عرفاء کے اقوال کی مدد سے تشریح کی اور اس کا **اشعۃ اللمعات** نام رکھا۔ مقدمے میں امیر علی شیر کا نام بطور تعمیہ وایہام موجود ہے۔

''تا آنکہ درین ولا اجل اخوان الصفا واعز خلان الوفا صیرہ اللہ علی سیر عبادہ العرفاء کہ نام خجستہ فرجامش در اثناء این دعا بہ خوب ترین صوری از صور رمز وایما بین اللہ وبین عبادہ سمت ادا یافت، استدعای مقابلہ وتصحیح آن نمود۔''

اشعۃ اللمعات کے دیباچہ میں سبب تألیف (شرح) اور ممدوح کا نام آیا ہے، پھر مفصل مقدمہ ہے جس میں صوفیہ کی اصطلاحات اور نکات کا بیان ہے اور **لمعات** کے اٹھائیس ''لمعہ'' کی تشریح پر مبنی ہے۔ آخر میں دو رُباعیات اور ایک قطعۂ تاریخ تصنیف ہے۔

۱۲۔ چہل حدیث

یہ رسالہ بھی ۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء میں تألیف (ترجمہ) ہوا۔

ابتدا: (متن)

الکلمۃ الاولی. لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ.

ترجمتہا:

ہر کسی را لقب مکن مومن   گرچہ از سعی جان و تن کاہد
تا نخواہد برادر خود را   آنچہ از بہر خویشتن خواہد

اختتام:

اربعین ہای سالکان جامی   ہست بہر وصول صدر قبول
نبود از فضلِ حق عجیب و غریب   کہ بدین اربعین رسی بہ وصول

''اربعین'' مرتب کرنے والے اکابر دین کی تقلید میں جامی نے اس رسالے میں چالیس

اخلاقی احادیث نبوی کا منظوم فارسی ترجمہ پیش کیا ہے۔ تاہم جامی کے پیشِ نظر یہ حدیثِ نبوی بھی تھی: من حفظ علی امّتی اربعین حدیثاً ینتفعون بہ بعثہ اللّٰہ یوم القیامۃ فقیھاً عالماً. (یعنی میری امت میں سے جس نے چالیس احادیث حفظ کیں (جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں) قیامت کے دن خدا اسے فقہا اور علما کے گروہ میں سے اٹھائے گا)۔ یہ منظوم ترجمہ بحرِ خفیف میں ہے۔

۱۳۔ رسالۂ تجنیس خط

جامی کی مذکورہ بالا فہرست تصانیف میں اس رسالے کا نام موجود نہیں اور نہ ہی اس کی تاریخِ تصنیف معلوم ہے۔

ابتدا:

بعد توحید وصفات خالق شام وسحر

یہ منظوم رسالہ ان عربی الفاظ پر مشتمل ہے جو بدل کر یا تصحیف سے پڑھنے سے مختلف معانی دیتے ہیں۔ مثلاً:

مصر شہر و شہر ماہ و ماء آب و خوف سہم   سہم تیر و اجحہ چہ بال باشد بال جان

یہ رسالہ ہندوستان سے چھپ چکا ہے۔

۱۴۔ مثنویات ہفت اورنگ

یہ جامی کی ان سات مثنویوں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے مختلف ادوار میں تصنیف کیں۔ لیکن بعد میں انھیں یکجا کر کے **ہفت اورنگ** سے موسوم کیا۔ اس مجموعے کے بعض مخطوطات میں ایک مقدمہ بھی موجود ہے جو بظاہر خود جامی ہی نے تحریر کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

''چون این مثنویات ہفتگانہ بہ منزلۂ ہفت برادران اند کہ از پشت پدر خامۂ واسطی نہاد وشکم مادر دوات چینی نژاد، بہ سعادت ولادت رسیدہ اند واز مطمورۂ غیب متاع ظہور بہ معمورۂ شہادت کشیدہ، می شاید کہ بہ ہفت اورنگ کہ بہ لغت فرس قدیم عبارت از ہفت برادران کہ ہفت کوکب اند در جہت شمال ظاہر و بر حوالی قطب وائر، نامزد شوند۔

این ہفت سفینہ در سخن یکرنگ اند   وین ہفت خزینہ در گہر ہمسنگ اند

چون ہفت برادران برین چرخ بلند　　نامی شدہ درزمین بہ ہفت اورنگ اند"

اس مقدمہ سے، جو بہت قدیم مخطوطات میں موجود نہیں ہے، (۱۹) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں جامی نے **خمسۂ نظامی گنجوی** اور **خمسۂ خسرو دہلوی** کی طرز پر پانچ مثنویاں لکھیں اور بعد میں دو مثنویوں کا اضافہ کر کے اسے **ہفت اورنگ** کا نام دیا۔ اس قیاس کی تائید مثنوی **خردنامۂ اسکندری** سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں مولانا نے تصریح کی ہے کہ پہلے وہ نظامی اور خسرو کی تقلید میں انھی بحروں میں پانچ مثنویاں لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ بعد میں مثنوی **سلسلۃ الذہب** اور مثنوی **سبحۃ الابرار** کا اضافہ کیا۔ **خردنامۂ اسکندری** میں جامی یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ وہ ایک مدت تک غزل گوئی میں مصروف رہے۔ پھر قصیدہ سرائی میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد تفنن کے طور پر معمے بھی بنائے، رباعیات لکھیں اور آخر کار مثنوی سرائی اختیار کی۔ (۲۰)

ہفت اورنگ میں شامل مثنویوں کی تفصیل اس طرح ہے:

اوّل **سلسلۃ الذہب**، دفتر اوّل، بحر خفیف (فاعلاتن مفاعلن فعلن) میں، یہ مثنوی سنائی غزنوی کی **حدیقۃ الحقیقہ** اور اوحدی کی **جام جم** کے اُسلوب میں سلطان حسین بایقرا کے نام پر لکھی گئی ہے۔

ابتدا:

للّٰہ الحمد قبل کل کلام　　بصفات الجلال والاکرام

اختتام:

ور بماند جواد عمر از سیر　　ختم اللّٰہ لی بما ھو خیر

مثنوی میں تاریخ تألیف مذکور نہیں ہے، لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ ۸۷۳ھ/ ۶۸-۱۴۶۹ء (سلطان حسین بایقرا کا سنۂ جلوس) اور ۸۷۷ھ/ ۲/۷۳-۱۴۷۳ء (مولانا کے سفر حجاز کا سال) کے درمیان لکھی گئی ہے۔ کیونکہ بقول صاحب **رشحات عین الحیات**، سفر حجاز کے دوران جب جامی بغداد پہنچے تو **سلسلۃ الذہب** کے بعض ٹکڑے اہلِ بغداد اور مولانا کے درمیان اختلاف کا باعث بنے۔ مثنوی میں ایک جگہ مولانا ریاکاروں کی مذمت کرتے ہوئے مذکورہ قیاسی تاریخ تألیف کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں:

خصم دین شد بہ حیلہ و دستان　　ای خدا دادِ دین از او بستان

شرع را خوار کرد خوارش کن　　شرم بگذاشت شرمسارش کن
خود چہ حاجت کہ من دعا کنمش　　بر جگر ناوک از دعا زنمش
پیشتر زین بہ ہشتصد و ہفتاد　　بہ دعائش رسول دست گشاد
کای خدا ہر کہ کرد نصرت دین　　درد و عالم نصیر باش و معین (۲۱)

تصوّف اور اخلاق کے مباحث پر یہ ایک طویل مثنوی ہے جس میں آیات، احادیث، اقوالِ صوفیہ اور روایاتِ ائمہ دین سے استفادہ کیا گیا ہے اور مطالب کی وضاحت کے لیے حکایات وتمثیلات سے بھی کام لیا گیا ہے۔ اس میں کئی کلامی مسائل مثلاً جبر واختیار، قضاوقدر، نبوت و امامت، قِدم وحدوث عالم اور ظاہری شرعی احکام مثلاً نماز، روزہ اور تلاوت قرآن پر بھی بحث کی گئی ہے۔ تصوّف کے باب میں یہ مثنوی ذکر خفی وجلی، عزلت وخلوت، خاموشی، بیداری اور جوع (بھوک) وغیرہ کے مسائل کا احاطہ کرتی ہے۔ آخر میں اسلامی عقائد پر ایک خصوصی نظم موسوم بہ ''اعتقادنامہ'' ہے، جسے جامی نے اپنے مرشد یعنی خواجہ عبیداللہ احرار کے صاحبزادے کی خواہش پر لکھی تھی۔

زیر بحث مثنوی کے نام کے متعلق جامی کہتے ہیں:

آن نہ رشتہ سلاسل ذہب است　　نام رشتہ بر آن نہ از ادب است
بہرِ شیران بوَد سلاسل زر　　ہر کہ شیرست از آن نپیچد سر

سلسلۃ الذہب، دفتر دوّم: اس دفتر کا موضوع کتاب کے ابتدائی اشعار سے واضح ہے۔

بشنوای گوش بر فسانۂ عشق　　از صریر قلم ترانۂ عشق
قلم اینک چو نی بہ لحن صریر　　قصۂ عشق می کند تقریر

اس دفتر میں مولانا کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ہر فصل میں محبت الٰہی اور عشقِ حقیقی کی بحث چھیڑ کر اس میں لطیف اور دقیق نکات سموئے ہیں اور بطور حوالہ صوفیہ کی واردات پر مبنی ایک حکایت نقل کی ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے بھی جا بجا استناد کیا گیا ہے۔ جامی نے جن صوفیہ کا بالخصوص ذکر کیا ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: بایزید بسطامی، ذوالنون مصری، شاہ شجاع کرمانی، شمس تبریزی، شیخ اوحدالدین کرمانی، شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ علی موفق، معروف کرخی، بشر حافی، احمد حنبل (انھیں صوفیہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ فقیہ تھے)، ابوعلی رودباری، سری

سقطی، تحفۂ مغنیہ، شیخ ابو علی دقاق۔

اس دفتر کی تالیف میں مولانا کا لطیف ذوق اور شگفتہ مزاجی قابلِ توجہ ہے جس کا مجموعی طور پر سلسلۃ **الذہب** کے روحانی اور عرفانی نکات کے بیان میں کافی دخل ہے۔ وہ گاہ بگاہ کھانے میں نمک کے طور پر پُر مزاح حکایات بھی نقل کر جاتے ہیں۔ اس طرح دقیق مضامین کو ایسی لطافت اور ظرافت سے پیش کیا ہے کہ قاری مطالعہ کے وقت کوئی بار محسوس نہیں کرتا اور تر و تازہ رہتا ہے۔

یہ دفتر بھی پہلے دفتر کی طرح بحر خفیف میں ہے، البتہ اُس سے مختصر ہے۔ تاریخِ تالیف ۸۹۰ھ/ ۱۴۸۵ء ہے۔ یعنی مولانا اس وقت تک سفرِ حجاز سے واپس آ چکے تھے۔ قطعۂ تاریخ ملاحظہ ہو:

داشت جهدی دبیر چرخ برین　　در رقم کردن حروف سنین
چون رقومش به صاد و ضاد رسید　　خامه را حکم ایستاد رسید (۲۲)

جامی نے اس دفتر کو پہلے دفتر کا تکملہ و تتمہ قرار دیا ہے۔ اگر چہ یہ دفتر پہلے دفتر کی تالیف کے کئی سال بعد لکھا گیا، لیکن جامی نے اسے کوئی مستقل اور الگ حیثیت نہیں دی، نہ ہی اس کی ابتدا میں مقدمہ، نعت اور معاصر بادشاہ کی مدح لکھی ہے۔

سلسلۃ الذہب، دفتر سوم: پہلے دو دفتروں کے وزن پر، پانچ سو اشعار پر مشتمل یہ مختصر دفتر جامی نے قیصر روم بایزید خان دوم (۸۸۶-۹۱۸ھ/ ۱۴۸۱-۱۵۱۲ء) کے نام پر لکھا۔ کتاب کے شروع اور آخر میں سلطان مذکور کی مدح موجود ہے۔ جامی نے تاریخِ تالیف کی تصریح نہیں کی۔ چونکہ **سلسلۃ الذہب** کا دوسرا دفتر ۸۹۰ھ/ ۱۴۸۵ء میں ختم ہوا تھا، لہٰذا اصولی طور پر زیرِ نظر دفتر اس کے بعد ہی لکھا گیا ہوگا۔

ابتدا:

بسم الله الرحمٰن الرحیم
هست کلید در گنج حکیم

اختتام:

بر همین نکته ختم شد مقصود
لله الحمد و العلی والجود

یہ دفتر مدنی سیاست، آدابِ حکمرانی، عدل و انصاف کی تعریف اور پادشاہوں کو نصیحت پر مبنی

ہے۔ یہ سارے مضامین دانش و حکمت سے پُر منظوم قطعات پر مشتمل ہیں۔ ہر قطعے میں بادشاہ کے کسی ایسے وصف کی تعریف کی گئی ہے جو اس میں ضرور ہونا چاہیے۔ ہر صفت کی مناسبت سے ایک حکایت بھی درج ہوئی ہے۔

زیرِ نظر دفتر لکھتے وقت جامی کے پیشِ نظر تاریخی کتب، بادشاہوں کے قصے بالخصوص نظامی عروضی سمرقندی کی کتاب چہار مقالہ تھی۔ جامی نے اپنے جن قریب العہد سلاطین کا ذکر کیا ہے ان میں غازان خان منگول اور یعقوب بک ترکمان شامل ہیں۔

مثنوی کے اختتام پر جامی نے چند شاہی تحائف اور شاہی مکتوب ملنے کا ذکر کیا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ جامی نے یہ مثنوی جواباً بادشاہ کو پیش کی تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جامی نے اس مثنوی کا نام تحفۂ شاہی رکھا تھا اور وہ جواز میں یہ شعر پیش کرتے ہیں:

لیک از آنجا کہ تحفۂ شاہ است
یاد کرد کمین ہوا خواہ است (۲۳)

لیکن اس شعر سے کتاب کا نام کیسے تعین کیا جا سکتا ہے؟

دوم، **سلامان و ابسال**، یہ تمثیلی مثنوی بحر رمل مسدس (فاعلاتن فاعلاتن فاعلن) میں ہے۔ انتساب سلطان یعقوب ترکمن آق قوینلو کے نام ہے۔ مثنوی کی تاریخ تصنیف کی تصریح نہیں ہوئی لیکن بظاہر یہ ۸۸۵ھ/ ۱۴۸۰ء) میں لکھی گئی، کیونکہ یعقوب ترکمان ۸۸۴ھ/ ۱۴۷۹ء میں تخت نشین ہوا اور ۸۸۶ھ/ ۱۴۸۱ء میں مثنوی **تحفۃ الاحرار** مکمل ہونے سے پہلے **سلامان و ابسال** لکھی جا چکی تھی۔

مقدمے میں جامی اپنے بڑھاپے سے نالاں ہیں، اس وقت ان کی عمر ۶۸ سال تھی اور وہ شکایت کرتے ہیں کہ:

عمرہا شد تا در این کاخ کہن ... تار نظمم بستہ بر عود سخن
رفت عمر و این نوا آخر نشد ... کاست جان وین ماجرا آخر نشد
پشت من چو چنگ خم گشت و ہنوز ... ہر شبی در ساز عودم تا بہ روز
عود ناساز است و کردہ روزگار ... دست مطرب را بہ پیری رعشہ دار (۲۴)

ابتدا:

ای بہ یادت تازہ جان عاشقان
ز آب لطفت تر زبان عاشقان

اختتام:

ہم برین اجمال کاری این خطاب
ختم شد واللہ اعلم بالصّواب

سلامان وابسال کا قصّہ جامی نے شیخ الرئیس ابوعلی حسین ابن سینا (م: ۴۲۸ھ/ ۱۰۳۶ء) کی کتاب **اشارات** پر امام فخر الدین رازی (م: ۶۰۶ھ/ ۱۲۱۰ء) اور خواجہ نصیر الدین طوسی (م: ۶۷۲ھ/ ۱۲۷۴ء) کی دو شرحوں سے اخذ کیا ہے۔ شرح طوسی میں اس داستان کو دو طرح سے روایت کیا گیا ہے۔ ایک روایت معمولی ردّ و بدل کے ساتھ وہی ہے جو جامی نے لکھی ہے۔ ابن سینا نے **اشارات** میں یوں لکھا ہے:

"واذا قرع سمعک فی ما تقرأہ و سرد علیک فی ما تسمعه قصة لسلامان و ابسال فاعلم انّ سلامان مثل ضرب لک وان ابسالا مثل ضرب لدرجتک فی العرفان ان کنت من اهله. ثم حل الرمزان اطقت."(۲۵)

چونکہ امام رازی کو اصل حکایت دستیاب نہیں ہوسکی تھی، اس لیے اس کی رمز جاننا مشکل تھا، لیکن خواجہ طوسی نے قصے کو دو طرح سے بیان کر کے اس کی تاویل کر دی ہے اور اس کا راز بھی کھول دیا ہے۔ جامی نے بھی طوسی کی تقلید میں داستان کی تشریح و تفسیر کی ہے۔ لیکن انھیں بعض مقامات پر طوسی سے اختلاف ہے۔ معلوم نہیں یہ اختلاف اور تبدیلی جامی کی وضع کردہ ہے یا واقعی ان کے سامنے کوئی دوسرا مأخذ تھا جو تلاشِ بسیار کے باوجود ہمیں دستیاب نہیں ہوسکا۔

سوم: **تحفۃ الاحرار**۔ یہ مثنوی بحر سریع (مفتعلن مفتعلن فاعلن) میں رمضان ۸۸۶ھ/ ۱۴۸۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

"اتمام انتظام این سبحہ در ماہ تسبیح وشہر تراویح منتظم در سلک شہور سنۂ ست وثمانین و ثمان مائہ اتفاق افتاد۔"(۲۶)

ابتدا:

بسم الله الرحمٰن الرحیم
ہست صلای سر خوان حکیم

اختتام:

مہر نہ خاتمۂ این کتاب
شد رقم خاتم تمّ الکتاب

وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے جامی کہتے ہیں:

ماشطۂ خامہ چو آراستش از قِبلِ من لقبی خواستش
تحفۃ الاحرار لقب دادمش تحفہ بہ احرار فرستادمش (۲۷)

مثنوی کے شروع میں ایک نثری دیباچہ ہے۔ چونکہ یہ مثنوی نظامی کی **مخزن الاسرار** اور خسرو کی **مطلع الانوار** کے جواب میں لکھی گئی ہے اس لیے وہاں نظامی اور خسرو کا نام بڑی عقیدت سے لیا گیا ہے۔ نثری مقدمے کے بعد مناجاتیں، پانچ نعتیں اور خواجہ بہاء الدین محمد بخاری کی ایک منقبت ہے۔ یہ منقبت خواجہ عبید اللہ احرار کے لیے دعا پر ختم ہوتی ہے۔ جامی نے وہاں کسی معاصر حکمران کا نام نہیں لیا۔ کیونکہ جامی اسے صرف اور صرف آستانۂ خواجۂ احرار پر پیش کرنے کے لیے لکھ رہے تھے۔ مقدمے میں وصولِ مراتب ثلاثہ (علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین) پر بحث کی گئی ہے۔ اصل متن مندرجہ ذیل بیس مقالات پر مشتمل ہے:

۱۔ آفرینش	۲۔ آفرینش آدم	۳۔ سعادت اسلام
۴۔ نمازھای پنجگانہ	۵۔ اثبات رمضان	۶۔ زکوٰۃ
۷۔ زیارت بیت الحرام	۸۔ عزلت	۹۔ سکون
۱۰۔ سپہر	۱۱۔ نشان صوفیان	۱۲۔ شرح حال علمای ظاہر
۱۳۔ مخاطبۂ سلاطین	۱۴۔ حال دبیران و وزیران	۱۵۔ صفت پیری
۱۶۔ شرح جوانی	۱۷۔ حسن و جمال	۱۸۔ عشق
۱۹۔ حال شعرای خام طبع	۲۰۔ پند بہ فرزند خویش ضیاء الدین یوسف	

ہر مقالہ میں اصل موضوع کے بعد ایک مناسب، خوبصورت اور لطیف حکایت درج ہے۔

چہارم: **سبحۃ الابرار**، یہ مثنوی بحر رمل مسدس (فاعلاتن فعلاتن فعلن) میں ہے۔ جامی سے پہلے کسی شاعر نے اس بحر میں مثنوی نہیں لکھی۔ البتہ امیر خسرو دہلوی کی مثنوی نہ سپہر میں اس وزن کے صرف چند اشعار ملتے ہیں۔

مولانا نے تاریخِ تألیف کی وضاحت نہیں کی۔ لیکن اڑتیسویں عقد میں وہ اپنے بیٹے ضیاء الدین یوسف کو خطاب کرتے ہوئے اس کی عمر پانچ برس بتاتے ہیں۔

سال تو پنج و درین دَیرِ سپنج
از دو پنجاہ فزون باد این پنج (۲۸)

چونکہ ضیاء الدین ۸۸۲ھ/ ۱۴۷۸ء میں پیدا ہوئے تھے لہٰذا **سبحۃ الابرار** کی تاریخ تصنیف ۸۸۷ھ/۱۴۸۲ء قرار پاتی ہے۔ مثنوی کا انتساب سلطان حسین بایقرا کے نام ہے۔

ابتدا:

ابتدی باسم الہ الرحمٰن الرحیم المتوالی الاحسان

اختتام:

حسن مقطع چو بود رسم کہن قطع کردیم بدین نکتہ سخن
ختم اللہ لنا بالحسنی و ھو مولانا نعم المولی

مثنوی کے شروع میں ایک مسجع و مقفی نثری دیباچہ ہے۔ اس کے بعد نعت اور مدح سلطان ہے۔ اصل متن چالیس ''عقد'' میں تقسیم ہوا ہے۔ اختتام پر جامی نے اپنے قلم کو مخاطب کرتے ہوئے ایک بے حد لطیف نظم لکھی ہے۔

کتاب کے چالیس ''عقد'' اخلاقی اور صوفیانہ تعلیمات پر مشتمل ہیں، ان کے بارے میں جامی کا کہنا ہے:

می رسد عقد عقودش بہ چہل
ہر یک از دل، گرہ جہل گسل (۲۹)

اظہار بیان میں جامی کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ہر عقد ایک خطاب سے شروع کرتے ہیں جس میں روئے سخن انسان کی طرف ہے۔ ہر خطاب میں ایک انسانی خصلت اور فضیلت بیان کی ہے اور اس کی مناسبت سے ایک حکایت بھی درج کی ہے۔ اس کے بعد جامی ایک لطیف مناجات لکھتے

ہیں، جس میں وہ خدا سے ویسی ہی فضیلت مانگتے ہیں۔

ان چالیس ''عقد'' کی ترتیب اور تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ کشف حقیقت دل، ۲۔ شرح سخن، ۳۔ کلام موزون، ۴۔ استدلال از آثار بر وجود آفریدگار، ۵۔ یکتائی حق، ۶۔ ذاتِ حق حقیقت وجوداست، ۷۔ شرح تصوّف، ۸۔ ارادت، ۹۔ مقامِ توبہ، ۱۰۔ کشف سرّ ورع، ۱۱۔ مقام زہد، ۱۲۔ سرِّ فقر، ۱۳۔ صبر، ۱۴۔ شکر، ۱۵۔ خوف، ۱۶۔ رجا، ۱۷۔ توکل، ۱۸۔ رضا، ۱۹۔ محبت، ۲۰۔ شوق، ۲۱۔ غیرت، ۲۲۔ قرب، ۲۳۔ حیا، ۲۴۔ حریت، ۲۵۔ فتوت، ۲۶۔ صدق، ۲۷۔ اخلاص، ۲۸۔ جود، ۲۹۔ قناعت، ۳۰۔ تواضع، ۳۱۔ حلم، ۳۲۔ طلاقت و جہ ومزاح، ۳۳۔ تودّد وتألف، ۳۴۔ سماع، ۳۵۔ دولت خواہی سلاطین، ۳۶۔ نیک خواہی ارکانِ دولت، ۳۷۔ دلالت رعایا بہ شکر گزاری از سلاطین، ۳۸۔ وصیت بہ فرزند خویش ضیاء الدین یوسف، ۳۹۔ نصیحت بہ نفس خویش، ۴۰۔ التماس از مطالعہ کنندگان

اس بے حد لطیف اور فصیح و بلیغ مثنوی کے بعد کوئی دوسری مثنوی اس وزن میں نہیں دیکھی گئی۔

پنجم: **یوسف و زلیخا**، یہ رومانی مثنوی بحر ہزج مسدس (مفاعیلن مفاعیلن فعولن) میں نظامی کی خسرو وشیرین اور فخر گرگانی (م: بعد از ۴۴۶ھ/۱۰۵۴ء) کی ویس ورامین کی طرز پر ہے۔ چار ہزار اشعار پر مشتمل یہ مثنوی ۸۸۹ھ/۱۴۸۴ء میں لکھی گئی۔

قلم نساجی این جنس فاخر رسانید آخر سالی بہ آخر
کہ باشد بعد از آن سال مجدّد نہم سال از نہم عشر از نہم صد
گرفتم بیت بیتش را شمارہ ہزار آمد و لیکن چار بارہ (۳۰)

ابتدا:

الٰہی غنچۂ امید بکشای
گلی از روضۂ جاوید بنمای

مثنوی کے شروع میں خطبہ، نعت، معراج النبی کا بیان، خواجہ عبید اللہ احرار کی منقبت اور سلطان حسین بایقرا کی مدح ہے۔ سبب تألیف اور فضیلت سخن (شاعری) میں دو نظمیں لکھ کر وہ اپنے اصل موضوع یعنی حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السّلام کے واقعہ کو اسلامی مآخذ کی روشنی

میں بیان کرتے ہیں۔ یہ قصہ لکھتے وقت قرآن مجید کی بارہویں سورہ "یوسف" جامی کے پیشِ نظر تھی۔لیکن اس داستان کا اصل مأخذ وہ اسرائیلی روایات ہیں جو تورات (سفر پیدائش، باب ۳۹۔ ۴۵) میں موجود ہیں۔ اسلامی ریاستوں میں بھی مفسرین، مورّخین، ارباب سیر واخبار یا جامی سے متقدم شعراء نے حضرت یوسف کی داستان سے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سب تورات کی روایات پر مبنی ہے۔ البتہ بعض مقامات پر مسلم مفسرین نے اسرائیلی روایات سے اختلافات کیے ہیں۔ مثلاً عزیز مصر اور اس کی بیوی کے نام کے بارے میں دونوں مآخذ میں جو اختلاف ہے ہم اس کا تقابل کیے دیتے ہیں۔

تورات

> "لیکن یوسف کو مصر لے جایا گیا۔ وہاں فرعونِ مصر کی خصوصی افواج کے سردار اور سربراہ فوطیفار نامی ایک مصری نے انھیں (حضرت یوسف کو) اسمٰعیلیوں سے خرید لیا جو انھیں وہاں لے گئے تھے۔ خدا یوسف کے ساتھ تھا، سو وہ (حضرت یوسف) کامیاب ہوا اور اپنے مصری آقا کے گھر ہی میں رہا...پس یوسف نے آقا کی نظر التفات پائی وہ اس کی خدمت کرتا۔ آقا نے اپنا گھر اسے سونپ دیا اور اپنی تمام جائداد بھی اس کے سپرد کی۔ یوسف قد و قامت میں بھلا اور خوبصورت دکھائی دیتا تھا اور اس کے بعد یوں ہوا کہ آقا کی عورت یوسف کو (بُری نظر سے) دیکھنے لگی۔" (سفر پیدائش، باب ۳۹)

قرآن مجید: (سورۂ یوسف: ۲۱)

آیۂ شریفہ: وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِہٖۤ اَکْرِمِیْ مَثْوٰهُ عَسٰۤی اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ط وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ کی تفسیر شیخ ابوالفتوح رازی نے یوں لکھی ہے:

> "جب یوسف کا مالک انھیں بازار لے آیا اور بیچنے کے لیے پیش کیا تو شاہی خزانہ دار نے انھیں خرید لیا۔ جس کا لقب عزیز اور نام قطفیر تھا، بعض نے اس کا نام اطفر بن رحیب کہا ہے۔ اس زمانے میں مصر کا بادشاہ ولید بن ریان تھا... قطفیر العزیز، یوسف کو خرید کر اپنے گھر لے گیا۔ اس نے اپنی بیوی، اوفکا بنت ہوس سے کہا کہ

اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرو۔ ہمیں اس سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا۔ آؤ ہم اسے اپنی فرزندی میں لے لیتے ہیں۔"(۳۱)

اور آیت وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ (یوسف:۲۳) کی تفسیر کرتے ہوئے رازی لکھتے ہیں:

"جب یوسف، عزیز کے گھر چلے گئے تو عزیز نے انھیں اپنی بیوی کے سپرد کیا، یوسف کا حسن و جمال کس قدر تھا وہ ہم بتا چکے ہیں۔ عزیز کی بیوی کا نام زلیخا تھا، جب اس نے یوسف کو ایک نظر دیکھا تو اسے پسند کرلیا۔ اُدھر حسنِ یوسفی کو روز بروز چار چاند لگ رہے تھے، اِدھر عشقِ زلیخا روز افزوں تھا۔"(۳۲)

لیکن جدید تحقیقات کے مطابق حضرت یوسف کا قید ہونا اور اُن کا مصر جانے کا واقعہ طوطیمیس ثالث (۱۵۰۳-۱۴۴۹ قبل مسیح) کے زمانے میں پیش آیا۔ طوطیمیس ثالث کا تعلق فراعنۂ مصر کے اٹھارویں سلسلے سے تھا۔ ان دنوں مصر پر شامی تمدن کے اثرات عروج پر تھے اور شام سے قیدیوں کو مصر لانا ایک معمول تھا۔ (۳۴)

جامی نے اس عشق پرور داستان کی تمام جزئیات وتفصیلات پر روشنی ڈالی ہے۔ اختتام پر تین نظموں کا اضافہ کیا ہے۔ ایک میں شکایتِ زمانہ ہے۔ دوسری میں اپنے لڑکے کو خطاب کیا ہے اور تیسری میں اپنے نفس سے مخاطب ہیں۔

مثنویات جامی میں سے سب سے زیادہ شہرت **یوسف و زلیخا** ہی کے حصے میں آئی ہے، جہاں بھی فارسی زبان بولی یا سمجھی جاتی ہے وہاں یہ مثنوی رواج پذیر رہی ہے، بلکہ غیر ملکی زبانوں میں بھی اس کے کئی تراجم ہو چکے ہیں۔

ششم: **لیلیٰ و مجنون**، یہ عشقیہ مثنوی بحر ہزج مسدس (فعول مفاعلن فعولن) میں نظامی کی لیلیٰ و مجنون اور خسرو دہلوی کی لیلیٰ و مجنون کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ تین ہزار آٹھ سو ساٹھ (۳۸۶۰) اشعار پر مشتمل یہ مثنوی ۸۸۹ھ/۱۴۸۴ء میں تصنیف ہوئی۔

کوتاہی این بلند بنیاد — در ہشتصد و نہ فتاد و ہشتاد
گر تو بہ شمار او بری دست — باشد سہ ہزار و ہشتصد وشصت (۳۵)

ابتدا:

ای خاک تو تاج سر بلندان
مجنون تو عقل ہوشمندان

خطبہ، نعت، معراج النبی اور اظہارِ معنی عشق کے بعد سبب تألیف میں جامی لکھتے ہیں کہ انھیں مظاہر عشق بیان کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے بعد جامی نے اپنے پیر طریقت خواجہ احرار کی مدح سرائی کی ہے اور نام لیے بغیر بادشاہِ وقت کا قصیدہ لکھا ہے۔ اس کے بعد اصل داستان شروع ہوتی ہے جس کا سارا تانا بانا عرب روایتوں سے بُنا گیا ہے۔ الاغانی اور عربی ادب کی دیگر کتب میں قیس عامری سے متعلق روایتیں، جامی کے پیشِ نظر تھیں۔ قیس عامری سے منسوب اکثر اشعار کا جامی نے بڑے دلکش انداز میں ترجمہ کیا ہے۔ خاتمے پر جامی نے چند اشعار اپنے بیٹے کو بطورِ نصیحت لکھے ہیں۔

اس مثنوی کے بھی غیر ملکی زبانوں میں کئی تراجم ہو چکے ہیں۔

ہفتم: **خردنامۂ اسکندری**، حکمت واخلاق کے نکات پر مبنی یہ مثنوی بحر متقارب مثمن (فعولن فعولن فعولن فعول) میں نظامی اور امیر خسرو کے **سکندرنامہ** کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ گو تاریخ تألیف کی تصریح نہیں ہوئی لیکن اس میں خواجہ عبیداللہ احرار (م: ۸۹۵ھ) کی مدح موجود ہے جس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب تقریباً ۸۹۰ھ/ ۱۴۸۵ء میں لکھی گئی، یعنی مثنوی **لیلیٰ و مجنون** کی تصنیف کے بعد۔ یوں بھی زیرِ نظر مثنوی میں جامی اپنے بڑھاپے اور قویٰ کے مضمحل ہونے کی کئی جگہوں پر شکایت کرتے ہیں:

جوانی کہ با دل سیاہی گذشت — بہ موی سیہ در تباہی گذشت
سیہ موی از من چو بر تافت روی — تو ہم از دل من سیاہی بشوی...
ز موی سپید خود اندر حجاب — کنم از سواد دل آن را خضاب
گرفتم کہ از دل شود مو سیاہ — چگونہ کنم راست پشت دوتاہ[۳۶]

ابتدا:

الٰہی کمال الٰہی ترا ست
جمال جہان پادشاہی ترا ست

توحید ومناجات، نعت، معراج النبی، منقبت خواجہ احرار، مدح سلطان حسین بایقرا، اپنے بیٹے کو نصیحت، نفس کی سرزنش اور شاعری کی فضیلت بیان کرنے کے بعد جامی نے کتاب کا اصل متن شروع کیا ہے جس میں ارسطو، افلاطون، سقراط، بقراط، فیثاغورث، اسقلینوس، ہرمس اور دیگر حکما کی سکندر کو نصیحتیں اور سکندر اور دوسرے لوگوں کے درمیان ہونے والی حکیمانہ مکاتبت و مراسلت اور فیلسوفانہ مباحث و مذاکرات درج ہیں۔ داستان کا اختتام سکندر کی وفات، اس پر حکما کے افسوس اور سکندر کی ماں کے نام ارسطو کے تعزیت نامے پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک فصیح و بلیغ نظم درج ہے جس میں جامی نے **خردنامۂ اسکندری** کو اپنے خمسہ کی آخری مثنوی بتایا ہے اور ان مثنویات کو دیگر خمسہ سراؤں (کی مثنویات) پر فوقیت دیتے ہوئے لکھا ہے:

بیا جامی ای عمرہا بردہ رنج　　ز خاطر برون دادہ این پنج گنج
شد این پنجت آن پنجۂ زوریاب　　کزو دست دریا کفان دیدہ تاب

لیکن اس کے بعد وہ اپنی درویشانہ طبع کے سبب متقدم اساتذہ کی فضیلت بیان کیے بغیر نہیں رہ سکے:

بہ آن پنج ہا کی رسد پنج تو　　کہ یک گنجشان بہ ز صد گنج تو

ازان بعد، امیر علی شیر نوائی اور اس کے ترکی خمسہ کی تعریف پر مثنوی کو پایۂ اختتام تک پہنچایا ہے۔ (۳۷)

۱۵۔ بہارستان

جامی نے یہ کتاب ابوالغازی سلطان حسین کے نام پر ۸۹۲ھ/ ۱۴۸۷ء میں تألیف کی۔

تک و پوی خامہ درایں طرفہ نامہ　　کہ جامی بدو کرد طبع آزمایی
بہ وقتی شد آخر کہ تاریخ ہجرت　　شود نہصد ار ہشت بروی فزایی (۳۸)

مولانا جامی نے یہ کتاب اپنے بیٹے ضیاء الدین یوسف کے لیے اس وقت تصنیف کی جب وہ دس سال کے تھے اور ابھی ابتدائی عربی زبان اور فنونِ ادب کے اکتساب میں مصروف تھے۔ **گلستانِ** شیخ سعدی ان کے زیرِ مطالعہ تھی۔ جامی نے **بہارستان**، **گلستان** کے طرز پر لکھی، جیسا کہ اس کے مقدمے میں تصریح موجود ہے:

"درآن اثنا بہ خاطر آمد کہ۔ تبرکاً لا لفاظہ الشریفہ و تبعاً لاشعارہ

الـلـطيـفـه -ورقی چند برین منوال وجزوی چند بر آن اسلوب، پرداخته گردد تا حاضران راداستانی باشد و غائبان راارمغانی۔“(۳۹)

اس مناسبت سے انھوں نے مقدمے میں یہ قطعہ درج کیا ہے:

گذری کن بر این بہارستان تا ببینی در او گلستانہا
وز لطافت بہر گلستانی رَستہ گلہا، دمیدہ ریحانہا(۴۰)

بہارستان کے اُسلوب تحریر میں سعدی کی پیروی کی گئی ہے۔یعنی نظم ونثر مخلوط ہے۔البتہ نظم کا تناسب زیادہ ہے۔ کتاب کی نثر مسجع اور پُرتکلف ہے۔ لطائف پر مشتمل فصل، لطافت اور ظرافت سے خالی نہیں ہے۔شعرا کے حالات پر مبنی باب میں جامی کے جن معاصر یا قریب العہد شعرا کے حالات درج ہیں وہ تاریخی اورادبی نقطۂ نظر سے بے حد اہم ہیں۔

گلستانِ سعدی آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔اسی کی تقلید میں **بہارستان** بھی آٹھ ”روضہ“ پر منقسم ہے:

روضۂ اوّل: حکایات اولیاءاللہ و بزرگان صوفیہ

روضۂ دوم: سخنان حکما

روضۂ سوم: عدالت سلاطین

روضۂ چہارم: سخاوکرم

روضۂ پنجم: تقریر حالات عشق

روضۂ ششم: مطایبات

روضۂ ہفتم: احوال شعرا

روضۂ ہشتم: حکایات وامثال منقول ازحیوانات

اختتام پر ایک مقالے میں جامی نے بات لمبی ہوجانے پر معذرت چاہنے کے بعد، سعدی کی طرح، قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کی ہے کہ **بہارستان** میں مذکور ومندرج تمام اشعار مستعار نہیں، بلکہ ان کے اپنے ہیں:

جامی ہر جا کہ نام انشا آراست از گفتۂ کس بعاریت ہیچ نخواست
آن راکہ زصنع خود دکان پُرکالاست دلالی کالای کسانش نہ سزاست(۴۱)

۱۶۔ الرسالۃ النائیہ

یہ منثور و منظوم رسالہ ''نَے'' کی حقیقت یا دوسرے لفظوں میں **مثنوی مولوی** کے پہلے شعر:

بشنواز نَی چون حکایت می کند
و ز جدایی ہا شکایت می کند

کی شرح میں لکھا گیا ہے۔

ابتدا:

عشق جز نایی و ما جز نَی نہ ایم

یہ رسالہ میری نظر سے نہیں گذرا اور اس کی تاریخِ تألیف بھی مجہول ہے۔

۱۷۔ شرح رباعیات

تاریخِ تألیف معلوم نہیں ہے۔

ابتدا:

حمداً لآلہ ھو بالحمد حقیق　　در بحر نوالش ہمہ ذرّات غریق
تا کردہ ز محض فضل توفیق رفیق　　نابردہ طریق شکر او ہیچ فریق

اختتام:

رباعی:

جامی کہ نہ مرد خانقاہ است و نہ دَیر　　نی با خبر از وقفہ، نہ آگاہ ز سیر
ہم فاتحہ، ہم خاتمہ اش جملہ تویی　　فاتح بالخیر ربّ واختم بالخیر

توحید اور معرفت ذات حق و جمال پر رباعیات کی صوفیانہ طریقے پر تشریح کی گئی ہے۔ مقدمے میں جامی لکھتے ہیں کہ پہلے انھوں نے اثبات وحدت وجود اور تنزلات پر کچھ فارسی رباعیات کہی تھیں۔ چونکہ قافیے کی پابندی کی وجہ سے تفصیل کے لیے میدان تنگ تھا، اس لیے ناگزیر طور پر اس اجمال کی تفصیل و تشریح کے لیے انھیں یہ منثور رسالہ لکھنا پڑا۔ اس میں انھوں نے اکابر صوفیہ کے ملفوظات کی مدد سے اپنی چوالیس رباعیات کی شرح لکھی ہے۔

۱۸۔ منشآت جامی

مولانا جامی کے مکتوبات اور رُقعات کا مجموعہ ہے، جسے انھوں نے خود ہی مرتّب کیا۔ اس

مجموعۂ منشآت میں پانچ اقسام کے رقعات ہیں:

۱۔ وہ رقعات جو خواجہ عبید اللہ احرار کو لکھے گئے۔

۲۔ وہ رقعات جو سلطان حسین بایقرا کو ارسال کیے گئے۔

۳۔ وہ رقعات جو ارباب حکومت کے نام تحریر ہوئے۔

۴۔ خراسان سے باہر سلاطین واکابر کے نام رقعات۔

۵۔ ملوک وافاضل واحباب کے نام متفرق رقعات، قطعات، اس میں بیشتر سفارشی خطوط اور تعزیت نامے ہیں۔

ان منشآت سے جامی کا مخصوص طرزِ انشا نمایاں ہے۔ یہ خاص اسلوب ان کا اختصار، ایجاز اور مسجع عبارات ہیں، جنھیں وہ اشعار اور پُر معمّا نکات سے مرصّع کرتے ہیں۔ پانچویں قسم میں موجود تاریخی مکتوبات، جو جامی نے اپنے معاصر فضلا اور قضات کو لکھے ہیں، وہ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں۔ یہاں ایک خط کا ذکر نا گزیر ہے جو انھوں نے قاضی زادہ رومی کو لکھا۔ یہ وہی صلاح الدین موسیٰ ہیں جن کا شمار سمرقند کے ممتاز علما میں ہوتا تھا اور وہ **زیج جدید گورکانی** کی تألیف میں میرزا الغ بیگ کے شریکِ کار تھے۔ جوانی میں جامی اُن کے شاگرد بھی رہ چکے تھے۔ اس مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا نے اُن کے حکم سے ایک کتاب بھی تألیف کی جو انھیں ارسال کی۔ وہ مکتوب یہ ہے:

''چون این مخدرہ حوراحلیۂ حلۂ کتابت پوشید وحلی تصحیح ومقابلہ بست، وقت آن آمد کہ منصۂ عرض در خلوتخانۂ بیت الکتب خاطر راغب ذی الفکر الثاقب والرأی الصائب لازال مجداً لا نام محمدا جلوہ دادہ شود۔ باشد کہ بعین رضا ملحوظ گردد واز قبلۂ حسن قبول محظوظ:

چون پس از تصحیح یابی در کتاب   جا بہ جا حرفی نہ بر وجہ صواب
عذر آن باشد ذکی را متضح   قد ابی کل کتاب ان یصح''(۴۲)

قاضی مجد الدین حسن یزدی اور قاضی عیسیٰ جو سلطان یعقوب ترکمان کے مقرب تھے، کے نام خطوط کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ جامی نے تفسیر سورۂ اخلاص بظاہر قاضی عیسیٰ ہی کے لیے لکھی تھی۔

۱۹۔ دیوان قصائد وغزلیات

جامی نے اپنا دیوان تین دفعہ مرتب کیا۔ پہلی دفعہ ۸۸۴ھ/ ۱۴۷۹ء میں اس کی تدوین و ترتیب ہوئی۔ اس مدوّن دیوان پر جامی نے ایک مقدمہ بھی لکھا۔

ابتداے دیوانِ اوّل:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　ہست صلای سر خوان کریم
خوان کرم کردہ کریم آشکار　　گوید بسم اللہ، دستی بیار

لطف کی بات یہ ہے کہ جامی نے اس مقدمے میں مترسلین کا اسلوب تحریر اپنایا ہے اور آیات و احادیث کے حوالے سے شعر و شاعری کے محاسن و فضائل گنوائے ہیں۔ جو آیات و احادیث، شعر وشاعری کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں، انھیں بھی بڑی چابکدستی کے ساتھ بطور تلویح درج کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت رسول اکرمؐ سے ایسی روایات نقل کی ہیں جوان کی شعر دوستی پر محمول کی جاتی ہیں۔ ازاں بعد، بزرگانِ دین اور صوفیہ کی منظوم کلام سے رغبت پر مبنی حکایات درج کی ہیں۔ آخر میں وہ اپنی شاعری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''القصہ در ہر وقت سخنی کہ مناسب آن وقت روی می داد، سوادی می کردم، و در ہر حال نکتہ ای کہ برحسب مقتضای آن حال در خاطر می افتاد بہ بیاض می آوردم تا بہ تفاریق مجموعہ ای جمع آمد۔ جمیع معانی را جامع ولوامع سرّ جامعیت از مطاوی آن لامع، الاّ آنکہ دروی از استیلای طمع خام وحرص بر اخذ حطام بہ مدح وقدح لئام زبان نیالودہ ام وقلم نفرسودہ۔ والحمدللّٰہ علی ذلک۔ و در این معنی گفتہ شدہ است:

نہ دیوان شعر است این، بلکہ جامی　　کشیدہ است خوانی بہ رسم کریمان
ز الوان معنی در او ہر چہ خواہی　　بیابی، مگر مدح و ذمّ لئیمان

و چون آن در اوقات مختلف واحوال متفاوت دست دادہ بود در آن ترتیبی جز وضع آن بر نہج حروف تہجی مرعی نیفتادہ بود دروی تقدیم ماحقہ التأخیر بسیار بود و تأخیر ماحقہ التقدیم بیشمار۔ لاجرم در این وقت چنان در خاطر افتاد کہ آن ترتیب را تغییری دہم و بہ تجدید ترتیبی نہم، تا ہر شعری در مقرّ خود قرار گیرد و ہر غزلی در مستقر خود

استقرار پذیرد۔

وچون مولد این فقیر ولایتِ جام است کہ مرقد مطہر ومشہد معطر شیخ الاسلام احمد الجامی - قدس اللہ سرہٗ السامی - آنجاست واین معنی رارشحہ ای از جام ولایت وی می دانم، تحقیق نسبت را بہ ولایت جام وجام ولایت شیخ الاسلام، ''جامی'' تخلص کردہ شد۔

مولدم جام و رشحۂ قلمم جرعۂ جام شیخ الاسلامی ست
لاجرم در جریدۂ اشعار بہ دو معنی تخلصم جامی ست''(۴۳)

دوسری بار جامی نے ۸۸۵ھ/۱۴۸۰ء میں اپنے مزید تقریباً دس ہزار اشعار جمع کر کے پہلے دیوان سے ملحق کر دیے۔ البتہ دوسرے مدوّن دیوان پر الگ مقدمہ بھی لکھا۔

ابتدائے دیوان دوم:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم املی حمد المنان الکریم
آنکہ بہ این نکتۂ سنجیدہ گشت فاتحہ آرای کلام قدیم

متکلمی کہ خلعت اعجاز کلام معجز طراز قرآن رابہ مانفی ''و **ما ھو بقول شاعر** ''از آلایش تہمت شعر مطہر ساختہ۔''

اسی مقدمہ میں وہ سبب تألیف یوں بتاتے ہیں:

''نمودہ می آید کہ در تاریخ سنۂ اربع وثمانین وثمان مائہ کہ مدت عمر از شصت گذشتہ بود و بہ ہفتاد نزدیک گشتہ، قریب بہ دہ ہزار بیت از شعرہای پراکندہ کہ اوقات شریف بہ آن ضایع گشتہ بود برآن تأسف می بردم، دفع دغدغۂ جمع و ترتیب راکردہ شد وہمت برآن بود کہ اگر بقیۂ حیاتی باشد بہ تلافی آن مصروف گردد۔ اما چون گاہ گاہ بہ حکم وقت بی سابقۂ تکلفی بیتی یا بیشتر از خاطر سرمی زد بہ موجب اشارت بعضی از درویشان، کہ ''باد اوقت ایشان خوش چو وقت دیگران ز ایشان'' صورت تکمیل می یافت ودر قید کتابت می آمد وادراج آن در سلک آنچہ پیشتر سمت انتظام یافتہ بود، مظنۂ اخلال بہ ترتیب آن می بود جداگانہ در این اوقات ثبت افتاد۔ امید است کہ اگر موجب اجری نباشد مفضی بہ وِزری نیز

نگردد۔

در آغاز تصویر این تازہ نقش چو "تمۃ" گفتم از بہر فال
خردمند دانا بہ سرّ حروف از آن گفتہ دریافت تاریخ سال"(۴۴)
[تمۃ = ۸۸۴ھ]

تیسری بار جامی نے ۸۹۶ھ/ ۹۰-۱۴۹۱ء میں یعنی اپنی وفات سے دو سال پہلے اپنے دیوان کی تدوین کی اور اسے ایک جدید ترتیب کے تحت تین حصوں میں تقسیم کر دیا:

۱۔ **فاتحۃ الشباب**: نوجوانی میں کہے گئے اشعار کا مجموعہ،

۲۔ **واسطۃ العقد**: اپنی عمر کے درمیانی حصے میں کہے گئے اشعار کا مجموعہ،

۳۔ **خاتمۃ الحیوۃ**: وہ اشعار جو اپنی زندگی کے آخری سالوں میں کہے۔

اس از سرِ نو ترتیب و تدوین کے دو سبب تھے۔ ایک تو امیر خسرو دہلوی کی مثال جامی کے سامنے تھی جنھوں نے اپنے اشعار کو زندگی کے ادوار کے لحاظ سے مدوّن کیا تھا۔(۴۵) دوسرا امیر علی شیر نوائی کا تقاضا بھی یہی تھا۔ امیر خود خمسۃ المتحیرین میں لکھتا ہے:

"میں (مشہد میں) امام علی بن موسیٰ الرضا کے روضے کی زیارت کے بعد حسبِ معمول مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان دنوں وہ اپنا تیسرا دیوان ترتیب دے رہے تھے۔ اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک دیوان مجھے عنایت فرمایا۔ میں نے جسارت سے کام لیتے ہوئے کہا، ہم نے نہیں سنا کہ امیر خسرو کے علاوہ بھی کسی شاعر نے اپنے ایک سے زائد دواوین مرتّب کیے ہوں۔ خسرو نے اپنے جتنے دیوان بھی مرتّب کیے ہیں، ہر ایک کا الگ اور موزوں نام رکھا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ بھی اپنے ہر دیوان کے لیے ایک مخصوص نام تجویز فرمائیں۔ انھوں (جامی) نے میری تجویز مان لی۔ دو دن بعد جب میں دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو چند کاغذات لا کر مجھے دیے۔ جن پر انھوں نے اپنے دواوین کی فہرست لکھ رکھی تھی اور ہر دیوان کا نام الگ الگ درج تھا۔"(۴۶)

مولانا جامی نے اس تیسرے مدوّنہ دیوان پر بھی حسبِ معمول مقدمہ قلم بند کیا، جہاں وہ لکھتے ہیں:

''...نمودہ می آید کہ این کمینہ بہ حسب فطرت اصلی وقابلیت جبلی ہدف سہام احکام خجستہ فرجام صنعت کلام افتادہ بود ہرگز نتوانست کہ اوقات خود را بالکلیہ از ابداع نظمی یا اختراع نثری فارغ یا بدو خالی گرداند، لاجرم از توالی اعوام وشہور وتمادی اعصار ودھور رسائل وکتب متعددہ از منثورات ودفاتر متنوعہ از مثنویات ودواوین متفرقہ از قصاید وغزلیات جمع آمدہ بود تا دراین زمان کہ از تاریخ ہجرت نبویہ تا تکمیل مائہ تاسعہ سہ سال بیش باقی نماندہ است محبّ ومعتقد درویشان، بلکہ محبوب ومعتقد ایشان نظام الملۃ والدین علی شیر- وفقہ اللہ- ہمت شریف بدان آوردہ است کہ دواوین وقصائد وغزلیات را کہ عدد آن بہ سہ رسیدہ، در یک جلد فراہم آورد وچون سہ مغز در یک پوست پر ورد، ازین فقیر استدعای آن کرد کہ ہر یک بہ اسمی خاص اختصاص گیرد واز وصمت ابہام واشتراک صورت استخلاص پذیرد۔
لاجرم بہ ملاحظۂ اوقات وقوعشان دیوان اوّل کہ در اوان جوانی واوایل زمان امانی بہ وقوع پیوستہ بہ **فاتحۃ الشباب** اتسام می یابد و دیوان ثانی کہ در اواسط ایام زندگانی انتظام یافتہ بہ **واسطۃ العقد** نامزد می شود و دیوان ثالث کہ در اواخر حیات آغاز ترتیب آن شدہ است بہ **خاتمۃ الحیوۃ** موسوم می گردد۔ امیدواری بہ کرم پروردگاری عزّ شانہ واثق است کہ نام ہمہ عزیزان بصوالح اعمال ولطائف اقوال بر صفحات روزگار بماند وآن را واسطۂ دعای خیر ووسیلۂ سعادت آخرت گرداند۔

ہرگز مکناد این فلک پر اشتلم   نام ما را ز نامۂ ہستی گم
زیرا کہ بقای آن پس از مرگ نخست   گویند حکیمان کہ حیاتی ست دوم'' (۴۷)

ابتدائے دیوان سوم:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   طرفہ خطابی ست ز سفر کریم
کردہ ازین حرز ستایشگران   نقش نگین خاتم پیغمبران

جامی کے ان تینوں دواوین کے مندرجات کی تفصیل یوں ہے:

ا۔ **قصائد:** وہ نظمیں جو حمد خداوند، نعت رسول اکرمؐ، مناقبِ ائمہ اور معاصر سلاطین کی مدح میں لکھیں، کچھ عارفانہ کلام، اخلاقی نظمیں اور مرثیے بھی آگئے ہیں۔

۲۔**مثنویات وترجیعات:** مختلف موضوعات پر مختصر نظمیں ہیں۔

۳۔**غزلیات:** جامی کے دیوان کا بیشتر حصہ یہی غزلیات ہیں۔ان کی کوئی غزل بھی سات اشعار سے زائد نہیں ہے۔ان غزلوں میں مضامین کی لطافت اور ندرت کم اور عشق وتصوّف کے لطائف وحقائق زیادہ ہیں۔

۴۔**مقطعات:** نصیحت آمیز اور پُر مزاح نظموں پر مشتمل یہ ایک مختصر حصہ ہے۔

۵۔**رباعیات:** یہ حصہ بھی عشق وتصوّف کے مسائل پر مبنی ہے۔

ان پانچوں اصنافِ سخن میں اگر چہ ہم جامی کو قصیدہ سرائی میں انوری ومعزی،غزل گوئی میں سعدی و حافظ، رباعی کہنے میں ابوسعید ابوالخیر اور خیام اور قطعہ سازی میں سنائی اور ابن یمین (فریومدی) ایسے اساتذۂ سخن پر فوقیت نہیں دے سکتے، بلکہ بعض معاملات میں مذکورہ شعرا ہی کو جامی پر برتری حاصل ہے لیکن جب شاعری میں تصوّف کی اصطلاحات اور حقائق کے بیان کی بات چل نکلتی ہے تو وہاں جامی سب شاعروں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔عربی مضامین، روایات اور اقوال سے مطلب اور مفہوم اخذ کرنے اور انھیں فارسی میں منتقل کرنے کی مہارت میں جامی کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ترجمے کے کام میں ''امانت ودیانت'' ان کا شیوہ تھا۔اگر چہ وہ اس ضمن میں اپنے کلام کو طول دیتے ہیں لیکن کیا مجال کہ وہ اصل موضوع کی حد سے ایک قدم بھی تجاوز کریں۔**دیوان جامی** میں جہاں کہیں بھی کوئی عربی قطعہ یا شعر مستقل یا بطور ملمع آیا ہے اس نے جامی کے فارسی اشعار کو نئی زینت بخشی ہے۔عربی ادبیات میں مولانا جامی کا تبحر اور مہارت ان کی شہرت کا اصل سبب ہے کیونکہ جامی سے متقدم یا متاخر جن فارسی شعرا نے بھی عربی اشعار کہنے یا عربی ادبیات سے کچھ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے وہ جامی کے پایہ تک نہیں پہنچ پائے۔

جامی کے اشعار پر ہماری رائے زنی سے بہتر ہے ہم یہاں ان کا وہ قطعہ درج کردیں جو انھوں نے اپنے تیسرے دیوان میں اپنی شاعری کے بارے میں لکھا ہے:

هست دیوان شعر من اکثر غزل عاشقان شیدایی
یا فنون نصائح است و حِکَم منبعث از شعور و دانایی
ذکر دونان نیابی اندر وی کان بود نقد عمر فرسایی
مدح شاهان در او به استدعاست نه ز خوش خاطری و خود رایی

امتحان را، اگر ز سر تا پاش   بر روی صد ره و فرود آیی
زان مدائح بہ خاطرت نرسد   معنی حرص و آز پیمائی
ہیچ جا نبود آن مدائح را   در عقب قطعۂ تقاضایی (۴۸)

۲۰۔ الفواید الضیائیہ یا شرح بر کافیۂ ابنِ حاجب

یہ عربی کتاب ۱۱ رمضان ۸۹۷ھ/ ۷ جولائی ۱۴۹۲ء کو تألیف ہوئی۔

ابتدا:

"الحمد لولیه والصلوٰة علی نبیه و علی آله و اصحابه المتادبین بآدابه."

اختتام:

"قد استراح من مکدّ الانتهاض لنقل هذا الشرح من السواد الی البیاض العبد الفقیر عبدالرحمٰن الجامی... فی ضحوة السبت الحادی عشر من شهر رمضان المنتظم فی سلک شهور سنة سبع و تسعین و ثمان مائه."

علمِ نحو میں ابن حاجب کی عربی کتاب **کافیہ** کی شرح ہے۔ (۴۹) اسے جامی نے اپنے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کے لیے لکھا جو ان دنوں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اسی مناسبت سے کتاب کا نام **فوائد الضیائیہ** رکھا گیا۔ کتاب کا اسلوب قدیم شارحین کی طرز پر ہے یعنی اصل متن کا جملہ نقل کر کے اس کی شرح لکھی گئی ہے۔ تاہم ضمناً آیات و احادیث اور عربی اشعار بطور حوالہ استعمال کر کے جامی نے کئی اضافی نکات بھی درج کیے ہیں۔

جامی کی تألیفات کا ذکر یہیں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اس بارے میں یہ اظہارِ افسوس ناگزیر ہے کہ ہمیں مولانا کے دیگر قلمی آثار دستیاب نہ ہو سکے اور ان کا تعارف درج ہونے سے رہ گیا۔ دراصل تہران میں جو وسائل و اسباب میسر تھے یا جامی کے جن نسخوں کو دیکھا یا پڑھا جا سکتا تھا، ہم نے انھی پر اِکتفا کیا ہے اور یہ مختصر باب دراصل تصانیف جامی کے سلسلے میں مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان شاء اللہ دوسرے علما و فضلا ان ناقص معلومات کو مکمل کریں گے اور جو کچھ صرفِ نظر ہوا ہے اس کی تلافی فرمائیں گے۔ اگر کوئی سہو و اشتباہ واقع ہوا ہے تو اس کی بھی تصحیح کی جائے۔

تکملۂ آثارِ جامی

از

عارف نوشاہی

مقدّمہ

جامی کی تصانیف کی تعداد

جامی کی تصانیف کی صحیح تعداد کے بارے میں ہمیشہ سے اختلاف رہا ہے۔ یہ اختلاف جامی کے معاصر سوانح نویسوں کی تحریروں ہی سے شروع ہو جاتا ہے جو مرور زمانہ کے ساتھ دیگر تذکرہ نویسوں، مورخوں اور فہرست نگاروں کے ہاں مزید الجھی ہوئی نظر آتی ہے۔ میر علی شیر نوائی نے خمسۃ المتحیرین میں یہ تعداد ۳۹، لیکن اپنی دوسری تصنیف نسائم المحبۃ میں ۴۰، عبدالغفور لاری نے تکملہ میں ۴۷ اور عبدالواسع باخرزی نے ۴۲ بتائی ہے۔ بعض مصنفین۔ شاید تفنن پیدا کرنے کے لیے۔ ان تصانیف کی تعداد لفظ جامی کے اعداد کے برابر یعنی ۵۴ بتاتے ہیں لیکن کبھی بالفعل یہ تصانیف اس تعداد سے مطابقت پیدا نہیں کر سکیں۔

جامی کے معاصر سوانح نویسوں میں سے صرف تاجک محقق اعلا خان افصح زاد ہی ہیں جنھوں نے جامی کی تصانیف کی صحیح تعداد تک پہنچنے کی علمی کوشش کی ہے۔ ان کے پیش نظر سب سے پہلے یہ بات تھی کہ خود جامی نے اپنے کلیات پر جو دیباچہ لکھا ہے اس میں اپنے تمام نظم و نثر کے مجموعوں کو مرتب کرنے کی بات کی ہے اور خود وہ یہ کام انجام دے چکے تھے " **در خاطر آمد که مجموعهٔ مرتب... باشد و چون بر این معنی اقدام نموده شد و به توفیق الله سبحانه به اتمام رسانیده، به معرض عرض فاضلان ...رسانیده می شود**" (ص: شش) افصح زاد کے خیال کے مطابق جامی نے اپنا یہ کلیات، اپنے تیسرے دیوان کی ترتیب سے کچھ پہلے، ۸۹۶ھ میں مرتب کرنا شروع کیا تھا وراسی سال یہ کام مکمل کر لیا تھا۔ گویا یہ تدوین جامی کی وفات سے دو سال قبل ہوئی۔ افصح زاد کو اس کلیات کا ایک قلمی نسخہ از بکستان اکیڈمی اف سائنسز ،تاشقند (نمبر ۱۳۳۱) میں ملا جو ۹۰۸ھ میں محمد بن حسن شاہ الکاتب الہروی نے کتابت کیا۔ اس نسخے پر جامی کا مقدمہ ہے جس کا حوالہ اوپر گذر چکا ہے اور اس میں جامی کی ۳۸ تصانیف، یک جا

ہیں۔ان کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ شواہد النبوۃ
۲۔ نفحات الانس
۳۔ نقد النصوص
۴۔ اشعۃ اللمعات
۵۔ لوامع
۶۔ شرح قصیدۂ تائیہ
۷۔ رسالہ شرایط ذکر
۸۔ رسالہ مناسک حج
۹۔ بہارستان
۱۰۔ رسالۂ عروض
۱۱۔ رسالۂ موسیقی
۱۲۔ لوائح
۱۳۔ دیوان اول: فاتحۃ الشباب
۱۴۔ دیوان دوم: واسطۃ العقد
۱۵۔ دیوان سوم: خاتمۃ الحیات
۱۶۔ دفتر اول سلسلۃ الذہب
۱۷۔ دفتر دوم سلسلۃ الذہب
۱۸۔ سلامان وابسال
۱۹۔ دفتر سوم سلسلۃ الذہب
۲۰۔ تحفۃ الاحرار
۲۱۔ سبحۃ الابرار
۲۲۔ یوسف وزلیخا
۲۳۔ لیلی ومجنون
۲۴۔ خردنامۂ اسکندری
۲۵۔ رسالۂ کبیر درمعما: حلیہ حلل
۲۶۔ رسالۂ صغیر درمعما
۲۷۔ رسالۂ متوسط درمعما
۲۸۔ رسالۂ قافیہ
۲۹۔ رسالہ معمای منظوم اصغر
۳۰۔ منشآت
۳۱۔ سخنان خواجہ پارسا
۳۲۔ شرح بیتین مثنوی (نائیہ)
۳۳۔ اربعین حدیث
۳۴۔ رسالۃ فی الوجود
۳۵۔ شرح بیت امیر خسرو
۳۶۔ شرح حدیث ابی رزین العقیلی
۳۷۔ تحقیق المذاہب
۳۸۔ شرح رباعیات

چونکہ جامی نے اپنی تمام تصانیف کا یہ مجموعہ ۸۹۶ھ میں مرتب کیا تھا، لہٰذا قدرتی طور پر اس میں اس تاریخ سے بعد میں تصنیف ہونے والی دو کتابیں **شرح فصوص الحکم** (سال تصنیف ۸۹۶ھ) اور **فوایدالضیائیہ** (سال تصنیف ۱۱ رمضان ۸۹۷ھ) شامل نہیں ہیں۔ جامی کا **رسالۂ کبیر درمناسک حج** (۸۷۷ھ) بغداد کے راستے میں گم گیا تھا۔ تفسیر اور **شرح مفتاح الغیب** دونوں

نامکمل رہے تھے اور رسالۂ لا الہ الا اللہ کوئی مستقل رسالہ نہ تھا بلکہ **فوایدالضیائیہ** کے آغاز سے لیا گیا ہے، لہٰذا یہ بھی کلیات کے نسخہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ رسالۂ **سوال و جواب ھندوستان** اور **صرف فارسی منظوم ومنثور** بھی انہی وجوہات کی بنا پر کلیات میں شامل نہیں ہوئے ہوں گے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جامی کی مذکورہ ۳۸ تصانیف کے علاوہ حسب ذیل کتب مسلم الثبوت ہیں:

۳۹۔ **شرح فصوص الحکم**
۴۰۔ **فوایدالضیائیہ**
۴۱۔ **تفسیر (نامکمل)**
۴۲۔ **شرح مفتاح الغیب**
۴۳۔ **رسالۂ سوال وجواب ھندوستان**
۴۴۔ **صرف فارسی منظوم ومنثور**
۴۵۔ **رسالۂ کبیر درمناسک حج**
۴۶۔ **کتابی درعلم نجوم یاہیئت**، جو جوانی میں لکھی تھی۔

جامی کے سوانح نویس اور اہل کتاب جس قدر جامی کے زمانے سے دور ہوتے چلے گئے، جامی کی تصانیف کی تعداد میں کمی یا بیشی ہوتی رہی یا نام بدلتے رہے۔ مثلاً تذکرۂ **تحفۂ سامی** کے میں **شرح حدیث ابی رزین العقیلی**، بدل کر **شرح حدیث ابی ذر غفاری** ہوگئی۔ یا **مناقب مولوی** اور **مناقب خواجہ عبداللہ انصاری** نام کے مزید دو رسالوں کا ذکر ہوا جو کچھ محققین کا خیال ہے کہ **نفحات الانس** سے اقتباس شدہ تحریریں ہوسکتی ہیں۔

جامی کی تصانیف کے اسما میں تصحیف کی وجہ سے ایک ایک کتاب کے دو دو نام ہو گئے ہیں۔ ایک مثال تو اوپر دی ہی جا چکی ہے (**شرح حدیث ابی رزین العقیلی / شرح حدیث ابی ذر غفاری**)۔ دوسری مثال **رسالہ فی الوجود** ہے جسے حکمت نے **رسالہ فی الواحد** بنا دیا ہے۔ اور **رسالہ شرایط ذکر** کو **رسالہ طریقۂ نقشبندی** نام دے کر علیحدہ کر دیا گیا ہے۔

متاخر تذکرہ نویسوں نے جامی کی تصانیف کی تعداد لکھنے میں تحقیق سے کام نہیں لیا۔ تذکرۂ **عرفات العاشقین** (سال تألیف: ۱۰۲۲ھ) نے یہ تعداد ۵۴ بتائی ہے اور تذکرۂ **مرآت الخیال** (سال تألیف: ۱۱۰۲ھ) میں یہ تعداد ۹۹ تک پہنچ گئی ہے۔ سعید نفیسی کے ہاں یہ تعداد ۸۷ ہے۔ اس میں ۴۴ نام معمولی اختلاف سے انھی کتب کے ہیں جن کا اندراج ہم اوپر کر چکے ہیں۔ بقیہ ۴۳ رسائل کے نام لگتا ہے کہ نفیسی کے ہاں مختلف مآخذ سے در آئے ہیں جن میں کچھ تو غیر مستقل رسائل ہیں جیسے اعتقادنامہ، رسالہ لا الہ الا اللہ، مناقب جلال الدین رومی، مناقب خواجہ

عبداللہ انصاری وغیرہ۔ نفیسی کے بتائے ہوئے بعض نام غیر حقیقی اور تصحیف کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً رسالۂ شرایط ذکر کو وہ ذکر طریقۂ صوفیان بطریقۂ خواجگان کہتے ہیں (مزید مثالوں سے میں نے صرف نظر کیا ہے)۔ (۱)

علی اصغر حکمت نے لکھا ہے کہ ان کی مولانا جامی کی تمام تصانیف تک رسائی نہیں تھی اور انھوں نے صرف وہی کتابیں قابلِ ذکر سمجھی ہیں جن کو وہ تہران میں میسر اپنے وسائل کی مدد سے دیکھ پائے تھے۔ (۲)

حکمت کی یہ مشکل بجا تھی کہ صرف تہران میں بیٹھ کر خراسان و ایران کی حدود سے باہر پراکندہ تصانیف جامی کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا اور ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے

حکمت نے لگ بھگ ۱۹۴۲ء میں جامی پر زیرِ نظر کتاب لکھی تھی، اب ۲۰۱۱ء آ پہنچا ہے، تب سے لے کر اب تک کے درمیانی ستّر سالوں میں محققین اور کتاب شناسوں نے جامی کے چند مزید آثار دریافت کر لیے ہیں۔ اُدھر دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود مشرقی مخطوطات کی جو فہارس شائع ہوئی ہیں ان میں بھی جامی کے نئے اور پرانے آثار کا ذکر ملتا ہے۔ فارسی اور عربی ادب کی تاریخ پر کام کرنے والوں نے بھی جامی کی کتابیں دریافت کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ جامی کی تصانیف کی ایک جامع فہرست مرتّب کرنے کے لیے مذکورہ فہارس کتب اور تواریخِ ادب سے استفادہ کرنا، ناگزیر ہے۔ جیسا کہ ہم اپنے مقدمہ میں لکھ آئے ہیں کہ جامی کے معنوی اور علمی تعلقات بڑے وسیع تھے اور ترکستان، ہندوستان، ماوراء النہر، روم اور عراق عجم وغیرہ کے سلاطین و اکابر کے ساتھ ان کی خط کتابت اور تبادلۂ کتب رہتا تھا۔ لہٰذا ان ممالک کے شاہی، سرکاری اور علمی خاندانوں کے موروثی کتب خانوں سے بھی جامی کے آثار کی تلاش ضروری ہے۔

مولانا جامی کی تصنیفات وتألیفات کی فہرست کی تکمیل کے لیے مذکورہ بنیادی تقاضوں کو پاکستان میں بیٹھ کر پورا کرنا ہمارے لیے بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا جناب حکمت کے لیے تہران میں تھا۔ اس کے باوجود ہم نے کوشش کی ہے کہ یہاں دستیاب تواریخ ادبیات اور عربی و فارسی کتب کی فہارس سے تصانیف جامی کا سراغ لگایا جائے اور جن پاکستانی کتب خانوں تک ہماری رسائی اور وہاں سے استفادے کی سہولت ممکن تھی وہاں سے بھی آثارِ جامی تلاش کر کے ان کے نام اپنی فہرست میں شامل کریں۔ نیز گذشتہ چند سالوں میں غیر ملکی اسفار بالخصوص سفر ہائے ایران سے

آثار جامی کے بارے میں جو تازہ بہ تازہ معلومات ملتی رہی ہیں ان سے بھی فایدہ اٹھایا گیا ہے۔

بہرحال اس محدود کوشش سے اب تصانیفِ جامی کی نسبتاً ایک جامع تر فہرست تیار ہوئی ہے۔ حکمت نے جامی کی ۴۵ تصانیف کی ایک نام وار فہرست درج کر کے اس میں سے صرف ۲۰ کتابوں کا مفصل تعارف درج کیا ہے۔ میں نے اپنے تکملہ میں ۵۱ کتابوں کا تعارف لکھا ہے۔

زیرِ نظر فہرست (تکملہ) میں بعض کتب و رسائل کا تعارف مختصر اور تشنہ ہے۔ اس کی بڑی وجہ اُن رسائل کا دستیاب نہ ہونا یا مخطوطہ کی صورت میں پاکستان سے باہر ہونا ہے۔ جنھیں اپنے ذاتی محدود ذرائع سے حاصل کرنا میرے لیے آسان نہیں تھا۔

ہم نے اس تکملہ میں تصانیف جامی کی فہرست کو ازسرِ نو موضوعی ترتیب پر مدوّن کیا ہے اور اسے تین حصوں پر تقسیم کیا ہے۔

پہلا حصہ

(قسم الف) جامی کی مستقل تصانیف کی فہرست پر مشتمل ہے اور جامی سے ان کی نسبت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس انتساب کی صحت کے لیے ہم نے مولانا عبدالغفور لاری کے **تکملۂ حواشی نفحات الانس** (تألیف بعد از ۸۹۸ھ و قبل از ۹۱۲ھ) سے مدد لینے کے علاوہ ذاتی اجتہاد سے بھی کام لیا ہے۔ اس حصہ میں ۵۱ کتابوں کا ذکر ہے۔

(قسم ب) جامی کی غیر مستقل تصانیف پر مبنی ہے۔ یعنی اُن کی مستقل اور اصل کتابوں کا انتخاب و اقتباس جو الگ نام سے معروف ہے۔ ہم نے اس قسم کی ۵ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

گویا مجموعی طور پر حصۂ اول میں ۵۶ کتب کا تعارف ہے۔

دوسرا حصہ

اس حصہ میں جامی کی وہ کتابیں متعارف ہوئی ہیں جن کے نام متأخر اور معاصر کتب تاریخ و تذکرہ اور فہارس میں ملتے ہیں۔ ہم ان میں سے اکثر کتابیں دیکھ نہیں پائے، ممکن ہے اب اُن کے صرف نام ہی محفوظ رہ گئے ہوں۔ ایسی صورت میں ان کتابوں کی جامی سے نسبت کے بارے میں کوئی قطعی اور حتمی رائے دینا مشکل ہے۔ اس بات کا بھی امکان پایا جاتا ہے کہ ایک ہی رسالے کو دو یا دو سے زیادہ نام دیے گئے ہوں۔ پھر بھی تذکرہ نگاروں، مورّخوں اور فہرست نویسوں کی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے ان رسائل و کتب کو فی الحال جامی کی تصانیف کی فہرست میں شامل

کرلیا گیا ہے۔اس قسم کی ۷۴ کتابوں کا یہاں اندراج ہوا ہے۔

تیسرا حصہ

اس حصہ میں وہ کتابیں ہیں جو صریحاً غلط طور پر جامی سے منسوب کردی گئی ہیں، حالانکہ ان کے اصل مصنّفین معلوم ہیں یا دوسرے ٹھوس شواہد کی بنا پر انھیں جامی کی تصنیف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ غلط انتساب دراصل کاتبوں، نساخوں اور ان کی پیروی میں فہرست نگاروں، تذکرہ نویسوں کی عجلت اور کم توجہی کا نتیجہ ہے۔ہم نے موضوع کی مناسبت سے یہاں صرف ۱۱ کتابوں کی نشان دہی کی ہے، تلاش اور ورق گردانی سے مزید مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔

اس تکملہ میں کوشش کی گئی ہے کہ حصہ اوّل و دوم میں مذکور کتابوں کے ضروری اور دستیاب کوائف درج کردیے جائیں۔لیکن ہم نے ان کتابوں پر نقد ونظر سے گریز کیا ہے کیونکہ یہ کام ان صاحبِ نظر لوگوں کا ہے جو اپنے ذوق کے مطابق جامی کی تحریروں کا خصوصی اور عمیق مطالعہ رکھتے ہیں۔بعض موارد میں یہ کام ان مرتّبین نے بھی انجام دے دیا ہے جنھوں نے آثارِ جامی کی تدوین کی اور اپنے تجزیاتی مقدّموں کے ساتھ انھیں شائع کیا۔ہم نے ایسی معیاری اشاعتوں کی بھی نشاندہی کردی ہے اور مزید تفصیلات کے لیے دوسرے مآخذ کا حوالہ دے دیا ہے۔اپنی اطلاع کے مطابق غیر مطبوعہ تصانیفِ جامی کے سلسلے میں ہم نے ان کے معلوم قدیم ترین مخطوطات کا ذکر مفید سمجھا ہے۔

ان متفرق کوششوں کے باوجود اس امر کی شدید ضرورت پائی جاتی ہے ایرج افشار مرحوم (وفات: ۹ مارچ ۲۰۱۱ء) کی کتابشناسی فردوسی کی طرز پر ایک مربوط اور مکمل ''کتاب شناسی جامی'' کے لیے کام کیا جائے جو کم از کم مندرجہ ذیل پہلوؤں پر محیط ہو:

۱۔ جامی کے حالات پر مستقل کتابیں،

۲۔ جامی کے حالات پر عمومی کتابیں،

۳۔ جامی کے بارے میں مقالات،

۴۔ جامی کے آثار کی فہرست،

۵۔ جامی کے آثار کی شروح وتراجم وغیرہ کی فہرست،

۶۔ جامی کے آثار کی طباعتیں،

۷۔ جامی کے آثار کے نویں اور دسویں صدی ہجری میں مکتوبہ قلمی نسخوں اور دیگر نفیس مخطوطات کی فہرست۔

عارف نوشاہی

نظر ثانی:

۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء، اسلام آباد

پہلا حصہ (قسم الف)

جامی کی مستقل تصانیف

ادب:

نثر

۱۔ بہارستان یا روضۃ الاخیار (فارسی۔ نثر و نظم)

آغاز:

چو مرغ امر ذی بالی ز آغاز
نہ از نیروی حمد آید بہ پرواز

... ہزاران ہزار داستان حمد و ثنا از زبان مرغان بہارستان عشق و وفا کہ۔

اشاعت:

بہارستان و رسائل جامی، مقدمہ و تصحیح اعلا خان افصح زاد، محمد جان عمر اُف، ابوبکر ظہور الدین، میراث مکتوب و مرکز مطالعات ایرانی، تہران، ۱۳۷۹ھ ش / ۲۰۰۰ء، ص ۱۶۹-۱۹

ازبکی ترجمہ:

محمد رضا ایر نیاز بیگ اوغلی آگہی (۱۸۰۹-۱۸۷۴ء) نے خیوہ میں ازبکی ترجمہ کیا۔ (۳)

نیز ملاحظہ ہو:

۱۔ احمد گلچین معانی: تاریخ تذکرہ ہای فارسی، ۲: ۴۸۶-۴۸۵

۲۔ خواجہ عبداللہ مروارید: ''درباب کتاب بہارستان جامی''، آریانا، کابل، ج ۳، شمارہ ۱۱

۲۔ شرح دیباچۂ مرقع (فارسی۔ نثر)

یہ امیر علی شیر نوائی (۸۴۴-۹۰۶ھ) کے ''دیباچۂ مرقع'' کی شرح ہے۔

اس کا ایک مخطوطہ کلیاتِ جامی مکتوبہ ۱۰۷۹ھ، نمبر ۱۷۲۰، کتب خانۂ سوویٹ یونین [اب

رشین]اکیڈمی آف سائنسز، لینن گراڈ (روس) میں موجود ہے۔ (۴)

۳۔ منشآتِ جامی (فارسی۔نثر)

آغاز:

بعد از انشاء صحائف ثنا و محمدت للہ الذی انزل علی عبدالکتاب و پس از ادای وظائف درود و تحیّت علی افضل من اوتی الحکمۃ و فصل الخطاب نمودہ می آید۔

اختتام:

فتحی کہ نصیب نیک خواہان تو شد
مقلوب شدہ روزی بدخواہ تو باد (۵)

پاکستان و ہند میں یہ مجموعۂ مکاتیب، **انشاے جامی** اور **رقعات جامی** کے نام سے کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ چند اشاعتیں یہ ہیں:

۱۔ کلکتہ، ۱۲۲۶ھ، ۲۴ص

۲۔ بمبئی، طبع خانۂ فضل الدین کھمکر، ۱۲۶۱ھ، شرح سکندر نامہ کے حاشیہ پر ص ۴۱۳-۵۳۳

۳۔ کان پور، مطبع احمدی، ۱۳۰۸ھ، ۱۰۸ص

نیز دیکھیے: گہر سنج (مترجم): **مکاتیب مولانا جامی**، آریانا، کابل، ج ۳۳، شمارہ ۳، ص ۹۱-۹۶

۴۔ نامہ ہا و منشآت جامی

جامی کے خطوط کا ایک جامع مجموعہ، **نامہ ہا و منشآت جامی** کے نام سے عصام الدین اورون بایف اور اسرار رحمانوف کی تصحیح و مقدمہ کے ساتھ شایع ہوا ہے (مرکز نشر میراث مکتوب، تہران، ۱۳۷۸ش/ ۲۰۰۰ء، ۳۵۳ص)۔ یہ مجموعہ بنیادی طور پر جامی کے ان خطوط پر مشتمل ہے جو **مرقّع نوایی** کے نام سے اورینٹل انسٹی ٹیوٹ، اکیڈمی آف سائنسز ازبکستان، تاشقند (نمبر 2178) میں محفوظ ایک مخطوطہ میں درج ہیں۔ پہلے عصام الدین اورون بایف نے جامی کے ان خطوط کا ایک عکسی (Facsimile) ایڈیشن روسی ترجمے کے شایع کیا۔ (سرورق: **نامہ ھای دستنویس عبدالرحمٰن جامی از مرقّع علی شیر نوائی**، تاشقند، ۱۹۸۲ء، ۱۰۴+160 ص) پھر ان خطوط کی تاریخی اہمیت پر اپنا ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا (۱۹۸۴ء) اور اسے رضا مایل ہروی کے تعاون سے شایع کیا (کابل، ۱۹۸۷ء)۔ پھر **مرقّع نوایی** میں جامی کے تمام خطوط کو مع **منشآت جامی** و دیگر خطوط،

دستی کتابت کروا کر شایع کیا اور کریلیک رسم الخط میں اس پر ایک مقدمہ بھی لکھا (سرورق: **عبدالرحمٰن جامی: نامہ ھا**، تہیہ و مقدمہ و توضیح از عصام الدین اورون بایف و اسرار رحمانوف، دوشنبہ، نشریات دانش، ۱۹۸۹ء، ۳۰۵+64 ص) دوشنبہ کی اسی اشاعت کو سامنے رکھ کر تہران ایڈیشن تیار ہوا۔

تہران ایڈیشن میں ۳۴۲ خطوط ہیں جن کی ترتیب حسبِ ذیل ہے:

- ۲۳۷ خطوط **مرقّع نوایی** سے، جس میں یہ بخط جامی محفوظ ہیں، (ص ۲۰۹-۹۵)
- ۷۷ خطوط **منشآت جامی** سے، (ص ۲۹۰-۲۱۱)
- ۱۸ خطوط مولانا جامی کے نام، دوسرے مآخذ سے، (ص ۳۱۳-۲۹۱)

تہران ایڈیشن کے مرتّبین کے سامنے محمود گاوان کی **ریاض الانشاء** نہیں تھی۔ اس میں درج جامی کے نام سات خطوط بھی اس حصّے میں شامل کیے جا سکتے تھے جو نہیں کیے گئے۔

ضمیمہ کے طور پر **مقامات جامی** تألیف عبدالواسع باخرزی اور **خمسۃ المتحیرین** تألیف نوایی سے وہ اقتباسات بھی دیے گئے ہیں جو جامی کے خطوط سے متعلق ہیں۔ (ص ۳۲۹-۳۱۴)

نظم

۵۔ اشعار نایاب جامی (فارسی)

مذکورہ عنوان سے جامی کے نایاب اشعار افغان مصنّف، محمد علم غواص نے جمع کر کے اپنے مقدمہ کے ساتھ مؤسسہ طبع کتب، مطبع دولتی ہرات (افغانستان)، ۱۳۴۸ش، د+۱۶۰+۶ ص سے شائع کیے ہیں۔ (۶)

مرتّب نے مقدمہ میں وضاحت کی ہے کہ اس مجموعہ کے نایاب اشعار، مولانا جامی کی اولاد میں سے ہرات کے معاصر شاعر اور صوفی، بہاء الدین قاصد اوبہی کے مملوکہ مخطوطہ سے لیے گئے ہیں۔ یہ قلمی نسخہ ناقص الطرفین ہے اور خط نستعلیق میں دو سو سال قبل لکھا گیا تھا۔

مذکورہ نسخہ میں جامی کی تقریباً چار سو غزلیات، دس قصائد، ایک سو تین قطعات اور رُباعیات موجود ہیں۔ دیوان کامل جامی باہتمام ہاشم رضی مطبوعہ تہران اور کلیات و دواوین جامی مطبوعہ ہند سے تقابل کے بعد اس نسخہ کی ۱۵۷ غزلیں اور قصائد نایاب ثابت ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں نسخۂ اوبہی کا کلیات جامی کے دو مخطوطات سے بھی مقابلہ کیا گیا، جن میں سے ایک نویں صدی ہجری

میں لکھا گیا ہے اور ہرات میوزیم میں موجود ہے۔ دوسرا مخطوطہ غلام محمد مجدّدی (بظاہر افغانستان) کی ملکیت میں ہے جو بارہویں صدی ہجری میں تحریر ہوا۔

فصیح زاد نے اس کتاب کا محاکمہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ تمام ''نایاب'' اشعار جامی کے دوسرے دیوان **واسطۃ العقد** میں موجود ہیں۔ (۷)

۶۔ دوازدہ امام (فارسی۔مثنوی)

پچپن اشعار (۸) پر مشتمل یہ مثنوی بارہ اماموں کے مناقب اور محامد پر مشتمل ہے۔ ابتدائی چار اشعار خلفاے راشدین کی مدح میں ہیں۔

آغاز:

مخترع عالم کون و فساد
چار گہر در کف گیتی نہاد

اختتام:

جامی و اخلاص علی الکریم
ہم بخدا ہم بعلی العظیم

اس مثنوی کا متن **بیاض اللهوردی** مؤلفہ ومکتوبہ ۱۰۷۵ھ میں درج ہے۔ یہ بیاض جو پہلے کسی سنّی عالم کی ملکیت میں تھی، بعد میں سیّد محمود فرخ (ایران) کے پاس آئی۔ سیّد صاحب نے اُسی نسخہ سے اس مثنوی کا متن مختصر مقدمہ کے ساتھ مجلّہ **نامۂ آستان قدس رضوی**، مشہد (ایران)، جلد ۱، شمارہ ۲، صفحات ۲۳-۲۶ میں شائع کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنے مقدمہ میں علی اصغر حکمت کی کتاب **جامی** میں مندرج جامی کے عقائد اور زیرِ نظر مثنوی کے مندرجات کو مطابقت دینے کی کوشش کی ہے۔

۷۔ دیوانِ جامی (فارسی۔نظم)

جامی کے اشعار کا کلیات متعدد بار برّصغیر، ترکی اور ایران سے شائع ہو چکا ہے۔ (۹) بعض اشاعتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

- **دیوان کامل جامی:** باہتمام ومقدمہ ہاشم رضی، انتشارات پیروز، تہران، ۱۳۴۱ش، ۳۰۲+ ۹۵۵ص

- **کلیات جامی**، مقدمۂ شمس بریلوی، کراچی؛ اسی کا ایرانی ایڈیشن: ناشر: ہدایت، رشت، ۱۳۶۲ش، ۵۶۷ص
- **غزلیات مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی شاعر عارف قرن نہم**، تدوین بدرالدین یغمایی، ناشر: شرق، تہران، ۱۳۶۹ھ ش، ۵۵۶ص
- **دیوانِ جامی** بہ اہتمام اعلا خان افصح زاد، آٹھ قلمی نسخوں کی مدد سے دیوان اوّل **فاتحۃ الشباب** شعبۂ ادبیات خاور، ماسکو سے ۱۹۷۸ء میں اور پانچ قدیم ترین نسخوں کی مدد سے دیوان دوم **واسطۃ العقد** اور دیوان سوم **خاتمۃ الحیاۃ** ۱۹۸۰ء میں کاتب سے کتابت ہو کر چھپا ہے۔
- **دیوان جامی**، مقدمۂ اعلا خان افصح زاد، ناشران: مرکز مطالعات ایرانی و مرکز نشر میراث مکتوب، تہران، ۱۳۷۸ھ ش/ ۱۹۹۹ء، دو جلدوں میں، جلد اوّل: **فاتحۃ الشباب**، جلد دوم: **واسطۃ العقد**، **خاتمۃ الحیاۃ**، ۲۴۷ص۔ یہ ماسکو ایڈیشن ۱۹۸۰ء سے ٹائپ کیا گیا ہے۔
- **دیوان جامی**، مقدمۂ محمد روشن، ناشر: سیمای دانش، تہران، ۱۳۸۰ھ ش، ۸۴۰ص

۸۔ ہفت اورنگ (فارسی۔نظم)

آغاز: (مقدمہ)

”حمد الربّ جلیل من عبد ذلیل و سلاماً علی حبیب فایق من محبّ صادق و علی صحبه و آله.“

ہفت اورنگ میں شامل مثنویات الگ الگ، متعدد بار پاکستان، ہندوستان اور ایران وغیرہ سے شائع ہو چکی ہیں۔ مگر ان کے مجموعہ کا مندرجہ ذیل ایڈیشن بہتر طور پر قابلِ استفادہ ہے۔

مثنوی ہفت اورنگ، بہ تصحیح و مقدمۂ آقا مرتضٰی، مدرس گیلانی، کتاب فروشی سعدی، تہران (۱۳۵۱ش)، چاپ دوّم، سی و شش + ۱۰۴۹ + (۲) ص؛ اس ایڈیشن کے مندرجات کی تفصیل اس طرح ہے:

مقدمۂ مصحح (ص سہ، سی و چہار)، مقدمۂ جامی (ص سی و پنج، سی و شش)، **سلسلۃ الذہب**، دفتر اوّل (ص ۱-۱۸۳)، **سلسلۃ الذہب**، دفتر دوم (ص ۱۸۴-۲۵۸)، **سلسلۃ الذہب**، دفتر سوم (ص ۲۵۹-۳۰۹)، **سلامان و ابسال** (ص ۳۱۰-۳۶۴)، **تحفۃ الاحرار** (ص ۳۶۵-۴۴۳)، **سبحۃ**

الابرار (ص ۴۴۴-۵۷۶)، **یوسف و زلیخا** (ص ۵۷۷-۷۴۸)، **لیلیٰ و مجنون** (ص ۷۴۹-۹۱۰)، **خردنامۂ اسکندری** (ص ۹۱۱-۱۰۱۳)، **فہرستِ مطالب مثنویات** (ص ۱۰۱۴-۱۰۴۸)، **فہرست آثارِ جامی** (ص ۱۰۴۹)

مثنوی ہفت اورنگ، مقدمۂ اعلاخان افصح زاد، بہ تصحیح جابلقا داد علی شاہ، ناشر: مرکز مطالعات ایرانی و مرکز نشر میراث مکتوب، تہران، ۱۳۷۸ھ ش، جلد اوّل: سلسلۃ الذہب، سلامان وابسال، تحفۃ الاحرار و سبحۃ الابرار، ۹۲۴ص؛ جلد دوم: یوسف و زلیخا، لیلی و مجنون و خردنامۂ اسکندری، ۱۶۷ص

کشف الابیات مثنوی ہفت اورنگ، بہ اہتمام منصورہ رضایی راد، ناشر: نشر قو، تہران، ۲۰۸ ص، یہ کشف الابیات، مرتضٰی مدرس گیلانی ایڈیشن پر مبنی ہے۔

۸/۱۔ سلسلۃ الذہب

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

۱۔ براون، **تاریخ ادبی ایران**، ۳:۷۶۸-۷۷۱

2. D. S. Robertson: *Journal of Royal Asiatic Society*, Oct. 1945 - Apr. 1916, بحوالہ: براون، **تاریخ ادبی ایران**، ۳:۷۶۶

۸/۲۔ سلامان وابسال

ایرانی اشاعتیں:

- **مثنوی سلامان وابسال**، بہ تصحیح زہرا مہاجری، ناشر: نشر نی، تہران، ۱۳۷۶ھ ش، ۲۰۸ص
- **منظومۂ سلامان وابسال**، مقدمہ محمد علی فرزبود، ناشر: سروش، تہران، ۱۳۷۹ش، ۱۰۸ص
- **سلامان وابسال جامی و شرح و سنجش آن با روایت ہای پور سینا و حنین بن اسحاق و مقولاتی در تمثیل شناسی**، بہ تصحیح محمد روشن، ناشر: اساطیر، تہران، ۱۳۸۲ش
- ڈاکٹر سیّد ضیاء الدین سجادی نے **حیّ بن یقظان و سلامان وابسال** نام سے جو کتاب لکھی ہے (انتشارات سروش، تہران، ۱۳۸۲ش/۲۰۰۳ء) اس میں حیّ بن یقظان کے قصّے کا ابو علی سینا، شیخ اشراق سہروردی اور ابن طفیل کی روایت کے مطابق اور سلامان وابسال کے قصّے کا ابو علی سینا، ابن طفیل، خواجہ نصیر طوسی، محمود بن میرزا علی اور مولانا جامی کی روایت کے مطابق جائزہ لیا ہے۔ اس کتاب میں صفحات ۱۹۱ تا ۲۲۸ جامی کی مثنوی سلامان وابسال کا متن اور صفحات ۲۲۹ تا ۲۶۰ اس کی

شرح ہے۔

ایک نفیس اشاعت:

بہ کوشش و اہتمام کمال الدین صدرالدین عینی (م ۲۰۱۰ء) نشریات عرفان، دوشنبہ، ۱۹۷۶ء۔اس اشاعت کے مندرجات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دیباچہ بقلم کمال ص عینی،

۲۔ سلامان و ابسال کے ایک قلمی نسخہ مکتوبہ ۹۸۹ھ کا عکس، یہ نسخہ سلتیکو شچیدرین گورنمنٹ لائبریری، لینن گراڈ (نمبر PNS145) میں محفوظ ہے۔اسے محمد بن ملا میرالحسینی نے محرم ۹۸۹ھ میں بخط نستعلیق کتابت کیا تھا اور اس کے حاشیے پر ۲۱۹ عدد تصاویر (Miniatures) ہیں جن کی بنا پر اس نسخے کو ''نگارستان چہرہ نما'' کہا گیا ہے (ص ۳)۔ یہ نسخہ اصلاً برّصغیر سے متعلق ہے کیونکہ اس کے اوّل و آخر میں جو مُہریں، یادداشتیں اور عرض دیدہ دیے گئے ہیں وہ سب یہاں سے متعلق ہیں۔

۳۔ سلامان و ابسال کا منظوم روسی ترجمہ مع روسی توضیحات از و.و.دیرژوین (V. Derhzavin)

۴۔ سلامان وابسال کے قصے کا تاریخی پس منظر اور مخطوطۂ مکتوبہ ۹۸۹ھ، انگریزی زبان میں، بقلم کمال ص عینی، وم.م.اشرفی

۵۔ سلامان وابسال کے زیر بحث مخطوطہ کی تصاویر کا جائزہ، بقلم م.م.اشرفی

۶۔ مولانا جامی کے حالات، بقلم کمال ص عینی

ترکی ترجمہ:

از لامعی چلبی، (م: ۹۳۸ھ / ۱۵۳۲ء)، مخطوطہ استنبول یونیورسٹی لائبریری، نمبر TY 3088

ازبکی ترجمہ:

محمد رضا ایرنیاز بیگ اوغلی آگہی (۱۸۰۹-۱۸۷۴ء) نے خیوہ میں ازبکی ترجمہ کیا۔ (۱۰)

تفصیلات کے ملاحظہ ہو:

۱۔ براون، تاریخ ادبی ایران، ۱۳: ۷۶۶ اور ۷۷۴-۷۷۱

۲۔ جامی از حکمت: ۱۹۳-۱۸۹

۳۔ **نگاہی بہ سلامان وابسال جامی وسابق آن**، از عبدالحی حبیبی، تعلیق از محمد اسمٰعیل مبلّغ، از نشرات انجمنِ جامی، کابل، عقرب ۱۳۴۳ش/۱۹۶۴ء، ۵۳+۳۲+(۴)ص

سلامان وابسال پر چند تنقیدی مقالات یہ ہیں:(۱۱)

۱۔ عالمشاہی: ''نگاہی بہ سلامان وابسال جامی'' (نوشتۂ عبدالحی حبیبی)، **ادب** (کابل)، جلد ۱۲، شمارہ ۵-۶، ص ۹۹-۱۱۶

۲۔ حبیبی، عبدالحی: ''توضیح انتقاد'' (مربوط بہ **سلامان وابسال**)، **ادب**، کابل، ج ۱۳، ش ۱-۲، ص ۶۲-۷۰

۳۔ مبلّغ، محمد اسمٰعیل: ''جواب نویسندۂ تطبیق'' (برنقد مربوط بہ کتاب **سلامان وابسال**)، **ادب**، کابل، ج ۱۳، ش ۱-۲، ص ۷۱-۸۱

۸/۳۔ تحفۃ الاحرار

آغاز: (مقدمہ)

حامد المن جعل جنان کل عارف مخزن اسرار کماله و لسان کل واصف مطلع انوار جماله.

نیز ملاحظہ ہو: براون، **تاریخ ادبی ایران**، ۳: ۷۶۶ اور ۷۷۵-۷۷۴

۸/۴۔ سبحۃ الابرار

آغاز: (مقدمہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ قدس است بہ ملک قدیم

المنۃ للہ کہ بخون گر خفتم یک چند چو غنچہ عاقبت بشکفتم

...سبحان اللہ این چہ گوھر ھاست کہ در نیسان احسان از رشحات سحاب فضل در صدف صدق گرد آمدہ۔

نیز دیکھیے: براون، **تاریخ ادبی ایران**، ۳: ۷۶۷ اور ۷۷۷-۷۷۵

۸/۵۔ یوسف وزلیخا

اختتام:

زبان را گوشمال خامشی ده
کہ ہست از ہر چہ گویی خامشی بہ

اشاعت:

بہ تصحیح ناصر نیکو بخت، مؤسسہ انتشارات آوای نور، تہران، ۱۳۷۷ھ ش، ۲۸۷ص۔ یہ اشاعت حسب ذیل تین مخطوطات پر مبنی ہے۔

۱۔ سوویت یونین اکیڈمی آف سائنسز، لینن گراڈ، نمبر D204، اس کا ترقیمہ یوں ہے:

"راقم الکتاب ناظمہ وھو الفقیر عبدالرحمن جامی، عفی عنہ فی الحادی عشر من ذی الحجّة سنة ۸۹۰"۔

۲۔ ایا صوفیا، استنبول، نمبر 4209، نویں یا دسویں صدی ہجری کا لکھا ہوا نسخہ ہے۔

۳۔ ببلو تھا نا سیونال، پیرس، نمبر SP.822، بخط درویش محمد بن امیر سُرخ بن میر محمد، مکتوبہ ۱۵ شعبان ۸۹۵ھ

مرتّب نے اپنے مقدمے میں دیگر شعرا کی ۳۳ مثنویاتِ یوسف وزلیخا کا ذکر کیا ہے۔

ترکی ترجمہ:

کسی نامعلوم مترجم نے ۱۱۶۹ھ میں چغتائی ترکی میں ترجمہ کیا۔ (۱۲)

ازبکی ترجمہ:

محمد رضا ایرنیاز بیگ اوغلی آگہی (۱۸۰۹-۱۸۷۴ء) نے خیوہ میں اور خورشید نامی مترجم نے تاشقند میں ازبکی ترجمہ کیا۔ (۱۳)

نیز دیکھیے:

۱۔ براون، **تاریخ ادبی ایران**، ۳:۹-۷۷۸-۷۷۹

۲۔ بہروز، محمد حسین، "تکملۂ یوسف وزلیخای جامی" (از شاعر مجہول الاسم۔ قرن ۱۲ھ)، مجلّہ **آریانا**، کابل، ج ۲۱، ش ۸، ص ۲۴-۳۲

۳۔ خیامپور، عبدالرسول: **یوسف وزلیخا** (یوسف وزلیخا کی داستان پر مشتمل کتابوں پر بحث

ہے)، **نشریۂ دانشکدۂ ادبیات تبریز** (ایران)، ۱۰: ۲۲۱-۲۲۸ و ۴۱۸-۴۳۳ اور ۱۱: ۳۹-۶۸ و ۲۳۳-۲۶۰

۸/۶۔ لیلیٰ ومجنون

اختتام:

پاکان به نیاز صبحگاهان
آمرزشم از خدای خواهان

اس مثنوی اور داستان لیلیٰ ومجنون پر مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

۱۔ **رومئو وژولیت**، ترجمہ ونگارش علی اصغر حکمت، تہران، ۱۳۱۹ش

۲۔ براون، **تاریخ ادبی ایران**، ۳: ۷۸۰-۷۸۱

۳۔ روان فرہادی: ''آغاز وانجام عشق وعشقبازی در لیلیٰ ومجنون جامی''، مقالہ مندرج در **تجلیل... نورالدین عبدالرحمٰن جامی**، ص ۵۶-۶۸

۸/۷۔ خردنامۂ اسکندری

اختتام:

بیا مطربا تیز کن چنگ را بلندی ده از زخمه آهنگ را
که تا پنبه از گوش دل بر کشیم همه گوش گردیم و دم در کشیم

نیز دیکھیے:

۱۔ ایرج افشار: ''خردنامۂ اسکندر مخلوق جامی'' در **تجلیل... جامی**، ص ۱۲۲-۱۲۷، **مجلۂ دانشکدۂ ادبیات** (دانشگاہ تہران)، ۱۲: ۱۶۲-۱۶۹

علومِ نقلی:

تفسیر

۹۔ تفسیر سورۂ اخلاص

یہ تفسیر مولانا جامی نے تبریز (آذربایجان) کے حکمران سلطان یعقوب بیگ (عہد حکومت ۸۸۴-۸۹۶ھ) کے فاضل وزیر اعظم قاضی عیسیٰ ساوجی کے لیے تألیف کی اور انھیں بھیجی۔ مولانا نے قاضی کے نام اپنے ایک مکتوب میں اس تفسیر کا ذکر یوں کیا ہے:

"دیرگاہ بود کہ در خاطر فاتر می گذشت کہ تفسیر سورۂ اخلاص وتقریر صورت اختصاص قلمی کردہ سمت عرض یابد، اما بواسطہ توہم گستاخی در حیزّ توقف وتراخی می ماند۔ بحمد اللہ سبحانہ کہ تحریک این سلسلہ وتسلیک این مرحلہ بہ عنایت بی علت منعم علی الاطلاق المقتدی بالنعم قبل الاستحقاق از آن جانب بہ ظہور آمد۔ آری آری، اینہا از تو آید وچنین ہا تو کنی"،(۱۴)

۱۰۔ **تفسیر سورۂ فاتحہ** (فارسی۔نثر)

نفیسی نے **تاریخ نظم ونثر در ایران**، ۱: ۸۸-۲۸۷ اور بشیر ہروی نے **تعلیقات تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۸۱ میں اس کا نام درج کیا ہے۔

احمد منزوی نے **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**، ۱: ۲۹ میں جامی کی اس تفسیر کا ذکر **تفسیر سورۂ فاتحۃ الکتاب** کے نام سے کیا ہے جو **کلیات جامی** مکتوبہ ۹۷۰ھ میں شامل ہے اور یہ کلیات، نئی دہلی، (کتب خانہ کا نام درج نہیں) میں موجود ہے۔

نیز دیکھیے: تفسیر قرآن مجید (اگلا اندراج)

۱۱۔ **تفسیر قرآن مجید** (عربی۔نثر)

دولت شاہ نے **تذکرۃ الشعرا** (سال تصنیف ۸۹۲ھ) میں لکھا ہے کہ جامی آخری سالوں میں تفسیر قرآن لکھنے میں مصروف تھے۔

پہلے پارہ کی سورۂ بقرہ کی آیت "وایای فارھبون" (آیہ ۴۰) تک کی تفسیر ہے۔

جامی سبب تالیف میں لکھتے ہیں کہ وہ ایک ایسی جامع تفسیر لکھنا چاہتے تھے جو بلغاء کے نکات اور عرفاء کے اشارات پر مشتمل ہو اور ناقابلِ فہم لطائف ودقائق سے پاک ہو۔

بعد میں جامی کے شاگرد مولانا عبدالغفور لاری نے مؤلف کے حکم پر اسے صاف کر کے لکھا ہے۔ خود لاری کی اس تفسیر کے بارے میں یہ رائے ہے کہ جامی نے اس میں کئی اسرار سے پردہ اٹھایا ہے۔(۱۵)

آغاز:

الحمد للہ ربّ العالمین من الاولین الاقدمین والآخرین الاکرمین...

امابعد: فقد کان یخالج صدری و یدور فی خلدی ان ارتب فی تفسیر کلام اللہ

و تاویل آیاته کتاباً جامعاً لوجوه اللفظ و المعنی.

انجام:

فوایای فارھبون فلا تنقضوا عھدی.

کتب خانہ سلیمانیہ، ترکی میں اس تفسیر کے کم از کم آٹھ مخطوطات موجود ہیں۔ ایا صوفیا، استنبول کے نسخہ ۴۰۵ پر جامی کے دستخط کے ساتھ وہ منثور و منظوم عبارت بھی درج ہے جو انھوں نے مذکورہ نسخہ سلطان یعقوب بیگ آق قوینلو (مقتول ۸۹۷ھ) کو پیش کرتے وقت لکھی تھی۔ (۱۶)

اسی تفسیر کا ایک قلمی نسخہ علی اصغر حکمت کے پاس موجود تھا۔ لیکن انھوں نے پروفیسر ایڈورڈ براؤن کی کتاب کے فارسی ترجمہ **تاریخ ادبی ایران**، جلد سوم میں محض اس کا تذکرہ کیا ہے (۱۷) اور کوئی تفصیل نہیں دی۔

حدیث

۱۲۔ چہل حدیث = اربعین (فارسی۔ نظم)

آغاز: (مقدمہ)

صحیح ترین حدیثی کہ راویانِ مجالس دین و محدثان مدارس یقین املا کنند حمد و آیاتی کہ کلمات تامہ جامعہ بر زبان معجز بیان حبیب خود گذرانیدہ۔

چہل حدیث کا ایک خوبصورت ایڈیشن مندرجہ ذیل عنوان کے ساتھ جامی کی پانچ سو پچاسویں سالگرہ کے موقع پر کابل سے شائع ہوا ہے۔

> **اربعین: ترجمۂ منظوم چہل حدیث** مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی، بخط حسین وفا سلجوقی، مقدمہ در علم حدیث از محمد شاہ ارشاد، معرفی آثار جامی از مایل ہروی، از نشرات انجمن جامی، ریاست تنویر افکار وزارت مطبوعات (کابل)، عقرب ۱۳۴۳ش، ۲۲ص + ۱۴۱ص

مذکورہ ایڈیشن کے ہر صفحہ پر پہلے عربی میں ایک حدیث، اس کے بعد فارسی منظوم ترجمہ اور آخر میں حدیث مذکورہ کی قسم کا بیان اور حوالہ دیا گیا ہے۔

اربعین جامی کا صحیح ترین متن باہتمام محمد یعقوب واحدی بعنوان **اربعین جامی و اربعین نوایی** ماہنامہ آریانا، نشریۂ انجمن تاریخ افغانستان، کابل، ج ۲۴، شمارۂ مسلسل ۲۶۳، شمارہ حاضر ۱ و ۲، دلو

وحوت ۱۳۴۴ش/ جنوری - فروری ۱۹۶۶ء، ص ۵۶-۷۱ (ص ۵۶ تا ۵۷ مقدمہ، ص ۵۸ تا ۶۵ اربعین جامی، ص ۶۶ تا ۷۱ اربعین نوایی (بہ ترکی منظوم) شائع ہوا ہے۔ مصحح نے یہ متن ہندوستان، افغانستان اور ترکی میں مطبوعہ اربعین جامی اور کابل میں اربعین جامی کے چند اہم مخطوطات کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے۔

اربعین جامی کی ایک اور نفیس اشاعت، با مقدمہ، تصحیح و استخراج احادیث کاظم مدیر شانہ چی (مشہد، مؤسسہ چاپ و انتشارات آستان قدس رضوی، ۱۳۶۳ھ ش / ۱۹۸۴ء، ۴۸ص)۔ اس اشاعت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جامی کے معاصر، تیموری دربار کے معروف خوش نویس قبلۃ الکتّاب سلطان علی مشہدی (۸۴۱-۹۲۶ھ) کے ہاتھ سے لکھا ہوا **اربعین جامی** کے نسخہ کا عکس بھی شامل ہے جو آستان قدس رضوی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ پورا نسخہ خطِ نستعلیق میں ہے۔ عربی احادیث کے لیے بھی یہی خط استعمال ہوا ہے۔

سلطان علی مشہدی نے **اربعین جامی** کے اور نسخے بھی تیار کیے تھے، چنانچہ ایک نسخہ جو اواخر شوال ۹۰۳ھ میں کتابت کیا اور آستان قدس رضوی کے لیے وقف ہوا، اس کی مدد سے، نیز محمد بن حسن شاہ الکاتب الہروی کے مکتوبہ رجب ۹۰۸ھ سے مقابلہ کر کے محمد جان عمراُف کا تصحیح و تدوین کردہ متن **چہل حدیث**، **بہارستان و رسائل جامی**، تہران، ۲۰۰۰ء، ص ۳۲۳-۳۰۹ میں شامل ہے۔

۱۳۔ شرح حدیث عمائیہ (فارسی۔نثر)

ابی رزین عقیلی (رحمۃ اللہ علیہ) سے منقول اُس حدیثِ نبوی کی شرح ہے کہ کسی نے آنحضرت (ص) سے پوچھا کہ "این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق" (ہمارا رب مخلوق کو تخلیق فرمانے سے قبل کہاں تھا؟) تو آپ نے فرمایا: "کان فی عماء ما تحتہ ھوا و ما فوقہ ھواء۔" (ایک اَبر (یا آسمان) میں تھا، ہوا اس کے نیچے تھی نہ اوپر)۔

شارح کے نزدیک اس حدیث کے ظاہری معنی اشکال سے خالی نہیں ہیں۔ چنانچہ شکوک و اشکال رفع کرنے کے لیے انھوں نے "سخنان کبرائے دین" اور "کلمات عظمائے اہلِ یقین" سے مدد لی اور لکھا کہ حضرت حق تعالیٰ کے من حیث توجیہ عالم ظہور تک کچھ مراتب ہیں۔ اس کے بعد شارح نے چھ مراتب بیان کیے ہے۔

آغاز:

اے پاک ز حیّز و مبرّا ز مکان   خالی ز تو نی درون، نہ بیرون جہان
از کنہ تو کس نہ نام بیند، نہ نشان   در ستر عماست دیدۂ عقل و گمان

عن ابی رزین العقیلیؓ قال قلت یا رسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق.

انجام:

ہر حرف خطا کہ جستہ باشد ز قلم
شویند بہ آب عفو و باران کرم (۱۸)

اس شرح کا قدیم ترین مخطوطہ کتابخانۂ ملک، تہران میں **کلیات جامی** (نمبر ۴۷۹۵) مکتوبہ ۸۹۵ھ، ص ٦٦٠ (تا ٦٦٢) ہے۔ (۱۹)

سیرت و تذکرہ

۱۴۔ شواہد النبوۃ لتقویۃ یقین اہل الفتوۃ (فارسی۔نثر)

آغاز:

الحمد للہ الذی ارسل... اما بعد، نمودہ می آید کہ نخستین رکن از ارکان اسلام اقرار بہ کلمۂ شہادت است۔

انجام:

باعث و متصدی این جمع تألیف را بہ دعای خیر مرحمت یاد کنند و بہ استدعای فضل و مکرمت امداد نمایند...

در آن بیخودی باز گشتنش تو باش
کہ حسن المآبی و نعم المآل

شواہد النبوۃ کی یہ اشاعتیں ہم نے دیکھی ہیں:

۱۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷٦ء، ۲۴۴ص
۲۔ حقیقت کتابوی، استنبول، ۱۳۷۳ش/ ۱۹۹۵ء
۳۔ بہ کوشش پروفیسر سیّد حسن امین، ناشر: میر کسری، تہران و طیّب، قم، ۱۳۷۹ش / ۲۰۰۰ء

احمد منزوی نے **شواہد النبوۃ** کے دو قدیم ترین قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ تہران، کتابخانۂ ملی، شاید بخط جامی، مورخ ۸۷۷ھ، ص ۱-۱۹۵

۲۔ استنبول، ایا صوفیا، ۱/ ۴۲۰۷، در کلیات جامی، مورخ ۸۷۷ھ [۲۰]

مگر **شواہد النبوۃ** کی تاریخِ تالیف ۸۸۵ھ کی روشنی میں مذکورہ نسخوں کی تاریخِ کتابت مشکوک نظر آتی ہے۔

ترکی ترجمہ:

از لامعی چلبی (م: ۹۳۸ھ / ۱۵۳۲ء) طبع استنبول، مطبع امیرہ، ۱۸۷۶ء

استوری نے **سیر النبی** نام سے ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جس میں جامی سے نقل قول یا نقل اقوال ہوئی ہے۔ سیرت النبی پر یہ مفصّل کتاب ۴۵ فصول پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے دو قلمی نسخے، انڈیا آفس لائبریری، لندن (اب برٹش لائبریری کا حصہ) اور ایک نسخہ، خدا بخش لائبریری، پٹنہ میں ہے۔ لندن کے ایک نسخے (اتھے، 137) کی تاریخ کتابت ۸۷۱ھ ہے۔ [۲۱] اگر یہ تاریخ کتابت درست ہے تو **سیر النبی** نامی یہ کتاب **شواہد النبوۃ** سے مختلف ہوگی کیوں کہ **شواہد النبوۃ** کی تاریخ تالیف ۸۸۵ھ ہے۔

۱۵۔ مناقب شیخ الاسلام عبداللہ انصاری (فارسی۔نثر)

کچھ عرصہ پہلے تک خیال کیا جاتا تھا کہ جامی کا یہ رسالہ مفقود ہو چکا ہے لیکن مشہور مستشرق آربری نے ثابت کیا ہے کہ اس کا واحد نسخہ دہلی میں موجود ہے۔ آربری کا خیال ہے کہ نسخۂ دہلی، جامی کے خودنوشت نسخہ کی نقل ہے۔ اس کے آخر میں لکھا ہے: ''رسالۂ شریفہ صورت اتمام نیافتہ بود وسمت اختتام نپذیرفتہ۔'' بقول آربری اس رسالہ کا بیشتر حصہ **نفحات الانس** میں درج ہوا ہے، لیکن بقیہ مضامین کسی دوسری جگہ نہیں ملتے۔ [۲۲]

اس کی دو اشاعتیں ہوئی ہیں:

1.Arberry, A. J: "Jami's Biography of Ansari" *Islamic Quarterly*, London, 1963, vol.: 7, pp. 57-82

۲۔ **مقامات شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری**، بہ تصحیح وحواشی فکری سلجوقی، کابل، انجمن جامی،

ریاست تنویر افکار، ۱۳۴۳ش، ۴۵ص۔ (۲۳)

۱۶۔ نفحات الانس من حضرات القدس (فارسی۔نثر)

آغاز:

الحمدللّٰہ الذی جعل مرائی قلوب اولیائه مجالی جمال وجه الکریم...

امابعد می گوید پای شکستہ زاویۂ خمول وگمنامی، عبدالرحمٰن بن احمد جامی۔

اختتام:

رباعی فی تاریخ اتمامہ:

این نسخۂ مقتبس ز انفاس کرام کز وی نفحات انس آید بہ مشام

از ہجرت خیر البشر و فخر انام در ہشتصد و ہشتاد و سوم گشت تمام

نفحات الانس کا ایک مخطوطہ، کتب خانہ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، شمارہ ۹۲۶۰ میں موجود ہے۔اس نسخے کی دو قابل ذکر خصوصیات ہیں۔یہ نسخۂ مصنف سے نقل اور مقابلہ ہوا ہے اور اس کے حاشیے پر ایک جگہ بخط جامی یادداشت ہے۔یہ نسخہ شعبان ۸۸۳ھ میں یقینی طور پر ہرات میں نقل ہوا ہے۔اس کے کاتب سیف الدین بن محمد الخلوتی ہیں۔ترقیمہ کی عبارت یہ ہے:

"نقلت هذه النسخه من نسخه بخط المصنف سلمه الله و قوبلت ایضا معها و الحمد لله علی التوفیق والصلوة والسلام علی نبیه الهادی الی سوآء الطریق واصحابه الفایزین بفضله التحقیق وسلم تسلیما کثیر ا دایما اللهم اغفر لصاحبها و کاتبها العبد المذنب الراجی الی رحمة ربّه المعطی سیف الدین بن محمد الخلوتی فی شهر شعبان سنة ثلث و ثمانین و ثمانمایة ۸۸۳"

اس نسخے میں خواجہ علاء الدین عطار کے حالات کے ضمن میں جہاں شیخ زین الدین علی کلاکا ذکر آیا ہے وہاں شیخ مذکور کے بارے میں ایک یادداشت حاشیے پر درج ہوئی ہے۔اس یادداشت کے بارے میں اسی کے نیچے یہ وضاحت درج ہوئی ہے:

"هذه الحاشیه خط مصنف هذا الکتاب الشریف قطب المشایخ و زبدة الاولیآء مولانا فرید عصر و وحید دهر مولانا عبدالرحمن الجامی لازالت

فضایله متزایده و محامده مترادفه، حرره الفقیر اسمعیل التبریزی.''
اس نسخے کے بارے میں دیکھیے: عارف نوشاہی، ''نسخۂ نفحات الانس از روزگار جامی''، مقالات عارف، [جلد اول]، تہران، ۱۳۸۱ش، ص ۷۹-۸۲

نفحات الانس کی کئی اشاعتیں موجود ہیں۔ بعض معمولی اور بازاری اور بعض محقق ایڈیشن ہیں۔ چند محقق اشاعتوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ بہ کوشش مولوی غلام عیسیٰ، عبدالحمید و کبیر الدین احمد۔ بہ انضمام شرح احوال مؤلف (انگریزی) بہ قلم W. Nassau Lees (1825-1889)، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ، ۱۸۵۹ء، ۲۰+۷۴۰+۱۵ص

۲۔ بہ تصحیح و مقدمہ و پیوست مہدی توحیدی پور، کتاب فروشی محمودی، تہران، ۱۳۳۷ش، ۱۶۵+۶۷۹ص

۳۔ مقدمہ، تصحیح و تعلیقات محمود عابدی، مؤسسہ اطلاعات، تہران، طبع اوّل: ۱۳۷۰ش، ۶۰+۱۲+۱۲۱۴ص۔ بہترین اشاعت یہی ہے۔ یہ نفحات کے ایسے نسخے پر مبنی ہے جو ۸۸۳ھ میں کتابت ہوا اور جامی نے اسے خود پڑھا تھا۔

نفحات الانس کے تراجم:

ترکی ترجمے:

۱۔ **فتوح المجاہدین لترویح قلوب المشاہدین**، از محمود بن عثمان علی ملقب بہ لامعی چلبی (م: ۹۳۸ھ / ۱۵۳۲ء) ۹۲۷ھ میں عثمانی ترکی میں ترجمہ کیا۔ طبع استنبول، ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء و ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء

۲۔ **نسائم المحبۃ من شمائم الفتوۃ**، از میر علی شیر نوائی (م ۹۰۶ھ)۔ مترجم نے بعض اضافات کے ساتھ چغتائی ترکی میں ترجمہ کیا ہے۔ بہ اہتمام کمال ارسلان، استنبول یونیورسٹی سے ۱۹۷۹ء میں شایع ہوا۔

۳۔ خیوہ کے بابا جان آخوند اور رحمان قلی کریم نے انیسویں صدی کے اواخر میں چغتائی ترکی میں ترجمہ کیا۔ [۲۴]

عربی ترجمے:

۱۔ ابواللیث محرم بن محمد زیلی نے شوال ۹۹۵ھ میں عربی میں ترجمہ کیا۔ اس کا نسخہ لوس اینجلس یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔

۲۔ تاج الدین زکریا دہلوی (م: ۱۰۰۰ھ، مکّہ) نے عربی میں ترجمہ کیا۔ (۲۵)

۳۔، مترجم نامعلوم، مطبوعہ الازہر شریف، قاہرہ، [تقریباً ۱۹۸۹ء]، ۵۸۵ص، یہ مطبوعہ نسخہ میں نے کتاب خانۂ ملی ایران، تہران میں دیکھا۔ تعجب ہوا کہ اس پر مترجم کا نام درج نہیں ہے!

اردو ترجمے:

۱۔ حیات صوفیہ از محمد ادریس، ملخص اُردو ترجمہ ہے۔ مطبوعہ رحیم یار خان۔

علاوہ ازیں حافظ سیّد احمد علی چشتی (م: ۱۳۴۱ھ)، محمد اعزاز الدین احمد صدیقی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان اور شمس بریلوی کے اُردو تراجم مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ (۲۶)

نفحات الانس پر حواشی و شروح:

۱۔ حاشیۂ **نفحات الانس** از عبدالغفور لاری، جس کا ذکر ہم اپنے مقدمہ میں کر چکے ہیں۔ یہ حاشیہ تا حال الگ کتابی صورت میں شایع نہیں ہوا، تاہم ڈاکٹر محمود عابدی نے **نفحات الانس** مرتّب کرتے وقت (تہران، ۱۳۷۰ھ ش) اپنی تعلیقات میں لاری کے حواشی کا بیشتر حصہ نقل کر دیا ہے۔

۲۔ حاشیۂ **نفحات الانس** از محمد بن محمود دہدار شیرازی (م: ۱۰۱۶ھ)، محشی کی بیشتر معلومات غیر محققانہ ہیں۔ اس کا قلمی نسخہ جامعۂ عثمانیہ، حیدر آباد دکن (نمبر ق ف ۱۸۲) میں ہے۔ (۲۷)

۳۔ **رشحات القدس فی شرح نفحات الانس** از درویش علی بوز جانی، دسویں صدی ہجری کے اوائل میں یہ فارسی شرح لکھی۔ راقم السطور نے اس کا جو نسخہ کتابخانۂ مجلس شورائے اسلامی، تہران (نمبر ۲۹۶۳) میں دیکھا ہے وہ اس کی پہلی جلد ہے۔ بوز جانی نے اس شرح میں لاری کے تمام حواشی بھی داخل کیے ہیں اور اپنی طرف سے شیخ احمد جام کے ۵۵ مریدوں اور اخلاف کے حالات کا اضافہ کیا ہے۔ (۲۸)

نفحات الانس پر مزید دیکھیے:

۱۔ عبدالرؤف بینوا: **نفحات الانس** مولانا جامی، مجلۂ آریانا، کابل، جلد ۱، شمارہ ۹

۲۔ شمس بریلوی: مقدمہ برنفحات الانس (اُردو ترجمہ)، کراچی، ۱۹۸۲ء

3. W. Ivanow: The Source of Jami's Nafhat; *Journal and Proceedings Asiatic Society of Bengal* (New Series), vol.: XVIII, 1922, No. 7, issued 26th Oct. 1923, pp. 365- 402

4. W. Ivanow: More on the sources of Jami's Nafhat; *Journal and Proceedings Asiatic Society of Bengal*, vol. XIX, 1923, No. 7, pp. 299-303

فقہ

۱۷۔ مناسک حج (رسالۂ صغیر) (فارسی۔ نثر)

مولانا لاری لکھتے ہیں:

''حضرت ایشان (یعنی جامی) درمناسک حج دو رسالہ نوشتہ اند۔ یکی صغیر کہ مشہور است و یکی کبیر کہ... مشہور نیست۔''(۲۹)

۱۸۔ مناسک حج (رسالۂ کبیر) (بظاہر فارسی)

چاروں مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے عقائد کی بنیاد پر مسائل حج پر یہ رسالہ جامی نے سفرِ حجاز کے دوران (۸۷۷ھ/۳-۱۴۷۲ء) میں لکھا۔ مگر عرفات میں گم ہوگیا۔ چونکہ اس کا اصل مسودہ بھی موجود نہیں تھا اس لیے (دوبارہ نہ لکھا جاسکا اور) پردۂ گمنامی میں رہا۔(۳۰)

۱۹۔ شرح النقایہ مختصر الوقایہ (فارسی۔ نثر)

حنفی فقہ پر صدر الشریعہ عبیداللہ بن مسعود (م: ۷۴۵ھ) کی عربی کتاب **النقایہ مختصر الوقایہ** کی مختصر فارسی شرح ہے۔(۳۱)

آغاز:

الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسّلام علی سیّدنا محمد و سائر النبیین... بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یعنی ابتدامی کنم [بہ] نام خدای مہربان بخشاینده۔(۳۲)

یہ شرح مطبع نول کشور، لکھنو سے ۱۳۰۲ھ میں شائع ہوچکی ہے۔

تصوّف

۲۰۔ اشعۃ اللمعات=شرح لمعات (فارسی۔نثر)

آغاز:

لو لا لمعات برق نور القدم من نحو حمی الجود وحی الکرم... پاکا خداوندی کہ آئینۂ محمدی رامطرح اشعۂ لمعات جمال جمعی احدی ساخت۔

اشعۃ اللمعات ۱۳۱۳ھ میں مطبع بشیر دکن، حیدرآباد دکن سے **لمعات** کے ساتھ چھپی تھی جدید اشاعت باہتمام حامد ربانی، تہران سے ۱۳۵۲ش میں ہوئی ہے۔

۲۱۔ تہلیلیہ=شرح لا الٰہ الا اللہ، رسالۂ اوّل (فارسی۔نثر)

''لا الٰہ الا اللہ'' کے معنی اور اس کے ذکر کی اہمیت اور ''محمد رسول اللہ'' کی شرح پر مختصر رسالہ ہے۔''لا الٰہ الا اللہ'' میں حروف الف ولام وھا کے رموز پر بھی بحث کی گئی ہے۔

آغاز:

من طلب البر من غیر الباری فھو مشرک بالباری. عشق روی برنتابد قبلہ گاہ وی ذات معشوق است وبس۔

انجام:

تا خاطر خود ز غیر صافی نکنی
شایستہ سرّ لایزالی نکنی

والحمدللّٰہ... یھدی من یشاء الی صراط مستقیم[۳۳]

اس رسالہ کے دانشگاہِ تہران، تہران (نمبر ۱۶/ ۸۶۷) اور برٹش میوزیم لندن (ADD-26294/5) میں مخطوطات موجود ہیں۔[۳۴] کتب خانہ اسعد افندی ایاصوفیا (استنبول) کے فہرست نگار نے جامی کے رسالہ **فی اعراب لا الٰہ الا اللہ** کا ذکر کیا ہے، وہ بظاہر یہی رسالہ ہے۔[۳۵]

۲۲۔ تہلیلہ یا کلمۃ فی التوحید، رسالۂ دوم (فارسی۔نثر)

بظاہر یہ بھی ''لا الٰہ الا اللہ'' کی مختصر شرح ہے۔

برٹش میوزیم، لندن (نسخہ نمبر 8018) اور کتابخانۂ مجلس، تہران (نمبر۱۲/ ۴۸۴۰) میں

اس کے مخطوطات موجود ہیں۔ نسخۂ مجلس بخط نستعلیق، مورّخ ۱۳۰۵ھ ازص ۱۷۸ تا ۱۸۰ ہے اور اس کا آغاز ان کلمات سے ہوتا ہے: ''مبنای طریق مشغولی این عزیزان''۔(۳۶)

۲۳۔ الدرۃ الفاخرہ یا رسالہ در تحقیق مذہب صوفی و متکلم و حکیم (عربی۔ نثر)

لاری (۳۷) اور سام میرزا (۳۸) نے اس کا نام رسالہ **تحقیق مذہب صوفی و متکلم و حکیم** لکھا ہے، لیکن قاہرہ سے یہ رسالہ **الدرۃ الفاخرہ** کے نام سے شائع ہوا ہے۔

مؤلف نے تاریخِ تألیف کی طرف اشارہ نہیں کیا اور نہ ہی اس رسالے کا کسی بزرگ معاصر شخصیت سے انتساب کیا ہے، **الشقایق النعمانیہ** کے مصنف کے مطابق جامی نے یہ کتاب سلطان محمد خان فاتح کے حکم اور سیّدی علی الفناری کی خواہش پر تألیف کی ہے۔ گویا رسالے کی تألیف مذکورہ سلطان کی سلطنت کے آخری دنوں میں واقع ہوئی ہے۔ چونکہ یہ رسالہ سلطان کی وفات کے بعد روم پہنچا تھا (جیسا کہ پہلے ذکر گذر چکا ہے) اور سلطان کی وفات ۸۸۶ھ میں واقع ہوئی، لہٰذا یہ رسالہ مذکورہ سال سے چند سال پہلے لکھا گیا (غالب گمان یہ ہے کہ ۸۸۰ھ اور ۸۸۶ھ کے درمیان تألیف ہوا)۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب مولانا جامی تصوّف پر اہم کتب مثلاً **نفحات الانس** وغیرہ کی تألیف میں مشغول تھے۔ چونکہ مولانا جامی مکّہ اور شام ۸۷۷ھ میں گئے تھے لہٰذا اس رسالہ کی تألیف اس سفر سے واپسی کے بعد ہوئی ہوگی۔ اس زمانے میں مولانا جامی کی روم (ترکی) اور شام کے شہروں میں کافی شہرت تھی کیونکہ ۸۷۸ھ کے اوائل میں جب جامی شام پہنچے تھے تو اس کی اطلاع قیصرِ روم کو مل چکی تھی۔

اس رسالہ میں وحدت وجود، اور خدا کے اسما، صفات، علم، قدرت، ارادہ اور کلام ایسے مسائل پر اشعری متکلمین اور حکما کی آرا پر صوفیہ کے نظریات کو ترجیح دی گئی ہے اور مصنف نے صدرالدین قونیوی اور خواجہ نصیرالدین طوسی کی کتب، **اشارات** بوعلی سینا، **شرح مفتاح الغیب** از فناری وغیرہ سے دلائل نقل کیے ہیں۔

جامی مقصد تألیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اما بعد فهذه رساله فی تحقیق مذهب الصوفیه و المتکلمین والحکما المتقدمین و تقریر قولهم فی وجود الواجب لذاته و حقایق اسمائه و صفاته و کیفیة صدور الکثرة عن وحدته من غیر

نقص فی كمال قدمه و عزته و ما يتبع ذلک من مباحث آخر يؤدی اليها الفكر و النظر و المرجو من اللّٰه سبحانه ان ينفع بها كل طالب منصف ويصونها عن كل متعصب متعسف و هو حسبی و نعم الوكيل.''

رسالہ میں درج مباحث اور مضامین کی فہرست یہ ہے:

۱۔ تمهيد. فی ان فی الوجود و اجبا و الالزام انحصار الموجود فی الممكن.

۲۔ الكلام فی ما ذهب اليه جمهور المتكلمين و بيان حاصل مذهب الحكماء فی ان للوجود مفهوماً واحدا.

۳۔ الكلام فی ان مستند الصوفية فيما ذهبوا اليه هو الكشف و العيان لا النظر و البرهان.

۴۔ القول فی وحدته تعالی.

۵۔ القول ا لكلی فی صفاته تعالی.

۶۔ القول فی علمه تعالی.

۷۔ القول ان علمه بذاته منشأ لعلمه بسائر الاشياء.

۸۔ القول فی الارادة.

۹۔ القول فی القدرة.

۱۰۔ القول فی ان الاثر القديم هل يستند الی المختار ام لا.

۱۱۔ القول فی كلامه سبحانه و تعالی.

۱۲۔ القول فی بيان ان لا قدرة للممكن.

۱۳۔ القول فی صدور الكثرة عن الوحدة.

آغاز:

الحمدللّٰه الذی تجلی بذاته لذاته فتعين فی باطن علمه مجالی ذاته و صفاته ثم انعكست آثار تلک المجالی.

انجام:

وما انبساطه علی القوابل لایجادها فی العین فلا یلزم ان یکون علی تلک النسبة فیمکن ان یکون الصادر اولا بالوجود العینی اکثر من واحد کما ذهب الیه الصوفیة الموحدة قدس اللہ اسرارھم.

یہ رسالہ قاہرہ میں مطبعہ کردستان العلمیہ سے ۱۳۲۸ھ میں امام فخر الدین رازی کی کتاب **اساس التقدیس** کے حاشیے پر صفحہ ۲۴۸ بعد شائع ہو چکا ہے۔ (۳۹)

اس کا تنقیح اور تصحیح شدہ متن نکولس ہیر (Nicholas Heer) استاد اور گن یونیورسٹی، امریکہ اور موسوی بہبہانی نے تیار کیا ہے، جس میں خود جامی کے متعدد حواشی سے بھی استفادہ کیا ہے اور مع **شرح عبدالغفور لاری** و **حکمت عمادیہ**، مک گیل فاؤنڈیشن (MacGill Foundation)، مؤسسہ مطالعات اسلامی اور دانشگاہ تہران کی طرف سے ۱۳۵۸ش میں طبع ہوا ہے۔

الدرة الفاخرہ کا مارتینو ماریا مارینا نے اطالوی زبان میں ترجمہ کیا ہے (طبع نیپلز، ۱۹۸۱ء)

۲۴۔ سخنان خواجہ پارسا یا الحاشیۃ القدسیہ (فارسی و عربی۔ نثر)

ڈاکٹر احمد طاہری عراقی، خواجہ پارسا کے **قدسیہ** پر اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ رسالۂ **سخنان خواجہ پارسا** کے مرتّب کا نام مجہول ہے (مطبوعہ تہران، ۱۳۵۴ش، ص ۷۶)۔ بعد ازاں ہرمان ایتھے کے قول سے استدلال کرتے ہیں چونکہ **سخنان خواجہ پارسا** کے مرتّب مولانا جامی ہیں، لہٰذا بظاہر **حاشیۂ قدسیہ** بھی عبدالرحمٰن جامی ہی کا لکھا ہوا ہے (ص ۹۲)۔ مگر یہ استدلال درست نہیں ہے۔ کسی کتاب میں بھی **قدسیہ** پر جامی کے حواشی کا ذکر نہیں ہوا۔ البتہ بعض مآخذ میں **سخنان خواجہ پارسا** کا دوسرا نام **الحاشیۃ القدسیہ** درج ہوا ہے۔

ڈاکٹر عراقی نے **قدسیہ** کا جو حاشیہ جامی سے منسوب کیا ہے (مقدمہ، **قدسیہ**، صفحہ ۷۳-۸۸) اس کے طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان سے بھی ظاہر ہے کہ وہ جامی کی تحریر نہیں ہے کیونکہ مذکورہ حواشی کی عبارت ثقیل ہے اور اس لطافت اور چاشنی سے خالی ہے جو جامی کی تحریروں کا خاصہ ہے۔ (۴۰)

احمد منزوی نے **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**، ۲: ۱۱۳۶ میں مولانا جامی کے اسی رسالہ کا ذکر

حواشی مؤلفات خواجہ محمد پارسا عنوان سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ خواجہ محمد پارسا کی بعض تألیفات کے حاشیے پر بزرگوں کے اقوال لکھے ہوئے تھے، جنھیں جامی نے اس رسالہ میں یکجا کیا ہے۔

منزوی کی مذکورہ تصریح صحیح نہیں ہے بلکہ یہ خود خواجہ محمد پارسا کے ملفوظات ہیں، جو متفرق جگہوں پر لکھے ہوئے تھے اور جامی نے انھیں ایک جگہ جمع کیا ہے۔

منزوی نے اس رسالہ کے ایک مخطوطہ بخط نسخ بقلم عبدالرحمٰن بن احمد جامی مورّخہ ۸۷۷ھ مشمولہ **کلیات جامی**، ص ۸۳-۸۷ کی نشاندہی کی ہے جو کتابخانۂ ملّی، تہران میں موجود ہے۔ اس کلیات کا بخط جامی ہونا اور مذکورہ تاریخ کتابت محلِ نظر ہے۔

یہ رسالہ سہ ماہی مجلّہ **فرہنگ ایران زمین** (تہران)، دفتر ۲، جلد ۶، ۱۳۳۷ شمسی، ص ۲۹۴-۳۰۳ شائع ہو چکا ہے۔

۲۵۔ سر رشتۂ طریقۂ خواجگان (فارسی۔نثر)

یہ وہی رسالہ ہے جس کا ذکر سام میرزا نے **طریق صوفیان** اور مولانا لاری نے **رسالہ در طریق خواجگان** کے نام سے کیا ہے۔[۴۱]

جامی نے یہ رسالہ گیلان کے اس ارادت مند کے لیے لکھا تھا جو موت کے منہ میں تھا اور مولانا جامی کی باطنی توجہ سے جی اُٹھا۔

اس مختصر رسالہ میں مولانا جامی نے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ اور اُن کے خلفا کے حاصلِ طریقہ کی نشان دہی کی ہے یہ طریقہ اصلاح عقیدہ کے بعد ان کی سلف صالح کے عقائد کے ساتھ مطابقت، اعمالِ صالحہ بجالانا، سننِ مأثورہ کا اتباع کرنا، محظورات و مکروہات سے اجتناب اور حق سبحانہٗ کے ساتھ دائمی حضور ہے۔ جامی کے نزدیک طریقۂ خواجگان سے وصول تین طرح سے ہو سکتا ہے: ذکر لا الٰہ الا اللہ سے، توجہ و مراقبہ سے، شیخ کے ساتھ رابطہ سے۔ اس کے بعد وہ وقوفِ زمانی پر روشنی ڈالتے ہیں۔

یہ رسالہ اشعار، رباعیات اور حکایت سے مزیّن ہے۔

آغاز:

سر رشتۂ دولت ای برادر بہ کف آر
وین عمر گرامی بہ خسارت مگذار

...بدان-افناک اللّٰہ و ابقاک بہ-کہ حاصل طریقۂ حضرت خواجہ۔

انجام:

جملہ سرّ خواص و سرّ عوام
گفتہ شد والسّلام والاکرام

اشاعتیں:

ا۔اس رسالہ کی بہترین اشاعت با مقدمہ وتصحیح وتعلیق عبدالحی حبیبی از نشرات انجمن جامی، ریاست تنویر افکار وزارت مطبوعات (افغانستان، کابل)، ۱۳۴۳ش، ۱۹ صفحہ ہے۔ ہم نے اسی ایڈیشن سے استفادہ کیا ہے۔

۲۔"رسالۂ سررشتہ (= رسالہ در مراقبہ وآداب ذکر)" کے نام سے بہ تصحیح جو یا جہان بخش، **بہارستان ورسائل جامی**، میراث مکتوب و مرکز مطالعات ایرانی، تہران، ۲۰۰۰ء، ص ۴۹۱-۴۸۳ میں بھی شامل ہے جو ایک بے حد متاخر نسخے مکتوبہ ۱۱۷۳ھ کی بنیاد پر تدوین ہوا ہے۔

۲۶۔ سؤال وجواب ہندوستان (بظاہر فارسی۔نثر)

سام میرزا اور مولانا لاری نے اس رسالہ کا ذکر کیا ہے۔(۴۲)

جامی کی ہندوستان میں ملک التجار محمود گاوان اور اس کے بیٹے سے تصوّف کے مسائل پر خط کتابت تھی۔ ممکن ہے یہ رسالہ ان دونوں کے استفسار کے جواب میں لکھا گیا ہو۔

۲۷۔ شرح بیت خسرو دہلوی، رسالۂ اوّل (فارسی۔نثر)

جامی نے جس شخص کے اشارے پر یہ شرح لکھی، مقدمہ میں محض اس کی صفات "امارت مآبی وسعادت انتسابی" لکھنے پر اِکتفا کیا ہے اور نام کی تصریح نہیں کی ہے۔

امیر خسرو دہلوی (م: ۷۲۵ھ) کے مشہور شعر اور بقول شارح "بیتی کہ بر دل وزبان اہلِ ذوق ووجدان رسانیدہ۔"

ز دریاے شہادت چون نہنگ "لا" بر آرد سر
تیمّم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

کی ابن عربی کے عقائد کے مطابق عارفانہ شرح کی گئی ہے۔ شارح نے "دریاے شہادت" اور "نہنگ لا" کی اصطلاحات اور "نوح" کی تشبیہہ کی توجیہات کی ہیں۔ مجموعی طور پر یہ رسالہ یہ "لا

الہٰ الا اللہ'' کی شرح میں ہے۔

آغاز:

یا من لا ربّ غیرہ ولا الٰہ سواہ و فقنا فی القول والعمل لما تحبہ و ترضاہ... این چند کلمہ ایست برحسب اشارت خدمت امارت مآبی سعادت انتسابی۔

انجام:

قطع این رہ براہ پیمایی
کی توان کرد اگر تو ننمایی (۴۳)

اس شرح کا قدیم ترین نسخہ کتابخانۂ **ملک**، تہران (نمبر ۸/ ۴۷۹۵) میں موجود کلیات جامی، مکتوبہ ۸۹۵ھ، ص ۶۵۸-۶۵۹ میں شامل ہے۔ (۴۴)

یہ رسالہ متعدد بار پاکستان و ہند سے شائع ہو چکا ہے۔ ایک اشاعت بہ کوشش سیّد حسن عباس ''رسالہ درشرح بیت امیر خسرو دہلوی از جامی'' سہ ماہی **دانش**، اسلام آباد، شمارہ ۳۴، ستمبر ۱۹۹۳ء، صفحات ۵۵-۶۶ ہے۔

۲۸۔ شرح بیت خسرو دہلوی، رسالۂ دوم (فارسی۔نثر)

سیّد حسن برنی، امیر خسرو کی مثنوی **قران السعدین** پر اپنی تمہید میں لکھتے ہیں:

''مثنوی **قران السعدین** کا ایک شعر تاریخی دلچسپی رکھتا ہے۔ خسرو نے کشتی کی تعریف میں لکھا ہے:

ماہ نوی کاصل وی از سال خاست
گشت یکی ماہ بہ دہ سال راست (۴۵)

کہتے ہیں کہ جس وقت مولانا جامی نے اس شعر کو دیکھا تو انھیں سال اور ماہ کے معنی سمجھنے میں کچھ تردّد ہوا۔ بالآخر انھوں نے اس شعر کی تفسیر میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا اور بحث کا خاتمہ اس پر کیا کہ: ''چیزی خواستہ کہ بہ زبان ہند مخصوص باشد۔''

نفایس المآثر کا مصنف کہتا ہے کہ جب سلطان حسین میرزا کے زمانے میں شیخ جمالی دہلوی خراسان گئے تو ان کی ملاقات مولانا جامی سے بھی ہوئی۔ (۴۶)

مولانا نے اس شعر کے معنی شیخ سے دریافت کیے تو شیخ نے کہا کہ ''سال'' دراصل ایک لکڑی کا نام ہے جس سے ہندوستان میں کشتی بنائی جاتی ہے۔''(۴۷)

دیگر تذکرہ نگاروں نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً بندرابن داس خوشگو نے **سفینۂ خوشگو** میں جامی اور جمالی کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''(جامی) ورقی چند بہ دست جمالی داد و فرمود کہ من شرح شعر استاد ہندوستانی ہارا چنین نوشتہ ام و آن بیتی ہست کہ امیر خسرو دہلوی در کتاب **قران السعدین** در تعریف کشتی گفتہ:

ماہ نوی کاصل وی از سال خاست

یک مہ نو گشتہ بہ دہ سال راست

بر لفظ ''سال'' تکلفات کردہ بودند۔ جمالی قدری ازان مطالعہ کردہ دریافت و اوراق در حوض آب انداخت و گفت: ''سال نام درختی ست کہ در ہند پیدا می شود و ازو کشتی ہا سازند۔ این ہمہ عبارت آرایی ہا بہ کار نمی آید۔ مولوی ازین معنی ملزم شد۔''(۴۸)

چونکہ جمالی ۸۹۷ھ/۱۴۹۲ء کے بعد اس سفر پر نکلے تھے اور ہرات میں جامی نے انھیں زیر نظر رسالہ دکھایا تھا، لہٰذا قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ شرح (۸۹۷ھ) سے پہلے کی تصنیف ہوگی۔ یہ رسالہ ایران سے طبع ہو چکا ہے۔(۴۹)

۲۹۔ شرح دو بیت از مثنوی مولوی (فارسی۔نثر و نظم)

سام میرزا نے **تحفہ سامی** میں جامی کے رسالہ **شرح بیتی چند از مثنوی مولوی** کا ذکر کیا ہے۔(۵۰) یہ رسالہ تصوّف کے رسائل کے مجموعہ (مثلاً **اشعۃ اللمعات جامی و منتخب جواہر الاسرار علی بن حمزہ الطّوسی** وغیرہ)، مطبوعہ طہران، ۱۳۰۳ھ، صفحہ ۳۸۲ کے حاشیے پر چھپ چکا ہے، جامی اس میں کہتے ہیں:

ہم شرایع را بیان من می کنم — ہم حقایق را عیان من می کنم

ہرچہ باشد نظم و نثر اندر زمن — نیست الا نغمہ ہای لحن من

ہست ازین خوش لحن ہای جان فزا — مثنوی در شش مجلد یک نوا

فرصتی خوش باید و عمری دراز — تا بگویم حال خود یک شمہ باز
چون بہ پایان می نیاید این سخن — می نہم مہر خموشی بر دہن

اس کے بعد جامی نے **مثنوی مولوی** کے مطلع کی نثر میں تشریح کی ہے اور جگہ جگہ اشعار بھی درج کیے ہیں۔ اس طرح زیرِ نظر رسالہ میں تقریباً پانچ سو اشعار موجود ہیں۔

آغاز:

''بشنو از نی چون حکایت می کند — و ز جدایی ہا شکایت می کند''
کیست نی آن کس کہ گوید دم بہ دم — من نیم جز موج دریای قِدم
از وجود خویش چون گشتم تہی — نیست از غیر خدایم آگہی
خالی از خویشم من و باقی بہ حق — شد لباس ہستی ام یکبارہ شق

انجام:

این سعادت روی ننماید بہ کس — جز پس از عمری و آن ہم یک نفس
چون پس از عمری بہ تو روی آورد — زود تر از برق خاطف بگذرد
تشنہ ای را گر ز دریا خطرہ ای — در دل آید بلکہ بر لب قطرہ ای (۵۱)

سعید نفیسی اور بشیر ہروی نے جامی کی **شرح مثنوی** کا نام لیا ہے۔ (۵۲)

۳۰۔ شرح رباعیات (فارسی۔ نثر و نظم)

ولیم چٹک کے خیال کے مطابق یہ رسالہ جامی کی ابتدائی تصانیف میں سے ہے، کیونکہ اس رسالہ کا تیسرا حصہ جامی نے اپنی کتاب **نقد النصوص** سے بجنسہٖ یا ترجمے کی صورت میں نقل کیا ہے۔ چٹک نے **شرح رباعیات** اور **نقد النصوص** کے مضامین کے صفحات کا تقابل پیش کیا ہے۔ اس شرح میں جامی نے کوشش کی ہے کہ تمام مضامین فارسی زبان میں ہوں۔ اگر **نقد النصوص** سے اقتباس کیے گئے مضامین عربی میں تھے تو جامی نے وہ بھی فارسی میں منتقل کر دیے ہیں۔ (۵۳)

آغاز: (شرح)

حمداً... پاکا یگانہ کہ کثرت شنویت صفت و موصوف را گرد سراپردۂ عزت وحدتش راہ نیست۔

اس شرح کا ایک مخطوطہ ایا صوفیا، استنبول میں مجموعۂ رسائل شمارہ ۳۸۳۲ میں ورق ۳۲۳ تا ۳۷۹ موجود ہے۔ یہ رسالہ محمود کاتب گیلانی فومنی نے بخط نستعلیق، ۱۲ رمضان ۸۶۶ھ میں دمشق

میں لکھا۔ (دیکھیے: **فہرست میکروفیلمہای کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران**، ۱:۶۶۷)

یہ شرح پاک و ہند، ایران اور افغانستان سے شائع ہو چکی ہے۔ چند اشاعتیں یہ ہیں:

۱۔ **شرح رباعیات جامی**، حیدر آباد، مطبع بشیر دکن، تاریخ ندارد، ۸۷ص

۲۔ **شرح رباعیات**، بہ تصحیح مایل ہروی، کابل، ۱۳۴۳ش

۳۔ "سہ رسالہ در تصوف: **لوامع ولوائح** در شرح قصیدۂ خمریۂ ابن فارض و در بیان معارف و معانی عرفانی بانضمام **شرح رباعیات** در وحدت وجود" از عبدالرحمٰن جامی، با مقدمۂ ایرج افشار، کتابخانۂ منوچہری، تہران (۱۳۶۰ش)، ۱۸۹ص۔

برتلس نے کتابخانۂ برلن کے فہرست نگار پرچ (Pertsch) کے اس گمان کی تردید کی ہے کہ یہ رباعیات خود جامی کی نہیں ہیں۔ (۵۴)

۳۱۔ شرح فصوص الحکم (عربی۔نثر)

تصوّف پر جامی کی آخری اہم تصنیف ہے جو جمادی الاوّل ۸۹۶ھ/ مارچ ۱۴۹۱ء میں لکھی گئی۔ یہ امر قابلِ توجہ اور دلچسپی کا حامل ہے کہ جامی کی تصوّف پر پہلی کتاب **نقد النصوص** (تصنیف ۸۶۳ھ/ ۱۴۵۹ء) اور آخری کتاب **شرح فصوص** دونوں براہِ راست یا بالواسطہ **فصوص الحکم** کی شرح ہیں اور یہ بات جامی کی ابن عربی (مؤلف **فصوص الحکم**) کے مسلک اور عقائد سے ۳۳ سال تک وابستگی کی عمدہ دلیل ہے۔

جامی سے پہلے صدر الدین قونیوی (م: ۶۷۳ھ)، مؤید الدین جندی (م: ۷۰۰ھ)، عبدالرزاق کاشانی (م: ۷۳۶ھ) اور داؤد قیصری (م: ۷۵۱ھ) **فصوص الحکم** پر شروح لکھ چکے تھے جو سب اصحابِ فکر و نظر تھے اور ان کی شروح میں نئے معارف و نکات کثرت سے ملتے ہیں۔ مگر جامی نے **فصوص** کی شرح میں نیا انداز اپنایا۔ وہ جملہ جملہ آگے چلتے ہیں اور کسی مقام پر بھی اصل موضوع سے دور نہیں جاتے۔ اس شرح نویسی سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ قاری **فصوص الحکم** کی عبارات کو جملات اور قواعد زبان کی رُو سے سمجھ سکے۔ انھوں نے فروعی مباحث سے اجتناب کیا ہے اور کہیں بھی مستقل طور پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ اس طرح یہ شرح ان لوگوں کے لیے بہترین ہے جو ابھی شیخ اکبر کے مکتب کے رموز سے پوری طرح واقف نہ ہوں اور اسے سمجھنا چاہتے ہیں۔

آغاز:

الحمدللّٰہ الذی زیّن خواتم قلوب اولی الھمم الفصوص فصوص الحکم و ختم بھا باب النبوۃ.

انجام:

لقد وفق للفراغ عن فک ختام ھذہ الفصوص و کشف ابھام ھذہ النصوص العبد... عبدالرحمٰن بن احمد الجامی... غرۃ جمادی الاولیٰ المنتظمۃ فی سلک شھور سنہ ست و تسعین و ثمانمائہ واللّٰہ اعلم.

یہ شرح ۱۹۰۷ء میں فیروز آباد، ہندوستان سے چھپ چکی ہے۔[۵۵] یہی کتاب **جواہر النصوص فی حل کلمات الفصوص** لسید عبدالغنی النابلسی کی شرح کے حاشیے پر ۱۳۰۴ھ میں مطبعۃ الزمان مصر سے دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔[۵۶]

۳۲۔ شرح قصیدۂ تائیہ فارضیہ یا شرح نظم الدّر (فارسی۔نثر)

مولانا سبب تألیف میں لکھتے ہیں:

"چون درین فرصت این کمینۂ بی بضاعت را مطالعۂ قصیدۂ تائیۂ فارضیہ موسوم بہ **نظم الدّر** - للّٰہ درّ ناظمہا - اتفاق افتاد و بہ قدر قوت و استطاعت استفادۂ معانی و حقایق از شروح عربی و فارسی آن دست داد، در خاطر فاتر چنان آمد کہ شرحی جمع کردہ شود مشتمل بر مجرد حل لغات و بیان حاصل المعنی بہ عبارت فارسی کہ فایدہ اش ظاہر آید و عام۔ وترجمۂ آن بہ وزن رباعی کہ کلامی است مختصر و تمام۔"[۵۷]

آخری شعر کی شرح ملاحظہ ہو:

لانت منی قلبی و غایۃ بغیتی

وانھی مرادی و اختیاری و خیرتی

این بیت جواب قَسم ہایی است کہ درابیات سابق گذشتہ۔ می گوید سوگند بہ این امور کہ سبق ذکر یافتہ و پرتو شعور و آ گاہی بر آن تافتہ کہ، ہر آینہ تو آرزوی دل ناشادمنی و غایت مقصود و نہایت مرادمنی، از ہمہ خوبان ترا پسندیدہ ام و بر ہمہ محبوبان ترا برگزیدہ۔ رباعی:

ہم آرزوی خاطر افگار تویی　　ہم غایت مقصود دل زار تویی

ہر خستہ دل اختیار یاری کردست　　ما را ز میانِ ہمہ مختار تویی [(۵۸)]

آغاز:

پاکا خداوندی کہ صفحات کاینات نامہ سپاس وستایش اوست وصحیفۂ مکنونات نسخۂ بخشش و بخشایش او۔ [(۵۹)]

ابن فارض کے **قصیدۂ تائیہ** کی یہ شرح ان کے **قصیدۂ خمریہ** کی شرح **لوامع** سے الگ ہے۔ اس کا قدیم ترین مخطوطہ کتب خانۂ ایا صوفیا، استنبول میں موجود **کلیات جامی** (نمبر ۴۲۰۹) مورّخ ۸۷۷ھ میں شامل ہے۔ [(۶۰)]

اشاعتیں:

-**تائیہ عبدالرحمان جامی** ترجمۂ تائیہ ابن فارض بہ انضمام شرح محمود قیصری بر تائیہ ابن فارض، مقدمہ، تصحیح و تحقیق دکتر صادق خورشا، دفتر نشر میراث مکتوب و نقطہ، تہران، ۱۳۷۶ھ / ۱۹۹۷ء

-با مقدمۂ محمد جان عمر اُف، در **بہارستان ورسائل جامی**، تہران، ۲۰۰۰ء، ص ۴۳۸-۴۰۷

۳۳۔ شرح قصیدۂ عطّار

عطار نیشاپوری کے اُس قصیدہ کی شرح ہے جس کا مطلع یہ ہے:

ای روی در کشیدہ بہ بازار آمدہ
خلقی بدین طلسم گرفتار آمدہ

یہ قصیدہ اُنتیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس شرح کا مقدمہ اور خود شرح، حق تعالیٰ کے وجودِ مطلق ہونے اور اس کی مختلف جہات کی تفصیل پر مبنی ہے۔ جامی نے زیرِ بحث موضوع کی تشریح کے لیے امام غزالی کی **مشکوٰۃ الانوار**، شیخ اکبر کی کتاب **معرفت**، **فصوص**، شیخ صدرالدین کی **تفسیر فاتحہ** اور شیخ علاء الدولہ کے **رسالۂ قدسیہ** سے دلائل وشواہد نقل کیے ہیں۔ نیز اس رسالہ میں صوفی شعرا کے اشعار علامتی حوالے کے ساتھ درج ہوئے ہیں۔ 'ع' سے مراد عطار، 'م' سے مراد **مثنوی مولوی**، 'گ' سے مراد **گلشنِ راز**، 'س' سے مراد سنائی، 'ح' سے مراد امیر حسینی اور 'ق' سے مراد عراقی ہے۔

آغاز: (مقدمہ)

الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد و آلہٖ اجمعین.

ای پاکی تو منزہ از ہر پاکی
قدوسی تو مقدس از ادراکی

...بدانک نزد محققان صوفیہ حق تعالیٰ وجود مطلق ست۔

(شرح): ای روی در کشیدہ بہ بازار آمدہ... یعنی ای آنکہ روی خود را کہ نور ظاہر وجود است۔

انجام:

لیکن چون این صانع مصنوع حق است پس مآل جمیع محامد بہ حق باشد-**والی اللّٰہ عاقبة الامور و آخر دعویهم عن الحمدللّٰہ ربّ العالمین.**

یہ رسالہ **دیوان قصائد و غزلیات شیخ فرید الدین ابو حامد محمد بن ابوبکر ابراہیم بن اسحاق عطار نیشاپوری** با تصحیح و مقدمہ سعید نفیسی، بسرمایہ و اہتمام مدیر کتابفروشی و چاپخانۂ اقبال، تہران، ۱۳۱۹ش کے ہمراہ صفحہ ۷۴۰ تا ۷۵۱ شائع ہو چکا ہے۔ سعید نفیسی نے یہ شرح اس مخطوطہ کی بنیاد پر چھاپی ہے جو ان کے اپنے کتب خانہ میں محفوظ تھا اور جامی کی **شرح رباعیات، شرح قصیدۂ میمیہ خمریہ ابن فارض** اور **شرح قصیدۂ تائیہ** ابن فارض کے ساتھ یکجا ہے۔ سعید نفیسی نے اس قلمی نسخہ کے کاغذ اور رسم الخط کو دسویں صدی ہجری کا بتایا ہے۔

ہم نے مندرجہ بالا تمام معلومات اسی مطبوعہ نسخے سے نقل کی ہیں۔

افصح زاد نے اس شرح کے جامی سے انتساب کو ردّ کر دیا ہے اور قوی گمان ظاہر کیا ہے کہ یہ حافظ علی جامی کی شرح ہے جو جامی کے معاصر تھے۔ (مقدمہ، **دیوان جامی**، ج ۲، ص ۲۱)

۳۴۔ شرح مفتاح الغیب

شیخ صدر الدین محمد قونیوی (م: ۶۷۳ھ) کی تصوّف پر عربی کتاب **مفتاح الغیب** کے بعض مضامین کی شرح ہے جو مبیضہ صورت میں تیار نہ ہو سکی۔ لاری اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شرح بعضی از مفتاح الغیب کہ بہ بیاض نرفتہ۔"(۶۱)

۳۵۔ رسالۂ طریقۂ خواجگان (فارسی۔ نثر و نظم)

سلسلۂ نقشبندیہ کے دستور العمل پر جامی نے اپنی رباعیات کی شرح خود ہی لکھ کر یہ رسالہ ترتیب دیا ہے۔

آغاز:

ترا یک پند بس در ہر دو عالم — کہ بر ناید ز جانت بی خدا دم
اگر تو پاس داری پاس انفاس — بہ سلطانی رسانندت از آن پاس

اس رسالہ کا ۲۲ صفحات پر مشتمل ایک مخطوطہ انجمن تاریخ، کابل میں **مجموعۂ قدیم رسائلِ نقشبندیہ** میں موجود ہے۔ (۶۲)

واضح ہو کہ یہ رسالہ سررشتۂ **طریقۂ خواجگان** سے جدا ہے۔

۳۶۔ لوامع انوار الکشف والشہود علی قلوب ارباب الذوق والجود یا شرح خمریہ

(فارسی۔نثر)

تاریخ تألیف واختتام:

بی دعوی فضل جامی و لاف ہنر — در سلک بیان کشید این عقد گہر
وان لحظہ کہ شد تمام، آورد بدر — تاریخ مہ و سال وی از ''شہر صفر''

حکمت اور اکثر فہرست نگاروں نے مذکورہ رباعی کے مصرع چہارم میں مذکورہ ''شہر صفر'' کو مادّہ تاریخ قرار دے کر سالِ تألیف ۸۷۵ھ اخذ کیا ہے۔ لیکن ولیم چٹک ''از شہر صفر'' کو مادّۂ تاریخ سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق ۸۸۳ھ کو سال شرح قرار دیتے ہیں۔ اس تاریخ کو انھوں نے رباعی کے معنی اور اُسلوب کتاب کی بنا پر ترجیح دی ہے۔ (۶۳) لیکن ہمارے خیال میں مذکورہ مصرع چہارم کا بغور مطالعہ کرنے [''اس کے (اتمام کے) ماہ وسال کی تاریخ شہر صفر سے ہے۔'' ترجمہ] سے ''شہر صفر'' ہی معقول مادّۂ تاریخ نظر آتا ہے۔ دوسرا اس شرح کا جو نسخہ ایا صوفیا کتب خانہ، استنبول میں کلیات جامی (شمارہ ۴۲۰۷) میں شامل ہے، اس کی تاریخِ کتابت (کلیات کی تاریخِ کتابت) ۲۲ شعبان ۸۷۷ھ ہے (۶۴) اور یہ تاریخ ۸۷۵ھ سے متاخر تر اور ۸۸۳ھ سے مقدم تر ہے۔

ابن فارض (م: ۶۳۲ھ) کے جس عربی قصیدہ کی شرح زیرِ بحث رسالہ میں کی گئی ہے وہ بتیس اشعار پر مشتمل ہے۔ ردیف میم کے اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

شربنا علی ذکر الحبیب مدامة
سکرنا بها من قبل ان یخلق الکرم

لوامع کی چند جدید اشاعتیں یہ ہیں:

-**لوامع جامی در وصف راح محبت**، بہ تصحیح حکمت آل آقا، انتشارات بنیاد مہر، تہران، ۱۳۴۱ ش، ن+۹۲ص

-**سہ رسالہ در تصوّف، لوامع ولوائح در شرح قصیدۂ خمریۂ ابن فارض ودر بیان معارف و معانی عرفانی بانضمام شرح رباعیات در وحدت الوجود از عبدالرحمٰن جامی**، با مقدمۂ ایرج افشار، کتابخانۂ منوچہری، تہران (۱۳۶۰ش)، ۱۸۹ص

-با مقدمۂ محمد جان عمراف، در **بہارستان ورسائل جامی**، تہران، ۲۰۰۰ء، ص ۴۰۶-۳۳۶

۳۷۔ لوائح (فارسی۔نثر)

مولانا جامی مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''امابعد این رسالہ ای است مسمی بہ **لوائح** در بیان معارف ومعانی کہ برالواح اسرار وارواح ارباب عرفان واصحاب ذوق ووجدان لائح گشتہ، بہ عبارات لائقہ واشارات رائقہ، متوقع کہ وجود متصدی این بیان را درمیان نبیند وبر بساط اعراض وسماط اعتراض ننشیند، چہ اورا در این گفتگوی نصیبی جز منصب ترجمانی نی و بہرہ یی غیراز شیوۂ سخن رانی نی۔''(۶۵)

لوائح کے خاتمہ پر جامی نے اس رسالہ کی تألیف پر یوں روشنی ڈالی ہے:

''چون مقصود از این عبارات ومطلوب از این اشارات تنبیہ بود بر احاطۂ ذات حق سبحانہٗ وتعالیٰ وسریان نوراو در جمیع مراتب وجود، تا سالکان آگاہ وطالبان صاحب انتباہ، بہ شہود ہیچ ذات از مشاہدۂ جمال ذات غافل نشوند و بہ ظہور ہیچ صفت از مطالعۂ کمالات صفات اوغافل نگردند۔''(۶۶)

نسخۂ تہران (طبع تسبیحی) مجموعی طور پر ۳۳ ''لایحہ'' اور ایک ''خاتمہ'' پر مشتمل ہے۔

لوائح کی چند مفید اشاعتیں یہ ہیں:

-عکس نسخۂ خطی **لوائح**، ہمراہ انگریزی ترجمہ از E.H. Whinfield وانگریزی مقدمہ از میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی، مطبوعہ انگلستان، ۱۹۲۸ء(۶۷)

-**لوائح**، باتفسیر وشرح لغات واصطلاحات فلسفی وعرفانی، بہ کوشش محمد حسین تسبیحی، کتابفروشی

فروغی، تہران ۱۳۴۲ش، بیست و پنج، ۱۸۴ص

-**سہ رسالہ در تصوّف: لوامع ولوایح در شرح قصیدۂ خمریۂ ابن فارض و در بیان معارف و معانی عرفانی بانضمام شرح رباعیات در وحدت وجود از عبدالرحمٰن جامی**، با مقدمۂ ایرج افشار، کتابخانۂ منوچہری، تہران، (۱۳۶۰ش)، ۱۸۹ص

-**در بہارستان ورسائل جامی**، بہ اہتمام اعلا خان افصح زاد، میراث مکتوب و مرکز مطالعات ایرانی، تہران، ۱۳۷۹ھ ش / ۲۰۰۰ء، ص ۴۸۱-۴۳۹، جن چار نسخوں کی مدد سے یہ متن تدوین ہوا ہے، ان میں سے ایک محمد بن حسن شاہ الکاتب الہروی کا مکتوبہ ۹۰۸ھ ہے۔

-محمد عبدالرشید فاضل نے اُردو میں **شرح لوایح جامی** لکھی ہے۔ مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۵ء

-یعقوب خان کاشغری (م: ۱۸۹۹ء) نے لوایح کا ترکی ترجمہ کیا۔ مخطوطہ مخزونہ ملّت کتب خانہ، علی امیری شریعہ ذخیرہ، نمبر ۹۱۱، ورق ۱ تا ۳۲

-کپتان واحد بخش سیال ربّانی نے بھی **لوایح** کا اُردو ترجمہ وشرح کیا۔ (سرورق: **شرح لوایح جامی**، لاہور، ۱۹۸۶ء)

۳۸۔ نائیہ یانی نامہ (فارسی۔نثر ونظم)

یہ رسالہ بعنوان "نی نامہ یعنی رسالۂ نائیہ مولانا یعقوب چرخی ورسالۂ نائیہ مولانا جامی" با مقدمہ وتحشیہ وتعلیق خلیل اللہ خلیلی، کابل، ۱۳۳۶ش/ ۱۳۷۷ق شائع ہو چکا ہے اس کی دوبارہ اشاعت باہتمام فقیر محمد خیر خواہ، ازنشرات انجمن تاریخ وادب افغانستان اکادیمی، کابل، ۱۳۵۲ش/ ۱۹۷۳ء، ص ۱۵۸-۱۶۵ ہوئی۔ اسی کی بنیاد پر ایک ایرانی ایڈیشن بھی دستیاب ہے: **نی نامہ (چہار رسالہ دربارۂ مولانا)**، تحشیہ وتعلیق خلیل اللہ خلیلی، بامقدمہ، تصحیح وفہارس عفت مستشار نیا، تہران، انتشارات ۱۳۸۶ھ ش/ ۲۰۰۷ء، ۳۹۷ص

در بہارستان ورسائل جامی بہ اہتمام اعلا خان افصح زاد، میراث مکتوب و مرکز مطالعات ایرانی، تہران، ۱۳۷۹ھ ش / ۲۰۰۰ء، ص ۳۳۶-۳۲۵ بھی شامل ہے۔

استاد خلیلی کی اشاعت ہمارے پیشِ نظر ہے۔ اسی سے ہم اس کا مفصّل تعارف لکھ رہے ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی معنوی کے مطلع:

بشنو از نَے چون حکایت می کند
از جدائی ہا شکایت می کند

میں مذکور لفظ ''نَے'' کی تشریح اور توجیہ پر اصحاب حال اور ارباب قال نے اپنے اپنے اندازِ فکر میں بڑا زورِ بیان اور زورِ قلم صَرف کیا ہے۔ بعض ''نَے'' کو ''روح'' اور بعض ''مرشدِ کامل'' کہتے ہیں۔ بعض نے اس سے مراد ''عاشق'' لیا ہے اور بعض اسے ''قلمِ اعلیٰ'' قرار دیتے ہیں۔ یعنی وہ ''حقیقتِ محمدیہ'' ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ''نَے'' دراصل یہی ظاہری ''قلم'' ہے۔ کچھ نکتہ رس ارباب نے ''نَے'' کے اعداد ساٹھ کو حرف سین کے اعداد (ساٹھ) کے برابر قرار دے دیا ہے اور یہ تاویل پیش کی ہے کہ ''سین'' درحقیقت ''سیّد المرسلین'' کا مخفف ہے۔ یاد رہے کہ حروف تہجی میں ''سین'' ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ کچھ شرح نویسوں نے تاویل و توجیہ سے بچتے ہوئے ''نَے'' سے مراد ''نَے'' ہی لیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا مجاز کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولانا رومی نے اپنے خیالات بزبان نَے پیش کیے ہیں۔ (۶۸)

مولانا جامی نے بھی زیرِ نظر رسالہ میں اپنی جدت فکر سے ''نَے'' کی تشریح فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''نَے'' کو ان واصلان و کاملانِ کامل سے پوری پوری مناسبت ہے جو خود اور مخلوق سے فانی ہو کر مقام ''بقا باللہ'' پر فائز ہیں۔ کیونکہ لفظِ ''نَے'' بعض مقامات پر نفی کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور ان لوگوں نے اپنے عارضی وجود کی نفی کر رکھی ہے۔

پھر مولانا جامی کہتے ہیں کہ ''نَے'' سے مراد ''قلم'' بھی ہو سکتا ہے جو مذکورہ گروہ (واصلین و کاملین) کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔

آگے چل کر جامی لکھتے ہیں کہ ہم مجاز اور استعارہ سے گذر کر ''نَے'' سے مراد ظاہری ''قلم'' بھی لے سکتے ہیں، کیونکہ اولیاء اللہ جو تمام موجودات کا ادراک رکھتے ہیں، اپنی تعلیم (بذریعہ قلم) ہی طالبوں اور مریدوں تک پہنچاتے ہیں۔

آغاز:

عشق جز نایی و ما جز نی نہ ایم　　او دمی بی ما و ما بی وی نہ ایم
نہ کہ ہر دم نغمہ آرائی کند　　درحقیقت از دم نایی کند

این سطری است چند، بعضی منثور و بعضی منظوم، بہ قلم صدق نیّت و رقم خلوص طویت

در بیان معنی نی وحکایت شکایت وی۔

انجام:

در بقای او شوی فانی تمام
زندۂ جاوید باشی والسّلام

اس رسالہ کے قدیم ترین مخطوطات کتب خانہ امیر المؤمنین، نجف میں موجود **کلیاتِ جامی** (نمبر ۱۴۸۲)، مورّخ ۸۸۱ھ اور کتب خانہ توپ قاپی سرای، استنبول کے **کلیات جامی** (نمبر H-672/18) مکتوبہ ۸۷۷-۸۹۵ھ میں شامل ہیں۔ (۶۹) لہٰذا اس رسالہ کی تاریخِ تصنیف مذکورہ تاریخوں سے پہلے کی قیاس کرنا چاہیے۔

۳۹۔ نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص (فارسی۔نثر)

بعض مصنّفین کو اصل متن کے مصنف کے بارے میں اشتباہ ہوا ہے جس کی یہ شرح ہے، مثلاً براؤن (**تاریخ ادبی ایران**، ۳:۷۶۱) نے اسے صدرالدین قونیوی کی کتاب **فصوص** کی شرح بتایا ہے۔ محمد تقی بہار (**سبک شناسی**، ۳:۲۲۶) اسے **شرح فصوص الحکم** از جامی بزبان عربی سے الگ نہیں کر سکے۔ (۷۰) حالانکہ خود جامی نے **نقد النصوص** کے مقدمہ میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ **نقش الفصوص** دراصل **فصوص الحکم** کا خلاصہ ہے۔ یہ خلاصہ خود ابن عربی نے تیار کیا تھا۔ تاہم جامی نے اس کی شرح لکھتے وقت صدرالدین قونیوی کی **شرح نقش الفصوص** سے ضرور استفادہ کیا ہے۔

نقد النصوص با مقدمہ وتصحیح وتعلیقات ولیم چٹک (William C. Chittick) وپیش گفتار سیّد جلال الدین آشتیانی، انجمن شاہنشاہی فلسفۂ ایران، تہران سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۴۰۔ وجود یا وجودیہ یا رسالۂ وجیزہ در تحقیق واثبات واجب الوجود (عربی۔نثر)

اس میں متکلمین اور حکما کے مذاق کے مطابق وجود اور ماہیات پر فنّی بحث کی گئی ہے۔

آغاز:

الوجود ای ما بانضمامه الی الماهیات تترتب علیها آثارها المختصة لها.

انجام:

الی انحصار الوجود الواحد فی کونه قائماً بکل واحد منهما و کونه قائماً بالمجموع، فلایجدی نفعاً.

نکولس ہیر (Nicholas Heer) استاد دانشگاہ اورگن امریکہ نے اس رسالہ کی تصحیح اور انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ موروتج نے بھی اسے شایع کیا ہے۔

Al-Jami's Treatise on Existence, Islamic Philosophical Theolygy, edited by: P.Morewedge, Albany, 1977 (۷۱)

سعید نفیسی نے جامی کے تین رسائل تحقیق الوجود، رسالہ فی الوجود اور رسالۂ وجود و موجود کا ذکر کیا ہے۔ (۷۲)

علومِ زبان

۴۱۔ شرح العوامل المائۃ (فارسی ۔ منظوم)

عوامل کے عربی متن کے مصنف عبدالقاہر جرجانی (م: ۴۷۱ھ) ہیں اور یہ نحو کی مشہور اور متداول کتاب ہے۔ جامی نے اس کی منظوم شرح لکھی ہے۔

آغاز:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ النوع الاوّل۔

نوع اوّل ہفدہ حرف جر بود می دان یقین
کاندرین یک بیت آمد جملہ بیچون و چرا

درسی کتاب ہونے کی وجہ سے یہ شرح برّصغیر میں متعدد بار شایع ہو چکی ہے۔ عام طور پر یہ نحو میر کے ساتھ چھپتی رہی ہے۔ اس کے کم از کم ۲۳ ایڈیشن میرے علم میں ہیں۔ قدیم ترین مطبع حسنی لکھنؤ، ۱۲۵۹ھ ہے۔ (۷۳)

افصح زاد نے لکھا ہے کہ اس شرح کے جامی سے انتساب کی وجہ واضح نہیں ہے۔ (۷۴)

۴۲۔ صرف فارسی منظوم و منثور

یہ رسالہ ۱۱ رمضان ۸۶۷ھ/۱۴۶۳ء میں تألیف ہوا۔ (۷۵)

اس میں شک نہیں کہ جامی کی صرفِ منظوم بطور درسی کتاب، سولہویں صدی عیسوی میں پڑھائی جاتی تھی۔ زین الدین واصفی نے **بدایع الوقایع** میں اس کتاب کی تدریس کا چشم دید واقعہ لکھا ہے۔ (۷۶)

بشیر ہروی لکھتے ہیں کہ اس رسالہ کا ایک ناقص نسخہ ان کے پاس موجود ہے، اگرچہ اس کے متن میں ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں ہے جس سے صراحت ہو کہ یہ رسالہ جامی کی تصنیف ہے لیکن اس کی تألیف و ترتیب میں نثر و نظم کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس کا جامی کی تحریر، نظم اور علمی مسائل و قواعد کو لبادۂ شعر پہنانے میں جامی کی مہارت سے موازنہ کرنے کے بعد یقین ہو جاتا ہے کہ یہ نسخہ **صرف فارسی منظوم و منثور** جامی ہے۔

اس کے بعد بشیر ہروی نے بطورِ نمونہ چند عبارات نقل کی ہیں۔ مثلاً:

بیان آنکہ بناھای رباعی مجرد در اسم پنج است۔

در رباعی ست اسم پنج بناست — کہ ازان پنج نہ فزود و نہ کاست
جعفر و درھم و دیگر بر شن — پس قمطر است و ز برج از برکن (۷۷)

صرف جامی کے دو مخطوطات توپ قاپی سرای استنبول میں ہیں۔ ایک **کلیات جامی** مکتوبہ دسویں صدی ہجری (نمبر R-887/17) میں اور دوسرا **کلیاتِ جامی** میں **فواید الضیائیہ** (نمبر A-1585/22) کے بعد۔

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کول کتہ کا نسخہ (نمبر ۳/۴۱ (۵۴۲)) **صرف اللسان** کے نام سے مذکور ہے۔ (۷۸)

احمد منزوی نے **صرف منظوم** کے عنوان سے جامی سے منسوب کتاب کا ذکر کیا ہے جس میں افعال کی صَرف میں نثری عبارات سے کام لیا گیا ہے۔ اس کتاب کا آغاز مندرجہ ذیل کلمات سے ہوتا ہے۔

"صرف اللسان نحو ثنائک اولی و عطف البیان الی نعت خاتم انبیائه اخری. یعنی گردانیدن آلت زبان... کلمات عرب سہ قسم بود:

نامشان حرف و فعل و اسم بود
ہمچو باللہ، اقسم، ای فرزند" (۷۹)

۴۳۔ فوائدالضیائیہ (عربی۔نثر)

جدید اشاعت:

دراسۃ و تحقیق دکتور اسامہ طہ الرفاعی، نشر وزارۃ الاوقاف و الشؤون الدینیہ الجمہوریہ العراقیہ، بغداد، ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء، ۲ جلد

فنون شاعری

۴۴۔ رسالۂ عروض یا مجمع الاوزان (فارسی۔نثر)

وزنِ شعر کے اصول مثلاً تألیف کلام، زحافات اور تقطیع شعر وغیرہ چند فصلوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

آغاز:

سپاس وافر قادری را کہ حرکت سریع دوائر افلاک را سبب ازدواج وصول و امتزاج گردانید...وبعد بدان کہ ارباب صناعت عروض بناء اصول اوزان شعر را بر سہ رکن نہادہ اند۔

اس رسالہ کے قدیم ترین مخطوطات کتابخانۂ ملّی، تہران میں **کلیات جامی** مکتوبہ ۸۷۷ھ (نمبر درج نہیں)، کتب خانہ توپ قاپی سرای، استنبول میں **کلیات جامی** مکتوبہ ۸۷۷-۸۹۵ (نمبر H-672/19) اور کتابخانۂ ملک تہران میں **کلیات جامی** مکتوبہ رجب ۸۹۵ھ، ص ۷۷۸-۷۸۷ (نمبر ۷۹۵) میں موجود ہیں۔ (۸۰) بلوشہ نے ایک نسخہ مکتوبہ ۸۹۶ھ کا ذکر کیا ہے جو مصنف کے خودنوشت نسخہ سے نقل ہوا ہے۔ (۸۱)

اشاعتیں:

۱۔در مجموعہ، ص ۱۱-۴۸، تاریخ طبع ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء، مقام اشاعت نامعلوم، اس اشاعت کا ایک نسخہ کتب خانۂ سلیمانیہ، استنبول میں موجود ہے۔ ممکن ہے یہ اشاعت استنبول ہی میں ہوئی ہو۔

۲۔در **بہارستان و رسائل جامی**، با مقدمۂ ابوبکر ظہورالدین، میراث مکتوب و مرکز مطالعات ایرانی، تہران، ۱۳۷۹ھ ش / ۲۰۰۰ء، ص ۲۸۵-۳۲۰

۳۔**سہ رسالہ در عروض** (عروض جامی، ترانہ آقا احمد علی، اصطلاحات ادبی تالیف کلنل علی

نقی خان وزیری)، بہ اہتمام محمد فشارکی، تہران، انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، ۱۳۸۸ھ ش/ ۲۰۰۹ء

ترکی شرح:

۱۔ **جام مظفری**، سید احمد صافی (م: ۱۲۹۰ھ)، بعہد سلطان عبدالحمید خان بن سلطان محمود خان، عثمانی ترکی میں تصنیف ہوئی، مطبوعہ استنبول، ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۱ء، ۱۵۸ صفحات

۴۵۔ **الرسالۃ الوافیہ فی علم القافیہ یا مختصر وافی در علم قوافی** (فارسی۔نثر)

خود رسالے میں تاریخِ تصنیف کی تصریح نہیں ہوئی۔ افصح زاد نے اس رسالہ کا سالِ تصنیف ۸۶۹ھ/ ۱۴۶۵ء کے لگ بھگ متعین کیا ہے۔

مخطوطات یہ ہیں:

- توپ قاپی سرای، استنبول، شمارہ H-672/20 مشمولہ **کلیات جامی** مورّخ ۸۷۷-۸۹۵ھ
- کتابخانۂ مدرس رضوی، تہران، **المعجم فی معاییر اشعار العجم**، مورّخ ۸۹۱ھ کے حاشیہ پر ہے۔ (۸۲)

اشاعتیں:

۱۔ ایچ. بلاخمان (H. Blochmann) نے **عروض سیفی** سمیت اسے بپٹسٹ مشن پریس، کلکتہ سے ۱۸۶۷ء اور ۱۸۷۲ء میں شائع کیا تھا۔ اسی کی تجدید اشاعت بہ اہتمام محمد فشارکی، دانشگاہ تہران، ۱۳۷۲ش ہوئی ہے۔

۲۔ در **بہارستان و رسائل جامی**، با مقدمۂ ابوبکر ظہور الدین، میراث مکتوب و مرکز مطالعات ایرانی، تہران، ۱۳۷۹ھ ش / ۲۰۰۰ء، ص ۳۰۸-۲۸۷

جامی کے ہم نام، ہم عصر اور ہم وطن نور الدین بن احمد گازرگاہی کا رسالہ در قافیہ بھی موجود ہے۔ (۸۳)

معمّیات

فن معمّا پر جامی کے چار رسائل موجود ہیں:

۱۔ رسالۂ کبیر موسوم بہ حلیۃ الحلل

۲۔ رسالۂ متوسط یا دستور معمّا

۳۔ رسالۂ صغیر

۴۔ رسالۂ اصغر۔ منظوم

۴۶۔ حلیۂ حلل=معمّا، رسالۂ کبیر (فارسی۔ نثر)

اشاعت:

حِلیۂ حُلَل یا رسالۂ کبیر، بہ اہتمام نجیب مایل ہروی، نشر نوید، مشہد، ۱۳۶۱ھ ش/۱۹۸۲ء، ۱۶۷ص، مقدمہ میں مرتّب نے آستان قدس رضوی مشہد کے کتب خانے کے ایک نسخہ (نمبر ۱۰۲۹۱) کا ذکر کیا ہے جو بقول مرتّب بخطِ جامی ہے، کیوں کہ اس کے آخر میں یہ عبارت ہے:

''تمام شد تسوید این بیاض و ترشیح این ریاض بر دست متجرع جام تلخ کامی عبدالرحمن ابن احمد الجامی – و فقه الله – لحلّ معمیات اسمایه الحسنی والکشف عن الغاز صفاته العلی بسنة ستة و خمسین و ثمانمایة.''
(یعنی ۸۵۶ھ)

میرے خیال میں یہ ''ترقیمہ'' نہیں بلکہ ''خاتمۃ الکتاب'' ہے جہاں مصنف نے اپنی کتاب کا سالِ تکمیل تصنیف بتایا ہے۔ یہی عبارت اس رسالہ کے دیگر نسخوں کے آخر میں بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ نجیب مایل ہروی نے نسخۂ ہرات کی نشان دہی کی ہے۔ حکمت نے بھی یہی عبارت نقل کی ہے۔ غالبًا اسی عبارت کو مدّنظر رکھتے ہوئے منزوی نے بھی طاہری شہاب مقیم ساری (ایران) کے نسخے کو بخط مصنف بتایا ہے۔(۸۴)

۴۷۔ دستور معمّا، رسالۂ متوسط (فارسی۔ نثر و نظم)

یہ رسالہ **حلیۃ الحلل** سے مختصر اور **رسالۂ صغیر** سے مفصّل تر ہے، اس لیے **رسالۂ متوسط** بھی کہتے ہیں۔

کتاب میں کسی جگہ تاریخِ تألیف کی تصریح نہیں ہوئی، البتہ بعض جگہوں پر سلطان حسین [بایقرا] (۸۷۳-۹۱۱ھ) اور ابوالقاسم بابر (۸۵۱-۸۶۱ھ) کے نام کے معمّے ملتے ہیں۔

اس رسالے میں بھی معمّا کے تین ارکان تسہیلی، تحصیلی اور تکمیلی پر بحث کی گئی ہے۔

آغاز:

اے اسم تو گنج ہر طلسمی
قانع ز تو ہر کسی بہ اسمی

...معمّا کلامی است موزون کہ دلالت کند براسمی از اسماء بہ طریق رمز وایماء۔ (۸۵)

انجام:

دراسم برھان:

برد جامی رہ سوی دربان عجب رمزی شنید
کامداز فکرت درآن نام دل آرامی پدید (۸۶)

اس رسالہ کا قدیم ترین مخطوطہ کتابخانۂ ملک تہران میں موجود **کلیاتِ جامی** (نمبر ۴۷۹۵) مورّخ تقریباً ۸۹۵ھ میں صفحہ ۷۶۲ تا ۷۷۲ شامل ہے۔ (۸۷)

۴۸۔ معمّا، رسالۂ صغیر (فارسی۔نثر)

یہ رسالۂ کبیر کی تلخیص ہے اور ۲ جمادی الآخر ۸۸۵ھ کو مکمل ہوئی۔ (۸۸)

نادر مخطوطات کے لیے ملاحظہ ہو:

منزوی: **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**، ۳: ۲۱۸۴، **دستور معمّا** (۲) کے قدیم ترین مخطوطات میں سے قابلِ ذکر یہ ہیں: کتابخانۂ ملک، تہران، شمارہ ۱۸/ ۴۷۹۵ مکتوبہ تقریباً ۸۹۵ھ از ورق ۳۸۱ تا ۳۸۶ اور نسخۂ توپ قاپی سرای، استنبول، شمارہ H-672/12 مشمولہ **کلیاتِ جامی**، مکتوبہ ۸۷۷-۸۹۵ھ

۴۹۔ معما، رسالۂ اصغر، منظوم (فارسی)

جامی نے یہ مختصر رسالہ ۸۹۰ھ/ ۱۴۸۵ء میں منظوم کیا۔ لفظ ''فیض'' (=۸۹۰) مادّۂ تاریخ تصنیف ہے، جیسا کہ رسالہ کے اختتام پر لکھتے ہیں:

بنامی زد زہی درّ گرامی — کہ سفت الماس نوک کلک جامی
چو فیضِ قدس آمد جامی تو بیخ — بناشد گر کنندش ''فیض'' تاریخ (۸۹)

جامی نے اس رسالہ میں اعمال معمّا کی تین اقسام پر بحث کی ہے اور اُن کے نمونے درج کیے ہیں:

کہ اعمال معمایی سہ قسم است — کہ ہر یک گنج اسماء را طلسم است
یکی اعمال تسہیلی کہ از وی — بہ تحصیلی حروف آرد خرد پی
دویم آنہا کہ در تکمیل صورت — بود صاحب معمّا را ضرورت

سیم اعمال تحصیلی کہ دانا ز وی گردد بر آن باقی توانا[(۹۰)]

آغاز:

چو از حمد و تحیت یافتی کام
بدان ای در معمّا طالب نام[(۹۱)]

انجام:

بہ تشریف قبول ار زندہ بادا
بر ارباب کرم فرخندہ بادا[(۹۲)]

احمد منزوی نے اس رسالہ کے پندرہ مخطوطات کا ذکر کیا ہے جن میں سے قدیم ترین نسخہ توپ قاپی سرای، استنبول کے کلیاتِ جامی مکتوبہ ۸۷۷-۸۹۵ھ نمبر H-672/7 میں موجود ہے۔[(۹۳)]

اسے بشیر ہروی نے ادبی رسالہ ہرات، ۱۳۴۱ش/۱۹۶۲ء میں شایع کیا ہے۔

۵۰۔ شرح معمّیات میر حسین معمّایی (فارسی۔نثر)

میر حسین بن محمد حسینی معمایی نیشاپوری (م: ۹۰۴ھ) جامی کے ہم عصر تھے اور جامی سے متاثر ہو کر معمّا پر رسالہ دستور معمّا یا رسالہ معمّیات لکھا۔[(۹۴)] اپنے اسی رسالہ کے مقدمہ میں وہ فنِ معمّا کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چون اکثر معمّیات این مختصر از نظر کیمیا اثر حضرت حقایق پناہی مظہرِ فیضِ الٰہی کہ خردخوردہ دان تصریح نام با احترامش را خلاف ادب دانستہ بہ زبان رمز و ایما ادامی نماید۔ جامی:

ز خود بگستہ و وارستہ از غیر
بہ شہر لامکان دل بستہ از سیر

شرف التفات یافتہ بود و قایل آن بہ طریق تتبع از فیض دقایق خامہ بدایع نگار غرایب آثار آنحضرت درین فن مستفید گشتہ در بیان قواعد نیز بارادہ شرف متابعت اعمال معمایی را کہ بر چہار قسم ... کہ در بعضی از رسایل آن جامع الحقایق والفضایل ترتیب یافتہ ایراد نمود۔''[(۹۵)]

اسی رسالۂ معمیات کی شرح جامی کا ذکر سعید نفیسی اور بشیر ہروی نے کیا ہے۔ (۹۶)

اس شرح کی تاریخِ تألیف کے متعلق مندرجہ بالا عبارت سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ رسالہ معمیات حسینی، جامی کے رسایل معما کی پیروی میں لکھا گیا ہے اور رسالۂ کبیر جامی ۸۵۶ھ میں اور معمائے منظوم ۸۹۰ھ میں تألیف ہوا تھا، لہٰذا یہ ان سے بعد کی تألیف ہے۔

علومِ عقلی:

موسیقی

۵۱۔ رسالۂ موسیقی (فارسی۔نثر)

یکم رجب ۸۹۰ھ/۱۴ جولائی ۱۴۸۵ء کو تألیف کیا۔ مضامین کی ترتیب اور تفصیل اس طرح ہے:

دیباچہ
تمہید در بیان آواز،
فصل در تأثیر نغمات وایقاع آن در نفس ولذت این دو،
قسم اوّل در علم تألیف در احوال نغمات، در چند فصل،
قسم دوم در علم ایقاع در احوال ازمنہ، در چند فصل۔

آغاز:

... بعد از ترنم بہ نغمات سپاس خداوندی کہ شعبہ دانان مقامات بندگی را گوش امید بر آوازۂ نوید لطایف انعام وافضال اوست۔

انجام:

این است بیان آنچہ از اصول وفروع این فن میسر شد واللّٰہ سبحانہ ملهم الصواب ... و تیسر ذلک فی غرّۃ رجب المرجب سنه تسعین و ثمانمائه.

یہ رسالہ ا.ن. بالدرُاف کے روسی ترجمے اور بلیایوا (W.M. Beliyaeva) کی شرح کے ساتھ تاشقند سے ۱۹۶۰ء میں ۱۱۱ص + ۴۳۸b-۴۴۶a ورق میں شائع ہو چکا ہے۔ (۹۷)

فارسی متن بہ اہتمام ابوبکر ظہور الدین، بہارستان ورسائل جامی، تہران، ۲۰۰۰ء، ص ۲۲۰-۱۷۱ میں شایع ہوا ہے۔

جامی کی غیر مستقل تصانیف

یہاں جامی کی چند ایسی منظوم کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو اُن کی مثنویات یا دواوین سے انتخاب یا اقتباس کی گئی ہیں، مگر بعض کاتبوں، ناشروں اور مصنّفوں نے انھیں الگ حیثیت سے پیش کیا ہے، لیکن بنیادی طور پر وہ جامی کی مستقل تصنیف نہیں ہیں۔

۱۔ اعتقاد نامہ (فارسی۔مثنوی)

سلسلۃ الذہب، دفتر اوّل کے اختتام پر اسلامی عقاید پر طویل نظم ہے، جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

نیز دیکھیے: **محمد سخاوت میرزا**، ''عقائد جامی، اس کی شرحیں اور تراجم''، **برہان**، دہلی، جلد ۴۱، ش ۶، ۱۹۵۸ء

۲۔ پند نامہ (فارسی۔مثنوی)

مثنوی **یوسف و زلیخا** کے اختتام پر بعنوان ''در پند دادن و بند نہادن فرزند ارجمند کہ دست ادراک در فتراک اکتساب کمالات استوار دارد و پای میل در ذیل اجتناب از جہالات برقرار، وفقہ اللہ لما یحبہ و یرضاہ.'' ننانوے اشعار کی نظم ہے۔

آغاز:

تولاک اللہ ای فرزانہ فرزند
نگہدار تو باد از بد خداوند

انجام:

ہمان بہ کاندرین دیر مجازی
کند فضل خدایت کارسازی (۹۸)

۳۔ **جلاء الروح** (فارسی۔قصیدہ)

جامی نے خاقانی اور خسرو دہلوی کے قصیدہ **مرآۃ الصفا** کے جواب میں ایک سوتیس اشعار کا شینیہ قصیدہ لکھا اور **جلاء الروح** سے موسوم کیا۔ یہ قصیدہ جامی کے دیوان اوّل میں موجود ہے۔

آغاز:

معلّم کیست عشق و کنج خاموشی دبستانش
سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش

اختتام:

خدایا ریز بر جامی ز ابرِ فضل بارانی
کہ از ہر چ آن نہ بہر توست شُوید پاک دیوانش (۹۹)

۴۔ **ساقی نامہ** (فارسی۔مثنوی)

جامی کے **خردنامۂ اسکندری** کے مختلف حصّوں سے میخانہ اور اس کے لوازمات سے متعلق اشعار یکجا کیے گئے ہیں۔ ملاّ عبدالنبی فخر الزمانی قزوینی نے **تذکرۂ میخانہ** میں انھیں بعنوان ''ساقی نامہ'' پیش کرتے ہوئے لکھا ہے (ترجمہ):

''مولوی (جامی) سے کوئی مستقل ساقی نامہ تو نظر سے نہیں گذرا لیکن میں نے اُن کے **سکندر نامہ** سے وہ اشعار جو ساقی نامہ سے مناسبت رکھتے تھے، لکھ کر مرتّب کردیے۔'' (۱۰۰)

اس کے بعد ایک سو اُنتیس اشعار پر مبنی **ساقی نامہ** درج کیا ہے۔

آغاز:

دلا دیدۂ دوربین بر گشای
درین دیر دیرینۂ دیر پای

انجام:

کہ تا پنبہ از گوش دل برکشیم
ہمہ گوش گردیم و دم درکشیم (۱۰۱)

۵۔ **لجۃ الاسرار** (فارسی۔قصیدہ)

امیر خسرو دہلوی کے قصیدہ کے جواب میں، سو اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ ۸۸۰ھ (=فرخ)/ ۷۶-۱۴۷۵ء میں منظوم ہوا جو اُن کے دیوان اوّل کا حصہ ہے۔

آغاز:

کنگر ایوان شہ کز کاخ کیوان برتر است
رخنہ ہا دان کش بہ دیوار حصار دین دراست

انجام:

سال تاریخش اگر "فرّخ" نویسم دُور نیست
زانکہ سال از دولت تاریخ او فرخ فراست (۱۰۲)

جامی سے منسوب کتب

(بہ ترتیبِ الفبائی)

۱۔ ابیات وعبارات عربیہ وفارسیہ استعملھا نورالدین الجامی فی رسائلہ ومنشآتہ

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ کتاب جامی کی اُن عربی اور فارسی ابیات وعبارات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنے رسائل اور منشآت میں استعمال کی ہیں۔

آغاز:

بقیت بقاء لایزال فانما.

اس رسالہ کا واحد نسخہ دارالکتب قاہرہ کے مجامیع ترکی طلعت میں بذیل شمارہ ۴۹-۹ موجود ہے۔ مذکورہ نسخہ بلا تاریخ ہے۔ اس رسالہ کا متن مجموعہ میں ورق ۳۰۷ا پر درج ہے اور ناقص الآخر ہے۔(۱۰۳)

۲۔ ارشادیہ

مولانا جامی نے یہ رسالہ عثمانی سلطان محمد فاتح (۸۵۵-۸۸۶ھ) کے لیے تألیف کیا۔ نام اور کیفیت تألیف سے اس رسالہ کا موضوع، تصوّف ونصائح معلوم ہوتا ہے۔ افصح زاد نے اس کے بارے میں اپنی رائے محفوظ رکھی ہے۔(۱۰۴) نفیسی(۱۰۵) اور بشیر ہروی(۱۰۶) نے اس کا نام درج کیا ہے۔

۳۔ رسالۃ فی اسرار علم التصوّف (فارسی)

یہ رسالہ (جس کا مستقل نام کچھ اور ہونا چاہیے) ایک مقدمہ اور تین اصل پر مشتمل ہے۔

اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ بایزید ولی الدین (استنبول) کے مجموعۂ مخطوطات شمارہ ۱۸۲۵ میں ورق ۳۲۵ تا ۳۳۵ موجود ہے۔ یہ رسالہ بخط نسخ بقلم صائن الدین خجندی، ۸۵۱ھ میں بمقام ابرقوہ لکھا گیا۔(۱۰۷)

۴۔ **تحقیقات** (فارسی۔نثر)

یہ رسالہ علم توحید پر لکھا گیا ہے۔

آغاز:

الحمدللّٰہ الذی خلق الانبیاء علی صورتہ لخلافتہ... یا اخی ایدک اللّٰہ بروح القدس، اعلم ان للتوحید لجۃ وساحلاً.

دارالکتب قاہرہ، ۱۸ مجامیع فارسی طلعت میں اس کا ایک مخطوطہ بقلم حسین آبدال نعمت اللّٰہی، مورّخ رمضان ۹۶۶ھ ایک مجموعہ میں ورق ۴۷ تا ۵۴ موجود ہے۔ مذکورہ مخطوطہ کے حاشیے پر اس کا نام توحید حرفی۔تحقیقاتِ جامی درج ہوا ہے۔ [(۱۰۸)]

۵۔ **ترجمہ (یا شرح) قصیدۂ بردہ** (فارسی)

اگرچہ تصانیف جامی کی ابتدائی فہرست (مندرج در تحفۂ سامی اور تکملۂ لاری) میں اس ترجمہ اور شرح کا نام نہیں ملتا، لیکن کاتبوں نے شروح قصیدۂ بردہ کے اکثر نسخوں کو جامی سے منسوب کیا ہے۔ جب بعض نسخوں کا مطالعہ کیا گیا تو بڑا واضح تضاد سامنے آیا۔ مثلاً قومی عجائب گھر پاکستان، کراچی میں قصیدۂ بردہ کے منظوم ترجمہ کے جو نسخے جامی سے منسوب ہوئے ہیں [(۱۰۹)] وہ دراصل محمد حافظ شرف (ترجمہ شدہ ۸۱۰ھ) کا ترجمہ ہے، جس کا آغاز مندرجہ ذیل شعر سے ہوتا ہے:

اے ز یاد صحبت یارانت اندر ذی سلم
اشک چشم آمیختی با خون روان گشتہ بہم [(۱۱۰)]

اسی طرح شرح قصیدۂ بردہ، نسخہ ۵۹۰ کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد کے کاتب نے ترقیمہ میں اسے جامی سے نسبت دی ہے۔ حالانکہ وہ غضنفر بن جعفر حسینی کی شرح ہے، جس کا آغاز مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتا ہے:

''موزون ترین کلامی کی ارکان بیت المعمور قصیدۂ سخنوری از وسالم است۔'' [(۱۱۱)]

تاہم ایک نامعلوم شرح قصیدۂ بردہ، کتب خانۂ گنج بخش، اسلام آباد (نمبر ۲۴۱۳) میں شعر:

فما تطاول امال المدیح الی
ما فیہ من کرم الاخلاق و الیم

کی تشریح کرتے ہوئے شارح نے یہ فارسی شعر لکھا ہے:

صفات حسن تو گفتن نہ حدّ جامی و بیدل
بہر کجا کہ رسد فہم ما تو برتر ازانی (۱۱۲)

اس شرح کا آغاز مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتا ہے:

''امن تذکر... اللغۃ التذکر یاد کردن، الجار ہمسایہ، الجیران جماعۃ۔'' (۱۱۳)

شارح پہلے عربی الفاظ کا فارسی ترجمہ لکھ کر پھر ''معانی'' کے عنوان سے مجموعی معانی بیان کرتا ہے اور عربی الفاظ کے اعراب بتاتا ہے۔

شارح نے شرح کا انتساب ''معین الدنیا والدین خان خانان بہادر سپہسالار غازی'' کے نام کیا ہے اور مقدمہ میں یوں رقمطراز ہے:

''اگر چہ این فقیر کثیر التقصیر را مجال آن نبود کہ درین باب جرأت نمودہ برین قصیدۂ متبرکہ چیزی نویسد، لیکن بنا بر تبعیت سلف و فرمودۂ حضرت مخدومی ملا فالا نامی خجستہ فرجامی نور الدین مولانا عبد الرحمٰن الجامی قدس سرہ السامی...

دادیم نشان ز گنج مقصود ترا
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی'' (۱۱۴)

سوویت یونین سائنسز اکیڈمی، لینن گراڈ، میں شرح قصیدۂ بردہ از جامی کے پانچ مخطوطات موجود ہیں لیکن ان کے متن کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں ہیں۔ (۱۱۵)

جامی سے منسوب یہ ترجمہ بعنوان قصیدۂ مبارکۂ بردہ با ترجمہ و تفسیر محمد شیخ الاسلام، تہران سے ۱۳۶۱ش میں چھپ چکا ہے۔

۶۔ تفسیر پارۂ عم

تیسویں پارہ کی سورۂ نباء (۷۸) تا سورۂ الم نشرح (۹۴) کی تفسیر ہے۔ اس تفسیر کا ایک قلمی نسخہ کتب خانۂ سلیمانیہ، استنبول (شمارہ ۴۹) میں موجود ہے، جس پر تاریخِ کتابت درج نہیں ہے۔ (۱۱۶)

۷۔ تفسیر سورۂ یٰسین (فارسی۔ نثر)

تیئسویں پارہ کی چھتیسویں سورہ کی تفسیر ہے۔ ۸۹۷ھ سے پہلے کی تالیف ہے۔

آغاز:

مفسران خطاب رحمانی۔

اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ آستان قدس رضوی، مشہد میں پایا جاتا ہے، جس کی تاریخِ کتابت ۸۹۷ھ ہے۔ اس پر کوئی دیباچہ نہیں ہے اور سرورق پر اسے ''نورالدین عبدالرحمٰن شیرازی [کذا] معروف بہ جامیؔ'' سے منسوب کیا گیا ہے۔ (۱۱۷)

۸۔ تفسیر قرآن (عربی۔نثر)

یہ تفسیر ابتدائے قرآن سے سورۂ بنی اسرائیل کے اواسط تک ہے۔ اس تفسیر کا ایک نسخہ بخط نسخ، کتب خانہ اسعد افندی، ایا صوفیا، استنبول میں موجود ہے۔ (۱۱۸)

۹۔ رسالۃ التوحید (عربی۔نثر)

آغاز:

افضل ماجری علی اللسان حمداً و شکراً ذکر لا الله الا اللّٰہ.

رسالۂ مذکورہ کا ایک نسخہ دارالکتب، قاہرہ (شمارہ ۳۴۸۹ ج) میں بخط موسیٰ بن محمد، مکتوبہ ۱۰۰۵ھ، در مجموعہ از ص ۲۱ تا ۲۳ موجود ہے۔ (۱۱۹)

۱۰۔ حیرت الصرف (فارسی)

عربی صرف کے مشکل صیغوں کے حل پر مبنی ہے۔

آغاز:

بدان کہ این نسخہ در بیان حل صیغہ ہاست از لفظ دُرر بار حضرت... جامی: اشتروتن، فعل ماضی مجہول دراصل اشتورتن بودہ کسر براو۔

اس کتاب کے قلمی نسخے مدرسۂ علوم المرتضیٰ، بھلوال، ضلع سرگودھا (پاکستان) اور کتب خانۂ نصیر احمد، ساکن ضلع گوجرانوالہ (پاکستان) میں موجود ہیں۔ پہلا نسخہ ۲۳ صفحات اور دوسرا ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ دونوں تیرھویں صدی ہجری میں لکھے گئے۔ (۱۲۰)

۱۱۔ خلاصۂ انیس الطالبین وعدّۃ السالکین

انیس الطالبین، صلاح بن مبارک بخاری (م: ۷۹۳ھ) کی تصنیف ہے جس میں انھوں نے اپنے شیخ طریقت، خواجہ بہاء الدین نقشبند کے حالات، ملفوظات اور کرامات درج کی ہیں۔

اس کی ایک تلخیص کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ (نمبر ۱۳۷۷) میں ہے جس کے ترقیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تلخیص مولانا جامی نے جمادی الاوّل ۸۵۶ھ میں لکھی تھی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس نسخے کے کاتب مولانا جامی ہیں۔ لیکن اس نسخہ کے مرتب محمد ذاکر حسین اس تلخیص کو جامی کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ یہ **خلاصۂ انیس الطالبین** کے نام سے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ سے شایع ہوئی (۱۹۹۶ء، ۱۲۴ صفحات)۔ نسخے کے ترقیمہ کی عبارت یہ ہے:

"تمّ بعون اللّٰہ تعالٰی فی شهر جمادی الاولی سنة ست و خمسین و ثمانمایه علی یدالفقیر عبدالرحمان الجامی تاب اللّٰه علیه."

۱۲۔ دیوان رسایل

سعید نفیسی [۱۲۱] اور بشیر ہروی [۱۲۲] نے اس کا نام **دیوان رسایل** ہی درج کیا ہے۔

۱۳۔ رسالۂ عرفانی-۱ (فارسی)

ایک شخص نے حضرت رسول اکرمؐ سے دریافت کیا کہ آپ کی اُس شخص کے بارے میں کیا راے ہے جو ایک گروہ سے محبت تو رکھتا ہے مگر اُس میں شامل نہیں ہوتا؟ آپؐ نے فرمایا: اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ شخص مسلمان ہوگیا۔ مسلمانی تو تسلیم ہونا ہے (صحیحین)۔

یہ رسالہ اسی حدیث کی تشریح اور توضیح میں ہے۔ مصنف نے جابجا فارسی اشعار بھی استعمال کیے ہیں۔ اور ماوراء النہر کے مشائخ کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔

آغاز:

ابن مسعود رضی الله عنه قال: جا رجل الی رسول اللّٰهؐ، قال: یا رسول اللّٰه کیف تری فی رجل احب قوما و لایلحق بهم ...از انفاس قدسیہ مشایخ طریقت است- قدس اللہ اسرارہم- کار دیدار دل دارد نہ گفتار۔ [۱۲۳]

انجام:

چون ترا آن چشم باطن نبود [کذا]
گنج می پندار اندر ہر وجود [۱۲۴]

طرازی نے دارالکتب قاہرہ میں اس رسالہ کے دو مخطوطات کا ذکر کیا ہے۔ [۱۲۵] کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد میں بھی اس کا مخطوطہ (نمبر ۳۹۳) موجود ہے۔ [۱۲۶]

۱۴۔ رسالۂ عرفانی-۲ (فارسی)

کتابخانۂ امیر المؤمنین، نجف (عراق) میں رسالۂ عرفانی از جامی (نمبر ۱۴۸۲)، مورّخ ۸۸۱ھ موجود ہے۔ (۱۲۷) مزید تفصیلات معلوم نہیں ہو سکی ہیں۔

۱۵۔ رسالۂ منظومہ

سعید نفیسی اور بشیر ہروی نے رسالۂ منظومہ عنوان ہی سے اس رسالہ کا ذکر کیا ہے۔ (۱۲۸) ہاشم رضی کا خیال ہے کہ یہ اعتقاد نامہ ہو سکتا ہے جو سلسلۃ الذہب کے اختتام پر ہے۔ (۱۲۹) ولیم چِٹک اسے رسالۂ معمّا (رسالۂ اصغر) خیال کرتے ہیں۔ (۱۳۰)

۱۶۔ زبدۃ الصنایع (فارسی)

اس کتاب کا ایک مخطوطہ کتب خانۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ میں ہے۔ (۱۳۱)

۱۷۔ سبحۃ فی النصائح والحکم

سلطان حسین بایقرا (۸۷۳-۹۱۱ھ) کے لیے تألیف ہوا۔ (۱۳۲) جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ پند و نصائح پر مشتمل ہے۔ افصح زادا سے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ (۱۳۳)

۱۸۔ شرایطِ ذکر

سعید نفیسی اور بشیر ہروی نے اس رسالہ کا نام لکھا ہے۔ (۱۳۴)

جامی نے اپنے رسالہ سررشتۂ طریقۂ خواجگان میں ذکر کی جو شرائط لکھی ہیں وہ اس قدر مختصر ہیں کہ انھیں الگ رسالہ کی صورت میں پیش نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا زیر بحث متن کوئی مستقل رسالہ ہو گا۔

اینتھے نے رسالہ سررشتۂ طریقۂ خواجگان ہی کا دوسرا نام رسالہ در شرائط ذکر اور رسالہ در مراقبہ و ابواب ذکر لکھا ہے۔ (۱۳۵) افصح زاد کا خیال ہے کہ رسالۂ سررشتہ اور شرایط ذکر ایک ہی رسالہ ہے۔ (۱۳۶)

۱۹۔ شرح اصطلاحات شعراء یا کنایات الشعراء (فارسی۔نثر)

ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے ذخیرۂ شیرانی، دانشگاہ پنجاب، لاہور میں ایک مجموعۂ رسایل (شمارہ نسخہ ۱/ ۲۳۴۱/ ۵۶۶۱) کے ایک نسخے کو کنایات شعراء از جامی بتایا ہے، (۱۳۷) میں نے مذکورہ مجموعۂ رسائل دیکھا ہے جس میں اوّلین رسالہ (ص ۱-۱۶) کو کنایات الشعراء بتایا گیا ہے۔

اندرونی طور پر مجھے ایسی کوئی شہادت نہیں ملی جس کی بنا پر اُسے جامی کا رسالہ تسلیم کیا جائے بلکہ اس کے اختتام (ص ۱۶) پر کاتب نے یہ الفاظ درج کیے ہیں:

"فافہم فانہا من الکنایات من کتاب تحفۃ المسلمین در علم عقائد مؤمنین۔"

جامی کی فہرست تصانیف میں تحفۃ المسلمین نامی کسی کتاب کا ذکر نہیں ملتا۔ ہمارے خیال میں جامی کی طرف انتساب کا سبب اس مجموعۂ رسایل میں دوسرے رسالہ (ص ۱۶-۲۵) کا ترقیمہ ہے، جس میں کاتب لکھتا ہے:

"تمام شد رسالۂ ثانی مولوی عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی۔"

چونکہ دونوں رسائل ایک ہی کاتب نے ایک ہی خط میں لکھے ہیں، اس لیے مذکورہ ترقیمہ سے یہ گمان گذرتا ہے کہ پہلا رسالہ بھی جامی کا ہے۔

اس رسالہ میں شعراء کے ہاں مستعمل بعض اصطلاحات کی حروفِ تہجی کے اعتبار سے مختصر شرح کی گئی ہے (مثلاً اشتیاق، ابرو، آستانہ، امیری، آشیانہ، استوی، آبرو، اوباش، ایمان... نمامی)

آغاز:

"**الحمد لله رب العالمین و الصلوٰۃ و السّلام علی رسوله محمد و آله و اصحابه اجمعین** - بدان کہ شعرای ماضی - **رحمهم الله علیهم اجمعین** - در شعر، پردہ نہادہ اند و در پردہ، داد سخن دادہ اند کہ ہیچ نامحرم، محرم نگردد و ہیچ محرم، بی بہرہ نشود۔ اگر طالبی خواہد کہ شعر بخواند، اوّل معانی الفاظ ایشان را بیاموزد کہ چگونہ در پردہ سخن گفتہ اند۔ بعدہ شعر بخواند تا فائدہ حاصل آید و گرنہ ہیچ فائدہ نباشد، بلک خلل دیگر پیدا شود۔ الغرض بہ ہزار دشواری از پی صورتی شدہ بہ معنی می رسند و اگر پی صورتی بہ معنی خیال کنند می میرند و می ترسند، بدین سبب ایشان زلف و خال در قال آوردہ اند و مژگان و ابرو را در بیان گفتار خویش بہ جمال و جلال دال بدین وسیلہ از صورت راہ بہ معنی دادہ اند و فصیحان پا بہ راہ انصاف نہادہ آنچہ نصیب ایشان بود، بدان رسیدند و اکثر سفیہان و قبیحان آن را نفہمیدند، جان خود را بہ دست خویش کشتند و بر ظاہر معنی عمل نمودند و خیال پردہ فرو گذاشتند و روان خود بی پردہ فرسودند۔"

۲۰۔ شرح اصطلاحات صوفیہ-۱ (فارسی۔نثر)

صوفیہ کے ہاں مروّج اصطلاحوں کی شرح ہے۔

آغاز:

الحمدللہ......، امّا بعد این چند کلمہ ای است در اصلاحات صوفیان تا ہر کہ در آن شروع کند، بہرہ مند شود و بمعنی ظاہری از راہ نرود۔ اوّل بدان کہ میخانہ و خمخانہ و شرابخانہ باطن عارف را گویند کہ در او معارف۔

طرازی نے اس ذکر کیا ہے۔ (۱۳۸) منزوی نے نیشنل ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی کے ایک مخطوطہ بخط نستعلیق خوش، بقلم درویش مصطفیٰ المولوی بلغرادی مکتوبہ ۹۸۹ھ، ۱۶ صفحات، کا ذکر کیا ہے۔ (۱۳۹)

۲۱۔ شرح اصطلاحاتِ صوفیہ-۲ (فارسی۔نثر)

ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے ذخیرۂ شیرانی، دانشگاہِ پنجاب، لاہور کے نسخہ ۲/ ۲۳۴۱/ ۵۶۶۱ کا بعنوان **نکاتِ تصوّف** مؤلفہ مولانا جامی ذکر کیا ہے۔ (۱۴۰) ہم نے مذکورہ نسخہ دیکھا ہے۔ جامی کی طرف انتساب کی وجہ اس کا یہ ترقیمہ ہے:

''تمام شد رسالۂ ثانی (۱۴۱) مولوی عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی۔''

اس رسالہ میں زلف، خال، رو، عارض، رخسار، قد، رُخ، چشم، ابرو، ناز، کرشمہ، ساقی، شراب، دیر، کلیسا، بُت، خرابات، خرابی، کفر، زنار، ناقوس، ناموس، نام، قلندری، نماز و روزہ، کعبہ اور کنش وغیرہ کی صوفیانہ تشریح و توجیہ کی گئی ہے۔ نسخہ کا آغاز بغیر کسی تحمید و تمہید سے یوں ہوا ہے:

آغاز:

زلف در حقیقت راہی است دراز و باریک سودا انگیز و پیچان و ابرو تاریک۔

یہ رسالہ کسی ہندی الاصل مصنف کی تصنیف ہے، جیسا کہ اصطلاح ''خال'' کی تشریح میں اس کا ہندی مترادف بھی بتایا گیا ہے۔

۲۲۔ شرح دعاءالقنوت (عربی)

آغاز:

القنوت طاعۃ...

اس شرح کا ایک مخطوطہ بقلم موسیٰ بن محمد، مورّخ ۱۰۰۵ھ، دارالکتب، قاہرہ (مجموعہ نمبر ۳۴۸۹) ورق ۲۴ تا ۲۶ موجود ہے۔ [۱۴۲] افصح زاد نے اس انتساب پر شک ظاہر کیا ہے۔ [۱۴۳]

۲۳۔ شرح دیوان خاقانی (فارسی)

خاقانی شروانی (م: ۵۹۵ھ) کے دیوان کی اس شرح منسوب بہ جامی کا مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد دکن (شمارہ ۹۳ دواوین) میں ہے۔ [۱۴۴] افصح زاد اس انتساب کو مشکوک سمجھتے ہیں۔ [۱۴۵]

۲۴۔ شرح الرسالۃ الوضعیۃ (عربی)

علم منطق پر عضد الدین عبدالرحمٰن ایجی (م: ۷۵۶ھ/ ۱۳۵۵ء) کے عربی رسالہ **العضدیۃ فی الوضع** (وضعیہ) کی اس شرح کا ذکر سعید نفیسی [۱۴۶] اور بشیر ہروی [۱۴۷] نے کیا ہے۔ کیا الفاظ خدا نے وضع کیے ہیں یا انسان نے، جو گفتگو کرتا ہے؟ اسی رسالہ میں اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے۔

آغاز:

هذه المشار اليهٔ اما تلک العبارات المخصوصة.

مخطوطات:

۱۔ دارالکتب قاہرہ (نمبر ۱۴۴۱ ۳ ج) از ورق ۲ تا ۷۶۔ [۱۴۸]

۲۔ ELMALI HALK، ترکی، نمبر 2989، مکتوبہ ۱۰۸۷ھ، ورق ۵۲ تا ۶۰

۲۵۔ شرح گلشن راز

محمود شبستری (م: ۷۲۰ھ) کی مثنوی **گلشن راز** پر جامی کی شرح کا ذکر بشیر ہروی نے کیا ہے۔ [۱۴۹] مگر سعید نفیسی کو جامی سے اس انتساب کی صحت میں شک ہے۔ [۱۵۰] افصح زاد نے تو صاف لکھا ہے کہ تذکرۂ **خلاصۃ الاشعار و زبدۃ الافکار** میں درج ایک روایت کی رُو سے جامی نے **گلشن راز** کی شرح لکھنے کی نیت ضرور کی تھی لیکن اسیری لاہیجی (م: ۸۸۶ھ) کی شرح **مفاتیح الاعجاز** دیکھ کر اسے کافی جان کر یہ نیّت ترک کر دی۔ [۱۵۱]

۲۶۔ شرح مخزن الاسرار

نظامی گنجوی (م: ۶۱۹ یا ۶۱۴ھ) کی مثنوی **مخزن الاسرار** پر جامی کی اس شرح کا نام سعید نفیسی [۱۵۲] اور بشیر ہروی نے لیا ہے۔ [۱۵۳]

۲۷۔ شق القمر (فارسی)

شاید جامی کی تصنیف ہے۔ مسئلہ شق القمر کے حل پر مندرجہ ذیل سات طبقات کے نظریات جمع کیے ہیں:

۱۔ اہل ظاہر مقلّد، محدّث، حافظ
۲۔ اہلِ ظاہر حکیم اسلام، متکلم
۳۔ متأخر حکمائے ظاہر
۴۔ حکمائے قدیم
۵۔ صوفی محقق
۶۔ قرآنی حروف کے رموز خوان
۷۔ اولوالایدی والابصار

اس رسالہ میں ایک جگہ یہ شعر موجود ہے:

اگر جامی بہ دست آری زخم جامی بری پُر مَی
وگر پیمانہ ای داری بہ تو پیمانہ پیماید

آغاز:

الحمد لولیه و الصلوٰة علی نبیه۔ روزی از روزہا کہ بہ یاری دولت اقبال وہمراہی ایشان بہ حکم فرمودۂ ''قل سیروا فی الارض'' عصای سیاحت بہ دست قبول گرفتہ، گرد سراپای عالم کون می گشت و بہ دیدۂ اعتبار در ہر بازار می نگریست و حاصل مطالعۂ ہر طائفہ بر محک عیار می زد۔ یک ناگاہ گذر بر مدارس علوم رسوم کہ میدان تسابق وتجارب فہوم است، افتاد۔ دید کہ در بحث شق قمر وتحقیق بیان آن بساط مناظرہ گسترانیدہ۔

انجام:

طبقۂ ہفتم مرتبۂ اولوالایدی والابصار است کہ خادمان خاص حضرت ختمی و وارثان کمال ارجمند اویند... وتحقیق این آنست۔

دانش پژوہ نے اسے بصراحت جامی کی تصنیف بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ قول باری تعالیٰ ''اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ'' (سورۃ القمر:۱) کے رموز کی تشریح پر مبنی ہے۔ (۱۵۴)

مخطوطات:

- کتابخانۂ مرکزی، دانشگاہ تہران، مجموعہ رسائل (نمبر ۴۷۷۸) صفحہ ۱ تا ۲۰۔ (۱۵۵)

- کتب خانہ بایزید ولی الدین، استنبول، مجموعۂ رسایل (شمارہ ۱۸۲۵) ورق ۳۱۵ تا ۳۲۴؛

جامی کا یہ رسالہ، مجموعہ کے باقی رسایل کی طرح بخط نسخ، بقلم صائن الدین خجندی مکتوبہ ۱۸ جمادی الاوّل ۸۵۱ کو بمقام ابرقوہ کتابت ہوا۔

۲۸۔ صد کلمۂ حضرت علی با ترجمۂ فارسی

سعید نفیسی [۱۵۶] اور بشیر ہروی [۱۵۷] نے جامی کے اس ترجمہ کا ذکر کیا ہے۔

ادارۂ علی کالج، وزیر آباد (بھارت) نے ۱۳۵۵ھ میں دسویں صدی ہجری کے خوشنویس شیخ نظام کے لکھے ہوئے جس نسخہ کا عکس بعنوان **"آیات جلی یعنی حضرت علی علیہ السّلام کے زرّین اقوال مع ترجمہ حضرت مولوی جامی"** شائع کیا ہے اور جس کا آغاز اس کلمہ اور ترجمہ سے ہوتا ہے:

قال امیر المؤمنین: علی **لو کشف الغطاء ما ازدت یقینا**

حال خلد و جحیم دانستم ‌ ‌ به یقین آنچنان که می باید
گر حجاب از میانه بردارند ‌ ‌ از یقین ذرّه (ای) نیفزاید

وہ دراصل رشید الدین محمد وطواط بلخی (۴۸۰ یا ۴۸۷-۵۷۳ یا ۵۷۸ھ) کا **منثور و منظوم ترجمہ مطلوب کل طالب من کلام علی بن ابی طالب** ہے۔ تاہم بعض مخطوطات میں کاتبوں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے نثری ترجمہ حذف کر کے صرف منظوم ترجمہ درج کیا ہے۔ وطواط کی اس کتاب کو فلایشر نے جرمنی زبان میں ترجمہ کر کے ۱۹۳۷ء میں شائع کیا۔ تہران سے بھی یہ فارسی ترجمہ ۱۳۴۲ش میں باہتمام جلال محدث ارموی چھپ چکا ہے۔

دفتر کتب خانۂ اسعد افندی ایا صوفیا، استنبول میں جامی کے ایک رسالہ **ترجمۃ المنتخب من نثر اللآلی فی کلام امام علی کرم اللہ وجہہ** کا اندراج ہوا ہے۔ [۱۵۸] یہ ایک ہی نوعیت کے تراجم معلوم ہوتے ہیں۔

۲۹۔ رسالۂ عروہ

سعید نفیسی [۱۵۹] اور بشیر ہروی [۱۶۰] نے اس رسالے کا نام لکھا ہے۔ افصح زاد کا خیال ہے کہ رسالۂ عروہ، رسالہ مناسک حج وعمرہ کی تصحیف ہو سکتی ہے۔ [۱۶۱]

۳۰۔ من الفتوحات المکیہ فی صفۃ الرافضیہ (بظاہر عربی۔ نثر)

کتب خانۂ اسعد افندی، ایا صوفیا، استنبول میں اس رسالہ کا ایک نسخہ موجود ہے۔ عدد عمومی ۱۶۹۱ کے تحت مذکور ۱۶ رسائل کے مجموعے میں یہ آٹھواں رسالہ ہے۔ اس مجموعہ میں جامی کے چھ

دوسرے رسائل بھی ہیں۔ (۱۶۲)

رسالہ کے نام سے یہ گمان بھی ہوتا ہے کہ **فتوحات المکیہ** سے رافضیت کی تشریح کا استخراج کیا گیا ہے۔

۳۱۔ رسالہ قطبیہ (فارسی)

آغاز:

الحمدللہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسّلام علی محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین...امّا بعد بر خاطر وقاد طبع نقاد پوشیدہ نماند کہ۔

طرازی نے اس رسالہ کے مخطوطہ مخزونہ دارالکتب، قاہرہ، بلا تاریخ، ۸ ورق (نمبر ۲۴ تاریخ فارسی) کا ذکر کیا ہے۔ (۱۶۳) افصح زاد نے اس انتساب کو شبہہ آمیز کہا ہے۔ (۱۶۴)

۳۲۔ قلندر نامہ (فارسی)

اس مثنوی کا ایک مخطوطہ کتب خانۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ میں موجود **کلیاتِ جامی** (نمبر ۵۹) مکتوبہ ۹۱۷ھ میں شامل ہے۔ (۱۶۵)

۳۳۔ کلمتی الشہادۃ

سعید نفیسی (۱۶۶) اور بشیر ہروی (۱۶۷) نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۳۴۔ گل ونوروز

اس رسالہ کا نام بھی سعید نفیسی (۱۶۸) اور بشیر ہروی (۱۶۹) نے درج کیا ہے۔

۳۵۔ مثنوی عشقی (فارسی)

آغاز:

ای بہ درماندگی پناہ ہمہ
کرمِ تست عذر خواہ ہمہ

دارالکتب قاہرہ میں اس مثنوی کے دو مخطوطات موجود ہیں۔

۱۔ نمبر ۱۰۴، بخط نستعلیق خوش، بلا تاریخ، ۱۱۰ص۔ نسخہ میں جامی سے نسبت کی صراحت موجود ہے۔

۲۔ نمبر ۹۔ بلا تاریخ، مجموعہ میں از ورق ۱ تا ۱۶، نسخہ میں شاعر کے نام کی وضاحت نہیں

ہوئی۔ (۱۷۰)

لیکن یہی مطلع جو اوپر درج ہوا ہے، امیر خسرو دہلوی کے دیوان بقیہ نقیہ کا مطلع بھی بتایا گیا ہے۔ (۱۷۱)

۳۶۔ مختصر الفقہ (فارسی)

فقہ پر اس منظوم رسالہ کا مخطوطہ کتب خانہ اسلامیہ کالج، پشاور (شمارہ ۵۵) میں موجود ہے۔ (۱۷۲)

۳۷۔ رسالۂ مراتب ستّہ (فارسی)

یہ رسالہ مندرجہ ذیل چھ مراتب کی مختصر تشریح پر مبنی ہے:

۱۔ مرتبۂ غیب مسمی بہ تعیّن اوّل، یعنی تعقل حق،

۲۔ غیب ثانی مسمی بہ تعیّن ثانی یعنی تحقق اشیاء،

۳۔ مرتبۂ ارواح، یعنی ظہور اشیاے کونیہ،

۴۔ مرتبۂ مثال، یعنی وجود اشیاے کونیۂ لطیفہ،

۵۔ مرتبۂ اجساد، یعنی مرتبۂ وجود اشیاے کونیۂ مرکبۂ کثیفہ،

۶۔ مرتبہ جامع جمیع مراتب یعنی حقیقت انسان۔

جس صورت میں یہ رسالہ ہمیں دستیاب ہوا ہے، (۱۷۳) اس کے مطابق اس کا آغاز و انجام یوں ہے:

آغاز:

هو الموجود لا غيره و المرئی مظهره. ما فی الوجود الّا عين واحده هی عين الحقيقة الحق و وجوده هو الموجود المشهود.

انجام:

(غزل، جس کے آخری دو اشعار یہ ہیں):

بادہ نہان و جام نہان و آمدہ پدید   در جام عکس بادہ و در بادہ رنگ جام

جامی معاد و مبدأ ما وحدت است و بس   ما در میانہ کثرت موہوم، والسّلام (۱۷۴)

جامی نے اسی موضوع پر نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص کے مقدمہ اور ابتدائی سات

فصول میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور وہاں مندرج اکثر عبارات و جملات بجنسہٖ زیرِ نظر رسالہ میں ملتے ہیں۔ مثلاً **نقد النصوص** کے مقدمہ میں فصل سوم کے وصل آخر کا یہ حصہ ملاحظہ ہو:

''اگر وجود حق را سبحانہ وتعالیٰ مراتب اعتبار کنی...در جام عکس بادہ و در بادہ رنگ و جام۔''

یہی بند بعینہٖ رسالۂ مراتب ستہ کا اختتامیہ بھی ہے۔

رسالہ میں تحمید و تمہید نہ ہونے کے باعث ہم اسے جامی کی باقاعدہ تصنیف قرار نہیں دے سکتے۔[۱۷۵] بلکہ **نقد النصوص** کے مقدموں میں تصرّف کر کے تلخیص تیار کی گئی ہے۔

۳۸۔ ملفوظات جامی (فارسی)

آغاز:

من طلب البر من الباری فھو مشترک الباری... عشق روی برنتابد قبلہ گاہ وی ذات معشوق است۔ (یہی عبارت جامی کے رسالۂ تہلیلیہ کا آغاز بھی ہے۔)

مذکورہ ملفوظات کا مخطوطہ دار الکتب، قاہرہ (مصر) کے ایک مجموعہ مورّخ ۱۲۳۵ھ میں صفحہ ۳۰۶ تا ۳۰۹ (شمارہ ۲۷ مجامیع فارسی طلعت) موجود ہے۔[۱۷۶]

ملفوظات جامی کا ایک اور مجموعہ، جو اُن کے کسی خاص مرید نے جمع کیا تھا، اسلامیہ کالج پشاور (شمارہ ۱۰۴۷) میں رسالۂ قدسیہ (مکتوبہ ۱۱۸۰ھ) کے آخر میں موجود ہے۔[۱۷۷]

۳۹۔ مناقب مولوی

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ مولانا جلال الدین محمد رومی مشہور بہ مولوی (م: ۶۷۲ھ) کے مناقب پر ہے۔

سعید نفیسی[۱۷۸] اور بشیر ہروی[۱۷۹] نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۴۰۔ منتخب چہار عنوان کیمیاے سعادت (فارسی)

شمس بریلوی (۱۹۱۹-۱۹۹۷ء) اس رسالہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''**کیمیاے سعادت** کا عنوان اوّل شناختن نفس خویش، عنوان دوم شناختن حق تعالیٰ، عنوان سوم معرفت دنیا اور عنوان چہارم معرفت آخرت ہے۔ یہ چاروں عنوانات عنوان مسلمانی کے ذیل میں ہیں۔ اصل متن میں یہ چاروں عنوانات

تقریباً ایک سو صفحات پر محتوی اور مشتمل ہیں۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے ان کی تلخیص ۲۰ صفحات میں پیش کی ہے۔ (۱۸۰)

حضرت جامی نے اس تلخیص پر کوئی مقدمہ نہیں لکھا ہے۔ اصل کتاب کے مطالب کو آغاز ہی سے مختصر کرنا شروع کر دیا۔ بعض جملے اصل مصنف کے بعینہٖ نقل کر دیے ہیں۔ طرزِ بیان امام غزالی قدس سرہٗ کی طرح نہایت سادہ اور بے تکلف ہے، جس طرح امام غزالی قدس سرہ نے اپنی نثر کو اشعار کی آمیزش سے عاری رکھا ہے، اسی طرح تلخیص میں بھی اشعار مفقود ہیں، جس کا سبب یہ ہے کہ حضرت جامی اشعار پیش کر کے اس کی ضخامت کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ دوسرے ان کو حضرت امام غزالی کے طرزِ بیان و اسلوب کی پابندی کا بھی خیال تھا، ورنہ ان کی بہت کم نثری تصانیف ایسی ہیں جن میں حسنِ کلام یا زورِ بیان کے لیے اشعار پیش نہیں کیے ہوں۔

میرے خیال میں حضرت جامی قدس سرہ کیمیائے سعادت کی مکمل تلخیص کرنا چاہتے تھے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور ان کو اس کا موقع میسر نہ آ سکا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ آپ کی آخری تالیف ہو۔ مجھے کسی کتاب میں **منتخب چار عنوان کیمیائے سعادت** کی تاریخ تالیف نہیں مل سکی، نہ خود حضرت جامی قدس سرہ نے اس کی کہیں وضاحت کی ہے۔ حضرت جامی کی فہرست تصانیف و تالیفات میں اس تلخیص کا نام ضرور موجود ہے۔ (۱۸۱) الحمدللہ کہ میرے سامنے یہ تلخیص مطبوعہ شکل میں موجود ہے... اس تلخیص کے ساتھ کوئی مقدمہ نہیں ہے... حضرت جامی نے عنوانات سہ گانہ کی تمام فصلوں کی جس طرح تلخیص کی ہے اس طرح وہ عنوان چہارم کی تمام فصلوں کی تلخیص نہ کر سکے اور یہ تلخیص ناتمام ہے... یہ تلخیص تمام تر فارسی زبان میں ہے۔ حضرت جامی نے اس میں عربی زبان کی آمیزش نہیں ہونے دی، حالانکہ ان کی دوسری تصانیف میں عربی عبارات بکثرت موجود ہیں...“(۱۸۲)

۴۱۔ رسالۂ منطق

اس رسالہ کا ذکر سعید نفیسی (۱۸۳) اور بشیر ہروی (۱۸۴) نے کیا ہے۔

۴۲۔ النفحۃ المکیہ

جامی کی تالیفات میں اس نام کا ذکر ڈاکٹر حسن سادات ناصری نے **تقویم تربیت از محمد علی تربیت** اور **ریحانۃ الادب** از محمد علی تبریزی معروف بہ مدرّس کے حوالے سے کیا ہے۔ (۱۸۵)

۴۳۔ رسالۂ نور بخش

حقیقت، طریقت اور مجاز کے بیان میں ہے۔

آغاز:

''بعد حمد منان مستعان وصلوات مفخر انس وجان۔''

اس رسالہ کا ایک مخطوطہ دار الکتب، قاہرہ (مصر) تحت شمارہ ۲۶۱ مجامیع تیمور، ایک مجموعۂ رسائل میں صفحہ ۴۴۶ تا ۴۴۷ موجود ہے۔ (۱۸۶)

۴۴۔ رسالۂ وحدت الوجود (فارسی)

بشیر ہروی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (۱۸۷)

یہ رسالہ ماہنامہ **جلوہ** تہران، سال دوم (۲۵-۱۳۲۶ش)، صفحہ ۱۶-۲۱۱ میں بعنوان **رسالۂ ملا جامی در وحدت وجود** شائع ہو چکا ہے۔ (۱۸۸)

۴۵۔ الوصیۃ

دفتر کتب خانۂ اسعد افندی، استنبول کے مؤلف نے صرف **الوصیۃ نور الدین عبد الرحمٰن بن احمد الجامی** لکھا ہے۔ نمبر عمومی ۳۷۴۵ کے تحت ۱۳ رسائل کے مجموعہ میں الوصیہ چوتھا رسالہ ہے۔ (۱۸۹)

شاید جامی کی وصیت پر مبنی ہے!

چند ایسی کتابیں جو صریحاً غلط طور پر جامی سے منسوب کردی گئی ہیں

۱۔ تاریخ ہرات

حاجی خلیفہ [۱۹۰] نے ہرات کی تاریخ پر کتابوں کے جن سات مصنّفین کا ذکر کیا ہے ان میں سے تین نام یہ ہیں:

۱۔ شیخ ثقۃ الدین عبدالرحمٰن الفامی (۴۷۲-۵۴۶ھ/ ۱۰۷۹-۱۱۵۱ء)

۲۔ ابونصر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار القیسی الحافظ

۳۔ نورالدین عبدالرحمٰن جامی (م: ۸۹۸ھ)

اس کے بعد عمر رضا کحالہ [۱۹۱] اور سعید نفیسی [۱۹۲] نے بھی **تاریخ ہرات** نامی کتاب کو جامی سے منسوب کیا ہے۔

تاریخ نامۂ ہرات از سیف بن محمد ہروی کے مرتّب پروفیسر محمد زبیر صدیقی اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> ''تا بہ حال غیر از حاجی خلیفہ کسی مدعی نشدہ کہ عبدالرحمٰن جامی **تاریخ ہرات** نوشتہ باشد۔ ہم چنین در نسبتی کہ بہ ابوروح عیسیٰ یا ابونصر عبدالرحمٰن قیسی دادہ، مؤیّد ندارد۔ اصلاً حاجی خلیفہ در اظہارات خود دقّت و احتیاط لازمہ را ہمیشہ مراعات نمی کند۔'' [۱۹۳]

ترجمہ: ابھی تک حاجی خلیفہ کے علاوہ کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ عبدالرحمٰن جامی نے **تاریخ ہرات** لکھی ہے۔ اسی طرح حاجی خلیفہ نے اسے ابوروح عیسیٰ یا ابونصر عبدالرحمٰن قیسی سے بھی منسوب کیا ہے، اس کی بھی تائید نہیں ہوتی۔ دراصل حاجی خلیفہ اپنے بیانات میں کبھی کبھی ضروری دقت اور احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

معین الدین زمچی اسفزاری، جو جامی کے معاصر اور مدّاح تھے اور انھوں نے ۸۹۹-

۸۹۷ھ میں **روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ ہرات** لکھی؛ وہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں تاریخ ہرات پر جن چار کتابوں کا ذکر کرتے ہیں، (۱۹۴) ان میں جامی کی کسی **تاریخ ہرات** کا نام نہیں آیا۔ اگر جامی نے اس موضوع پر کوئی تألیف چھوڑی ہوتی تو زمچی اس سے ضرور واقف ہوتے اور نہ صرف اس کا ذکر کرتے بلکہ اس سے استفادہ بھی کرتے، جیسا کہ انھوں نے عبدالرحمٰن فامی کی **تاریخِ ہرات** سے اقتباسات دیے ہیں۔

ایسا نظر آتا ہے کہ فہرست نگاروں اور تاریخ نویسوں کو جامی کی ہرات سے نسبت اور **تاریخِ ہرات** کے مصنف عبدالرحمٰن الفامی (م:۵۴۶ھ) کے نام سے دھوکا ہوا ہے اور وہ اسے غلط طور پر عبدالرحمٰن الجامی سے منسوب کر بیٹھے ہیں۔ (۱۹۵)

تاریخ ہرات کے ایک قدیم قلمی نسخے کا جو عکس شایع ہوا ہے، اس کے بارے میں مرتّبین نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ یہ شیخ عبدالرحمان فامی ہروی (م:۵۴۶ھ) کی تصنیف ہے اور حاجی خلیفہ کی طرف سے **تاریخِ ہرات** کو جامی کی تصنیف قرار دینے کی چندان وقعت نہیں ہے۔ (۱۹۶)

۲۔ تجنیس خط یا تجنیس اللغات (فارسی، نظم)

آغاز:

بعد توحید و صفات خالق شام و سحر
و ز پس نعت و ثناے خواجۂ خیرالبشر

حکمت کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ مندرجہ ذیل شعر بھی نصاب ''تجنیس خط'' کا حصہ ہے۔

مصر شہر و شہر ماہ و ماء آب و خوف سہم
سہم تیر و اجحہ، چہ بال باشد، بال جان

درحقیقت یہ **تجنیس الالفاظ یا بدیع البیان** کا ابتدائی شعر ہے، جسے خسرو دہلوی اور جامی دونوں سے منسوب کیا جاتا ہے اور ہم اس پر آگے چل کر بحث کریں گے۔

رسالۂ **تجنیس خط** کے کاتبوں نے تواتر کے ساتھ اور ان کی پیروی میں بعض فہرست نگاروں نے اسے جامی سے منسوب کیا ہے۔ (۱۹۷)

تمام نسخوں کے اختتام پر ناظم کا نام اس طرح آیا ہے:

تا چند سخن طویل گوئی چندان خاموشی پیش گیر عبدالرحمٰن

بس کن کہ ہمین رسالہ کافی ست ترا زین بیش مدہ درد سر بہ کسان

اور ابتدا میں نظم کے تیسرے شعر میں اس کے موضوع کی تصریح ہوئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ نصاب، ضیائی (۱۹۸) کو علم لغت سکھانے کے لیے لکھا گیا ہے:

کردم این مجموعہ را در صنع تجنیس اللغات

تا ضیائی را لُغت دانی بہ یاد آرد مگر

مذکورہ اشعار میں محض ''عبدالرحمٰن'' نام آنے سے یہ تسلیم کر لینا کہ یہ رسالہ عبدالرحمٰن جامی کی تصنیف ہے، ایک عاجلانہ فیصلہ ہے۔

اوّلاً اس رسالہ کے جو مخطوطات ہمارے علم میں ہیں اور جن کا ذکر فہارس مخطوطات میں آیا ہے وہ سب برصغیر میں کتابت ہوئے ہیں اور کسی غیر ہندوستانی نسخے کا سراغ نہیں ملتا۔ (۱۹۹) جامی کی ایسی تصنیف جسے ایک نصابی اور درسی کتاب ہونے کی وجہ سے نسبتاً زیادہ متداول ہونا چاہیے تھا، اس کا ایران، ترکی، یا خراسان میں نہ پایا جانا (۲۰۰) (ان علاقوں میں آثارِ جامی کے کثیر التعداد نسخے ہیں) اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کتاب ان علاقوں میں تصنیف نہیں ہوئی بلکہ ہندوستان میں کسی عبدالرحمٰن نامی شخص نے لکھی ہے۔

ثانیاً ہماری نظر سے کوئی نسخہ بھی ۱۱۳۵ھ سے قدیم تر نہیں گذرا۔ (۲۰۱) میں نے جامی سے منسوب اس نصاب کا جو مخطوطہ احسان دانش مرحوم، (انارکلی بازار، لاہور) کے پاس دیکھا تھا اُس کی تاریخ کتابت ۱۲ رمضان ۱۰۸۴ھ ہے لیکن رسالہ کا کاغذ اور خط اس قدر متاخر ہے کہ مذکورہ تاریخ مشکوک معلوم ہوتی ہے۔

تجنیس خط بہ تصحیح Francis Gladwin اور اس کا انگریزی ترجمہ از J. Haddon Hindley، مطبوعہ لندن، ۱۸۱۱ء (۲۰۲) ہماری دسترس میں نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ آیا مرتّب نے اپنے پیشِ نظر نسخہ کے ترقیمے کی بنیاد پر اسے عبدالرحمٰن جامی کی تصنیف مان لیا ہے یا اس کے پاس اس کی تائید (یا تردید) میں دیگر شواہد و قرائن بھی موجود تھے۔

یہی رسالہ کلکتہ سے ۱۸۱۸ء اور مطبع مسیحائی (کان پور؟) سے ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء اور کانپور سے ۱۸۷۱ء میں تجنیس اللغات جامی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ (۲۰۳)

افصح زاد نے بھی اسے جامی کی تصنیف ماننے سے انکار کیا ہے اور اس پر ہم سے مختلف دلائل

دیے ہیں۔ [۲۰۴]

۳۔ ترجمۂ کوک شاستر (لذّت النسا) (فارسی۔نظم)

جنسیات پر اس مثنوی کا مطلع یہ ہے:

کنم ابتدا من بہ نام خدا
کہ پیداست از قدرتش دو سرا

سرفراز علی رضوی نے اسے عبدالرحمٰن جامی سے منسوب کیا ہے، [۲۰۵] جو درست نہیں ہے۔ یہ درحقیقت حیدرآباد (دکن) کے ایک شاعر جامی کی مثنوی ہے جو اس نے ہندی سے ترجمہ کی تھی۔ ریو [۲۰۶] نے شاعر کا پورا نام ''محمد قلی'' اور شمس اللہ قادری [۲۰۷] نے ''شاہ محمد'' لکھا ہے۔ یہ جامی دکنی، گیارھویں صدی ہجری کا شاعر ہے۔

۴۔ دیوان مادح (فارسی۔نظم)

حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نعت و مدح پر مشتمل، غیر منقوط اشعار کا دیوان ہے۔ پہلی نعت کے مقطع میں شاعر نے اپنا تخلص یوں استعمال کیا ہے:

مدح احمد دوام گو مادح
کو دوا داد درد ہمدم را

برّصغیر کے مختلف ایڈیشنوں میں اسے **دیوان بے نقاط جامی** کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ [۲۰۸] لیکن حافظ محمد اسلم جیراج پوری کی تحقیق کے مطابق اشعار کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان، جامی کا نہیں بلکہ اس شخص کا ہے جو جامی سے سو سال بعد، ۱۰۰۳ھ میں زندہ تھا۔ حافظ صاحب نے بطور حوالہ یہ شعر پیش کیا ہے:

در سال دہ صد و سہ ہر دو رسالہ را
مادح کہ کرد در سر مدح رسول را [۲۰۹]

آغاز:

حمد لاحد آلہ عالم را
کو روا کردہ کام آدم را

اس دیوان کے مالک، مادح کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا۔ علی شیر قانع ٹھٹھوی نے

ایک فارسی شاعر ملّا داؤد لکعلوی متخلص بہ مادح کا ذکر کیا ہے،(۲۱۰) لیکن جو شعر نمونۂ کلام دیا ہے وہ منقوط حروف سے ہے۔

۵۔ رسالۂ صغیر (فارسی، نثر)

ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے ذخیرۂ شیرانی، دانشگاہِ پنجاب، لاہور میں موجود مجموعۂ رسائل نمبر ۲۰۴۰/۵۰۵۳ کے پہلے رسالہ کو بہ عنوان رسالۂ صغیر مولانا جامی سے منسوب کیا ہے۔(۲۱۱) اس انتساب کی صحت جاننے کے لیے جب میں نے مذکورہ نسخہ دیکھا تو حقیقت حال بڑے دلچسپ انداز میں سامنے آئی۔ مذکورہ مجموعۂ رسائل ایک ہی کاتب کا لکھا ہوا ہے اور اس کے پہلے تین رسائل کی ترتیب یہ ہے:

۱۔ **رسالہ در عروض و قافیہ**۔ مصنف نامعلوم، ص۲-۱۳، اسی رسالہ کو ڈاکٹر صاحب نے **رسالۂ صغیر** سے موسوم کیا ہے۔(۲۱۲)

۲۔ **رسالۂ عروض** از قاسم کاہی، ص۱۳-۲۲(۲۱۳)

۳۔ **رسالۂ معمّا** از جامی، ص۲۳-۴۸، آغاز: ای اسم تو گنج ہر طلسمی۔ اس رسالہ کو رسالۂ متوسط لکھنا چاہیے مگر ڈاکٹر صاحب نے اسے **رسالۂ کبیر یا حلیۃ الحلل** کے نام سے درج کیا ہے۔(۲۱۴)

مذکورہ تیسرے رسالہ کا ترقیمہ یوں ہے:

> ''**رسالۂ صغیر** حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ سرہ روحہ بتاریخ ۹ شہر جمادی الثانی ۱۰۹۹ روز سہ شنبہ وقت ظہر بخط فقیر عبدالہادی متوطن موضع رانی پور (......کرم خوردہ) پرگنہ جیورہ تحریر یافت۔''(۲۱۵)

دراصل ڈاکٹر صاحب نے تیسرے رسالہ کے ترقیمہ کو پہلے رسالہ کا ترقیمہ سمجھ کر اُسے مولانا جامی کی تصنیف قرار دے دیا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔

رسالۂ اوّل کے بارے میں ہمارا حاصل مطالعہ یہ ہے:

۱۔ مؤلف نے کہیں اپنا نام درج نہیں کیا۔ تاہم مقالۂ سوم در ''قافیہ'' کے اختتام پر وہ لکھتا ہے، ''اگر انواع قوافی مقصود باشد، رسالۂ **حقیقۃ القوافی** این فقیر باید دید۔''(۲۱۶)

جامی کی تصانیف کی فہرست میں **حقیقۃ القوافی** نام کا کوئی رسالہ نہیں ملتا لہذا زیرِ نظر رسالہ کو

بھی ان کی تصنیف قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ اس نام کا ایک رسالہ فخرالدین رازی (۵۴۶-۶۰۶ھ) سے ضرور منسوب ہے۔ (۲۱۷) فخر رازی کی کتاب **جامع العلوم/ستینی** کا بیسواں باب علم قوافی پر ہے۔

۲۔ مؤلف نے سبب تألیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بعد از انحراف مزاج، شبی در کنج بیت الحزن با صد ہزار بلا و محن نشستہ بودم و در بہ روی غیر بستہ۔ نہ محبوبی وفادار کہ گاہی مقدار غم از دل دردمندم بردارد و نہ ممدوحی عالی مقدار کہ در ناسازگاری دہر بہ نظر رحمت خاطر مستمندم را نگاہدارد... جلیس این فقیر (نام کا ذکر نہیں ہے) از در، در آمد و مرا متحیر و متفکر مشاہدہ نمود، بی آنکہ از من شکوہ در و ظاہر گردد، دریافت و گفت چرا سر در گریبان تفکر فرمودہ ای؟ سر برآور و وقت شریف را بہ عزلت و عطلت مگذار و رسالہ در صنایع شعر و عروض و استحسان کہ در آن صنایع وقوع یافتہ باشد بازنما بہ نام... عالی جناب... قاضی القضات... (طویل القاب کے باوجود نام درج نہیں ہوا ہے) بدین اشارت از جا برخاستم و کمر خدمت بر میان جان بستم و در اتمام این رسالہ توجہ نمودم۔''(۲۱۸)

۳۔ یہ رسالہ ایک مقدمہ، چھ مقالات اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقدمہ: در معنی شعر،

مقالات: (۱) کلام موزون را چرا شعر گویند، (۲) انواع شعر، (۳) قافیہ، (۴) محاسن شعر و طرفی صناعات و قسمی از عروض کہ نظم و نثر بہ کار دارند۔

مقالۂ ۵ و ۶ اور خاتمہ نسخے میں مذکور نہیں ہے۔

آغاز:

حمد بیحد واجب الوجودی را کہ سلسلۂ موجودات را بہ واسطۂ اتصال کاف و نون انتظام بخشید و انسان را بہ جہت قابلیت نطق و معرفت از موجودات انتخاب نمود۔

اختتام:

آن برگ خزان بین کہ بر آن شاخ رزان است

ترقیمہ

تحریر فی التاریخ غرّہ جمادی الآخر ۱۰۹۹ھ (ص ۱۳ نسخہ)

۶۔ رسالۂ عرفانی (فارسی، نثر)

رسالۂ عرفانی مخزونہ کتب خانہ گنج بخش، اسلام آباد کے جس مخطوطہ (۶۳۱۴) کو اس کے ترقیمہ اور کاتب کے حوالہ سے "ملای جامیؒ" سے منسوب کیا گیا ہے، وہ دراصل **ارشاد المریدین** از کمال الدین حسین خوارزمی (شہادت درمیان ۸۳۵-۸۴۰ھ) ہے، جس کی تائید خود **فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش**، از احمد منزوی، جلد دوم، صفحہ ۵۱-۵۵۲ پر **ارشاد المریدین** (تحت عدد مسلسل ۶۸۲) اور صفحہ ۸۰-۶۷۹ پر **رسالۂ عرفانی** (ذیل عدد مسلسل ۸۲۴) کی دی گئی فہرست مضامین کی یکسانیت سے بھی ہو جاتی ہے۔

۷۔ طریقِ بحث (فارسی۔نظم)

یہ مثنوی، جس کا آغاز مندرجہ ذیل شعر سے ہوتا ہے:

خداوندی کہ او را نیست ہمتا
بوَد از جسم و از جوہر مبرّا

بحث و مناظرہ کے آداب اور طریقوں پر مشتمل ہے۔

اس رسالہ کے دو ایسے مخطوطات ہماری نظر سے گذرے ہیں جن کے ترقیمہ میں اسے جامی سے منسوب کیا گیا ہے۔ ان دونوں نسخوں میں اشعار کی مجموعی تعداد تیس ہے۔

۱۔ مملوکہ خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم، لاہور، مکتوبہ ۱۲۷۷ھ (۲۱۹)

۲۔ کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد، شمارہ ۸۰۰۴ (۲۲۰)

مگر کتابخانۂ گنج بخش ہی کے دوسرے نسخے، شمارہ ۱۹۶۴، مکتوبہ ۱۰۹۲ھ در مجموعہ ص ۶۲-۶۴ کے آخر میں تین مزید اشعار موجود ہیں جن میں شاعر کا نام اسیری مذکور ہے۔ اختتام کے وہ اشعار ملاحظہ ہوں:

طریق بحث را تقریر کردم　　بوجہ مختصر تحریر کردم
کہ تا از من بماند این نشانہ　　کہ من ہم بودہ ام اندر زمانہ
چو شد این نظم در خاطر مخیّل　　بہ نام خویشتن کردم مزیّل

مقیم گوشۂ فقر و فقیری   فقیر ناتوان یعنی اسیری [۲۲۱]

ان اشعار کی روشنی میں اس مثنوی کے جامی کی بجائے اسیری سے نسبت کے شواہد واضح تر ہیں۔

۸۔ فتوح الحرمین (فارسی، نظم)

حج کے مسائل ومناسک اور زیارات مکّہ مکرمہ ومدینۂ منورہ پرمحی لاری (م:۹۳۳ھ/ ۲۷-۱۵۲۶ء) کی مثنوی کو بعض فہارس کتب اور مطبوعہ ایڈیشنوں میں غلط طور پر جامی اور شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (م:۵۶۱ھ) سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

اس مثنوی کا مطلع یہ ہے:

ای ہمہ کس را بہ درت التجا   کعبۂ دل را ز تو نورِ صفا

یا:

ای دو جہان غرقۂ آلای تو   کون و مکان قطرۂ دریای تو

جامی سے انتساب کی دو وجوہ ہیں۔ اوّلاً خود جامی نے مناسکِ حج پر رسائل لکھے۔ ثانیاً زیرِ نظر مثنوی میں مندرجہ ذیل شعر اشتباہ کا باعث بنا:

گر بودت از سخن من ملال
گوش کن از عارف جامی مقال

خود اس شعر سے انتساب کی تردید بھی ہوتی ہے۔ جامی خود کو عارفِ جامی کیوں لکھتے؟
شیخ جیلانی سے اس مثنوی کا انتساب شاعر کے ''محی'' تخلص کے سبب سے ہے۔

محی از افسانۂ او لب مبند
کو دل تو باز رہاند زبند [۲۲۲]

۹۔ لطائف شرائف (فارسی۔نثر)

خالدہ صدیق (اب ڈاکٹر خالدہ آفتاب) نے اپنے پی ایچ.ڈی مقالہ **تہیہ نسخ فارسی موجود در کتابخانہ ھای لاہور** میں فقیر خانہ، لاہور میں موجود **لطائف شرائف** از عبدالرحمٰن جامی کا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ [۲۲۳]

مزید تحقیق کے لیے جب میں نے فقیر خانہ کا یہ نسخہ (نمبر ۲۲۰) دیکھا تو معلوم ہوا کہ نسخہ کے

ظہر یہ اور ترقیمہ کی عبارت کی وجہ سے یہ کتاب جامی سے منسوب ہوئی ہے۔ ترقیمہ کے الفاظ یہ ہیں:

''تمت تمام شد لطائف شرایف من تصنیف حضرت مولوی عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ بید الخط فقیر سراج الدین، برای خاطر برخوردار شہاب الدین مولوی ولد نبی بخش ساکن حیرانوالہ [ہیرانوالہ، ضلع گوجرانوالہ] صورت تحریر یافت، مالکہ فقیر شہاب الدین، متولد ۱۵ ربیع الثانی ۱۲۵۹ھ۔''

لیکن خود متن کے اندر ایک ایسی شہادت موجود ہے جس سے اس کتاب کی جامی سے نسبت کی تردید ہو جاتی ہے۔ جہاں لکھا ہے:

ونیز در کلام مولوی جامی ... کہ فرمودہ است، بیت:

از کمر تا بہ کنار آمدہ''(۲۲۴)

ظاہر ہے جامی اپنی ہی کتاب میں اپنے شعر کا یوں حوالہ نہیں دے سکتے۔

۷۴ صفحات کا یہ رسالہ تصوّف اور اخلاق کے مختصر نصیحت آمیز جملات پر مشتمل ہے اور ہر جملہ ''لطیفہ'' اور ''شریفہ'' کے زیرِ عنوان درج ہوا ہے۔ ابتدا میں بارہ صفحات پر مشتمل ایک مفصّل مناجات ہے۔ اصل متن اور موضوع اس مناجات کے بعد شروع ہوتا ہے۔

آغاز:

ای ربّ ارباب! اربابِ ارباب را ارباب! کرم گشائی از مآب؟ گنہ رہائی! ای عفو متین عفو خود بین، اثم ما مبین۔ ای بادشاہ لم یزل:

اختتام:

یاری کہ درو معرفتی نیست مگیر
کاری کہ درو منفعتی نیست مکن

۱۰۔ لمعات (فارسی، نثر)

ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے ذخیرۂ شیرانی، دانشگاہ پنجاب، لاہور کے دو مخطوطات (نمبر ۲/ ۲۰۰۵/ ۵۰۱۵ اور ۱-A/ ۳۵۰/ ۳۳۵۴) کو بعنوان لمعات پیش کر کے لکھا ہے:

''اکثر مطالب از لامعہ شروع می شود و پروفسور شیرانی (م: ۱۹۴۶م) این را اثرِ

مولانا جامی احتمال دادہ۔ مؤلفہ صفر ۸۷۵ھ۔ قطعۂ تاریخ این است:

بی دعوت فضل جامی و لاف ہنر — در سلک بیان کشید این عقد گہر
آن لحظہ کہ شد تمام آورد بدر — تاریخ مہ و سال وی از شہر صفر"[۲۲۵]

مذکورہ بالا کوائف، قطعۂ تاریخ اور خود دونوں مخطوطات دیکھنے سے ہم پورے اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ درحقیقت یہ جامی کی **لوامع** شرح قصیدۂ (میمیہ) خمریہ از ابنِ فارض ہے، جس کا مفصّل ذکر پہلے گذر چکا ہے اور یہ الگ سے لمعات نام کی کتاب نہیں ہے۔

۱۱۔ **منتخب مثنوی مولوی** (فارسی)

اس انتخاب کا ایک قلمی نسخہ مشرقی مخطوطات کی سرکاری لائبریری، مدراس (شمارہ ۱۵۸۵) میں موجود ہے۔[۲۲۶] لیکن اس کی ابتدا اسی شعر سے ہوتی ہے جو جامی کے **نائیہ** کے شروع میں ہے یعنی "عشق جز نائی و ماجز نی نہ ایم" الخ۔ ہمارے خیال میں لائبریری کے فہرست نگار نے اسے غلطی سے **نائیہ** سے الگ رسالہ سمجھ لیا ہے۔

ایرج افشار نے اس نسخہ کے صفحات کی تعداد ۴۴ لکھی ہے۔[۲۲۷] **نائیہ** تو چند صفحات کا رسالہ ہے لہٰذا مدارس کے نسخے کی ضخامت کے پیشِ نظر اسے **مثنوی معنوی** کا انتخاب قرار دیا جا سکتا ہے۔

جامی کا کتب خانہ اور اُن سے منسوب چند عمارات

مولانا جامی کی تصانیف اور علمی مقام پر گفتگو کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذاتی کتب خانہ کا بھی ذکر کیا جائے۔ ایرانی فاضل رکن الدین ہمایوں فرخ نے مولانا کے کتب خانہ کے بارے میں لکھا ہے:

''ہرات میں اُن کا کتب خانہ خاص شہرت کا حامل تھا۔ مولانا کے کتب خانہ کے لیے کتابوں کی نقول کا کام مولانا کے بھانجے [ہاتفی] اور مشہور خوشنویسوں محمد نور، سلطان علی مشہدی اور سلطان محمد خندان (۱) کے سپرد تھا۔ بالخصوص محمد نور، مولانا کی تصانیف کے نسخے تیار کرتے جو ایران، ہندوستان اور ترکی کے سلاطین اور امرا کے تقاضے پر انھیں بھیجے جاتے تھے۔

مولانا جامی کے کتب خانہ کے ایسے نسخے اب بھی موجود ہیں جن کے حواشی پر مولانا نے اپنے اشعار اور کچھ اور یادداشتیں رقم کی ہیں۔ ایسا ہی ایک نسخہ ادیب برومند کے ذاتی کتب خانہ میں پایا جاتا ہے، جس کے اختتام پر جامی نے اپنے اشعار خود لکھے ہیں۔'' (۲)

سلطان علی قائنی (م: ۹۱۴ھ) کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ جن دنوں وہ تبریز سے ہرات منتقل ہو کر میر علی شیر نوائی کے علم پرور دربار سے وابستہ ہوئے تو ان کی مولانا جامی سے ملاقات ہوئی، جس کے بعد وہ مولانا کے ایسے معتقد ہوئے کہ تصانیفِ جامی کی کتابت کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہ کرتے۔ اگر انھیں کسی دوسری کتاب کی کتابت کے لیے کہا جاتا تو وہ اتنا بھاری معاوضہ مانگتے کہ اسے ادا کرنا مشکل ہوتا جاتا۔ (۳)

عماراتِ جامی

مولانا لاری لکھتے ہیں:

''دنیاوی کاموں اور زیر کفالت لوگوں پر خرچ سے جو کچھ بچ جاتا، آنجناب

(جامی) اسے فلاحی عمارات پر صَرف کر دیتے۔ جیسا کہ انھوں نے ہرات میں اندرونِ شہر ایک مدرسہ بنایا ہے اور خیابان میں ایک مدرسہ اور خانقاہ اور ولایت جام میں ایک جامع مسجد بنوائی ہے۔ انھوں نے اکثر املاک مدرسۂ خیابان کے نام وقف کی ہیں جو کہ آنجناب (جامی) کے گھر کے پاس ہی ہے۔''(۴)

مدرسۂ اندرونِ ہرات

اندرونِ شہر جس مدرسۂ جامی کا ذکر ہوا ہے، وہ اب بھی موجود ہے، اور ہرات (علاقہ ۴) کے محلّہ برج خاکستر میں کوچۂ گذر مرغ فروشی میں واقع ہے۔(۵) لوگ اسے ''مدرسہ مخدومی'' اور ''مسجد مخدومی'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کا رقبہ تقریباً تین سو مربع میٹر ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ مدرسہ بالکل ویران تھا، کیونکہ اس کے گرد و نواح میں یہودیوں کے گھر تھے اور انھیں ڈر تھا کہ اگر اس مسجد میں لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا تو اُن سے تعرض کیا جائے گا، لہٰذا وہ اس کی تعمیر و مرمت میں روڑے اٹکاتے رہے۔ لیکن ۱۳۲۹ شمسی میں قندھار کے ایک مخیّر شخص نے مدرسہ کے ساتھ ایک یہودی کا گھر خرید لیا اور مدرسہ کی از سرِ نو تعمیر و مرمت شروع کی۔ مدرسہ میں واقع پرانا کنواں، جو خشک پڑا تھا، اسے صاف کروایا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے شمال میں ایک شبستان کی بنیاد رکھی اور جنوب کی طرف دروازے اور کھڑکیوں کے بغیر ایک برآمدہ تعمیر کیا۔

مولانا جامی کا عبادت خانہ بھی (جسے وہاں لوگ ''چلّہ خانہ'' کہتے ہیں) مدرسہ کے جنوب میں واقع ہے۔ اب اس مدرسہ (مسجد) کی ظاہری حالت غریب شہر کی سی ہے۔(۶)

مدرسۂ بیرونِ ہرات

جامی نے جو مدرسہ بیرونِ شہر (خیابان میں) بنوایا تھا، غیاث الدین خواندمیر ہروی نے **خلاصۃ الاخبار فی احوال الاخیار** (تألیف: ۹۰۴ھ) کے خاتمہ میں اس کے بارے میں لکھا ہے (ترجمہ):

''حضرت مخدومی حقایق پناہی نور اللہ مرقدہٗ کا مدرسہ، جو صفائی اور خوشگوار آب و ہوا سے متصف اور معروف ہے، اس کا انتظام مقرّب الحضرت سلطانی (یعنی امیر علی شیر نوائی) کے پاس ہے۔''(۷)

اب اس مدرسہ کے آثار باقی نہیں ہیں۔(۸)

سوز وساز جامی

مولانا جامی کی منتخب نعتیں اور غزلیں

یہ انتخاب مترجم نے اپنے ذوق کے مطابق طبع اوّل میں شامل کیا تھا اور اب طبع دوم میں بھی وہی انتخاب شامل رکھا ہے۔ البتہ طبع اوّل میں یہ بلا حوالہ شایع ہوا تھا، اب **دیوان جامی** مرتبہ افصح زاد [دیکھیے فہرست مآخذ] سے حوالہ دیا گیا ہے اور اشعار کی روایت اسی کے مطابق کر دی گئی تھی۔ البتہ تمام عنوانات مترجم کے منتخبہ ہیں۔

بلاشبہ مولانا جامی، نعت کے بہت عمدہ شاعر تھے اور انھوں نے نعتیں عشقِ محمدی میں ڈوب کر لکھی ہیں۔ جامی کے تینوں دواوین میں بہت سی نعتیں قصیدہ، ترکیب بند اور غزل کی صورت میں ملتی ہیں۔ برّصغیر کے نعت خوان اور جامی کی نعتیہ شاعری کے مدّاح ان سے یہ دو نعتیں منسوب کر کے پڑھتے ہیں:

نسیما جانب بطحا گذر کن
ز احوالم محمد را خبر کُن

تنم فرسودہ، جان پارہ، ز ہجران یا رسول اللہ
دلم پژ مردہ، آوارہ، ز عصیان یا رسول اللہ[1]

دونوں نعتوں کے مقطع میں ''جامی'' تخلص استعمال ہوا ہے لیکن مجھے یہ دونوں نعتیں محولہ بالا دیوانِ جامی میں نہیں ملیں۔ کیا یہ واقعی نورالدین عبدالرحمان جامی ہروی کی نعتیں ہیں؟ محققین اس سلسلے میں رہنمائی فرمائیں۔

۱۔ طالب ہاشمی، **سوز جامی**، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۳ء ص ۱۱۵، ۱۱۹؛ غلام نظام الدین مُرولوی، **شعرِ ناب**، مکتبۂ معظمیہ، لاہور، ۱۹۶۸ء ص ۱۰۶

آرزوے یثرب و بطحا

کی بوَد یارَب کہ رُو در یثرب و بطحا کنم؟
گہ بہ مکّہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم
بر کنار زمزم از دل برکشم یک زمزمہ
و ز دو چشم خون فشان آن چشمہ را دریا کنم
صد ہزاران دِی درین سودا مرا امروز شد
نیست صبرم بعد ازین کامروز را فردا کنم
یا رسول اللّٰہ! بہ سوی خود مرا راہی نمای
تا ز فرق سر قدم سازم ز دیدہ پا کنم
آرزوی جنّۃ المأویٰ برون کردم ز دل
جنتم این بس کہ بر خاک درت مأوا کنم
خواہم از سودای پا بوست نہم سر در جہان
یا بہ پایت سر نہم یا سر در این سودا کنم
مُردم از شوق تو معذورم اگر ہر لحظہ ای
جامی آسا نامۂ شوقی دگر انشا کنم

(دیوان جامی، ۱: ۶۳۰-۶۳۱)

دیدن کعبہ بدین دیدہ تمنا دارم

دیدہ پُر نم ز غم زمزم و بطحا دارم
دیدنِ کعبہ بدین دیدہ تمنّا دارم
راویہ چشم ترو زاد غم و راحلہ شوق
بہر این رہ ہمہ اسباب مہیّا دارم
خار پایم شدہ خاک وطن ای کاش کنُد
ناقۂ خار کن این خار کہ در پا دارم
تنِ من خاک عجم، جان و دلم مرغِ حجاز
تنم اینجاست ولی جان و دل آنجا دارم
کعبہ عذراست پسِ پردہ و من وامق وار
دست ہمت زدہ در دامنِ عذرا دارم
نیست جز خال سیاہ حجر الاسود او
در سویدای دلم بین کہ چہ سودا دارم
کردم از شوق مغیلان بہ رہ بادیہ روی
تنگ دل گشتہ ہوای گل و صحرا دارم
ساربان گفت کہ جامی مکن از فرق قدم
کہ قوی راحلۂ بادیہ پیما دارم
گفتمش رو کہ دو صد راحلہ نتواند بُرد
این ہمہ بار کہ من بر دل شیدا دارم

(دیوان جامی،۲: ٦١٨)

درراہِ مدینہ

بر کنارِ دجلہ ام افتادہ دُور از خان و مان
و ز دو دیدہ دجلۂ خون در کنار من روان
پا برون کی کردمی بر خاک بغداد از رکاب
گر نہ پیچیدی ہوای یثربم آن سو عنان
حبّذا یثرب کی تا یکدم کنم آنجا وطن
عمرھا ترک اقامت در وطن کردن توان
مرغِ جان را آشیان اصلی ست آن ای خدای
رہ نمای این مرغ را روزی سوی آن آشیان
خواب گاہ حضرتی آمد کہ گر بودی بفرض
مرقد پاکش چو مہد عیسیٰ اندر آسمان
فرض بودی بر ہمہ بہر زیارت کردنش
صرف کردن عمر را در جست و جوی نردبان
مرقد او در زمین پیدا زہی حرمان کہ من
پا ز سر نا کردہ بنشینم ز طوفش یک زمان
کی بود یا ربّ کہ دل از فکر عالم کردہ صاف
گرد آن خرّم حرم گویم خروشان در طواف

(دیوان جامی، ۱: ۱۳۹-۱۴۰)

سلام

السّلام ای قیمتی تر گوہر دریای جود
السّلام ای تازہ تر گلبرگ صحرای وجود
السّلام ای آن کہ تا از جبہۂ آدم نتافت
نور پاکت کس نبرد از قدسیان او را سجود
السّلام ای آن کہ رنگ ظلمت کفر و نفاق
صیقل تیغ تو از آینۂ گیتی زدود
السّلام ای آن کہ ناید در ہمہ کون و مکان
تیز بینان را بجز نور تو در چشم شہود
السّلام ای آن کہ بہر فرش راحت بافت دہر
اطلسی را کِش ز شب کردند تار از روز پود
السّلام ای آن کہ ابواب شفاعت روز حشر
جز کلید لطف تو بر خلق نتواند گشود
السّلام ای آن کہ تا بودم درین محنت سرا
در سرم سودا و در جانم تمنای تو بود
صد سلامت می فرستم ہر دم ای فخر کرام
بو کہ آید یک علیکم در جوابِ صد سلام

(دیوان جامی، ۱: ۱۴۰)

نورِ وادی بطحا

آن چہ نور است کہ از وادی بطحا برخاست
کہ ہمہ کون و مکانش بہ تماشا برخاست
وآن چہ نخل است بہ یثرب کہ چو بالا بنمود
نعرۂ شوق وی ز عالم بالا برخاست
یک زمان بر سرِ راہش کہ بہ تماشا کہ نشست
کہ ز عشقش نہ سراسیمہ و شیدا برخاست
عاقبت بر لب او ختم شد از معجز حسن
گرچہ اوّل دمِ احیا ز مسیحا برخاست
ہیچ جا نکتہ ای از لعل شکر خاش نرفت
کہ نہ پُرشور شد آن مجلس و غوغا برخاست
دُرد نوشانِ غمش نعرۂ مستانہ زدند
چہ صداہا کہ ازین گنبد مینا برخاست
شد خرامان سوی صحرا اثر دامن اوست
ہر گل و لالہ کہ از دامنِ صحرا برخاست
وعدہ ای از لبش امروز بہ میخانہ رسید
از دل بادہ گساران غم فردا برخاست
دید جامی قدِ آن سرو بہ جولانگہ ناز
پا ز سر کردہ بہ خدمت بہ سر پا برخاست

(دیوان جامی، ۲: ۵۱۳)

در حضورِ شفیع المذنبین

یا شفیع المذنبین بارِ گناه آورده ام
بر درت این بار با پشتِ دو تاه آورده ام
چشم رحمت بر گشا، موی سفید من نگر
گرچه از شرمندگی روی سیاه آورده ام
آن نمی گویم که بودم سالها در راه تو
هستم آن گمره که اکنون ره به راه آورده ام
عجز و بی خویشی و درویشی و دلریشی و درد
این همه بر دعوی عشقت گواه آورده ام
دیو رهزن در کمین نفس و هوا اعدای دین
زین همه با سایۂ لطفت پناه آورده ام
گرچه روی معذرت نگذاشت گستاخی مرا
کرده گستاخی زبانِ عذر خواه آورده ام
بسته‌ام بر یکدگر نخلی ز خارستان طبع
سوی فردوس برین مشتی گیاه آورده ام
دولتم این بس که بعد از محنت و رنجِ دراز
بر حریمِ آستانت می نهم روی نیاز

(دیوان جامی، ۱: ۱۴۱)

آشوبِ تُرک وشورِ عجم، فتنۂ عرب

روحی فداک ای صنمِ ابطحی لقب
آشوبِ تُرک و شورِ عجم، فتنۂ عرب
کس نیست در جهان که ز حُسنت عجب نماند
ای در کمالِ حُسن عجب تر ز هر عجب
هر کس نیافت جرعه ای از جامِ وصلِ تو
زین بزمگاه تشنه جگر رفت و خشک لب
تا زلفِ تو شب است و رُخت آفتابِ چاشت
''واللیل والضحیٰ'' است مرا وِرد روز و شب
کامی ز لب ببخش که عشّاقِ خسته را
صد خار خار در جگر افتاد ازان رطب
رفتن به سرِ طریقِ ادب نیست در رهت
ما عاشقیم و مست، نیاید ز ما ادب
دل باد منزلِ غم و سر خاکِ مقدمت
کین موجبِ شرف بود، آن مایۂ طرب
مطلوبِ جامی از طلبم گفته ای که چیست
مطلوبِ او همین که دهد جان درین طلب

(دیوانِ جامی، ۱: ۲۳۶-۲۳۷)

مدینه

مائیم که چون لالۂ صحرای مدینه | داریم به دل داغ تمنای مدینه
سودای بهشت از سر دانا برود لیک | ممکن نبود رفتن سودای مدینه
هرگز به تماشای بهشتت نکشد دل | گر چشم گشایی به تماشای مدینه
بگشای چو گل گوش که از وحی الهیست | گلبانگ زنان مرغ خوش آوای مدینه
کعبه که بود بادیه پیماش جهانی | خواهد که شود بادیه پیمای مدینه
طوبیٰ که سرافراخته برذروۂ عرش است | شاخیست ز نخل چمن آرای مدینه
مرغان اولی اجنحه را نیست نشیمن | جز کنگرۂ شور فلک سای مدینه
نبود گهری در صدف بحر ارادت | پاکیزه تر از گوهر یکتای مدینه
حلوای نبات است زمصر آمده خرماش | بی زحمت دُود آمده حلوای مدینه
خرما چو خوری دانه همی بوس که باشد | تسبیح ملک دانۂ خرمای مدینه
دیده ست مدینه به مثل شخص جهان را | چون مردم دیده همه ابنای مدینه
پاکرده ز سر کن ز مدینه طلب دین | کز سر همه دین آمده تا پای مدینه
از میمِ مدینه نگر اینک که چگونه | دین است مرتّب شده تا های مدینه
کوثر که شنیدی نبود تشنه دلان را | جُز ساغر آب از کف سقّای مدینه
شد جای کسی خاک مدینه که نشاید | جز قمۂ عرش از شرفش جای مدینه
مرغی ازلی لحن که از زمزمۂ اوست | در رقصِ ابد صخرۂ صمّای مدینه
کالای مدینه چو بود خاک ره او | ملک دو جهان قیمت کالای مدینه
تا خاکِ مدینه شده دریای وجودش | عقل کل و غواصی دریای مدینه
تا یافته خضرت ز نمِ چشمۂ جودش | نزهت گه خضر آمده خضرای مدینه
سقف حرم اوست به صد مشعلۂ نور | این گنبد فیروزه به بالای مدینه
آفاق همه منتظر مقدم اویند | وُاو پردگی مهد معلای مدینه

ہرچند کہ در خاک خراسان شدہ محبوس جامی کہ بود عاشقِ شیدای مدینہ
دارد بخود امّید کہ فردای قیامت
سر بر زند از شقّۂ خارای مدینہ

(دیوان جامی،۲:۳۴-۳۵)

ساقی بیا!

ساقی بیا کہ دَور فلک شد بہ کامِ ما
خورشید را فروغ دہ از عکس جامِ ما
گلگون می در آر بہ میدان کنون کہ ہست
رخش سپہر و توسن ایّام رامِ ما
آن ترک را بہ یک دو قدح مست کن چنان
کز گردش زمانہ کشد انتقامِ ما
آورد آبِ رفتہ بہ جُو باغ حسن را
سرو بلند قامت طوبیٰ خرامِ ما
طاووس وار طوطی جان جلوہ می کند
از فرّ این ہمای کہ آمد بہ دام ما
گاہی مَی شبانہ و گہ بادۂ صبوح
بنگر وظیفۂ سحر و وردِ شام ما
جامی بہ وصفِ آن لبِ شیرین شکر شکست
خامُش مباد طوطی شیرین کلامِ ما

(دیوان جامی، ا: ۲۳۰-۲۳۱)

تاب وتب ہجران

ریزم ز مژہ کوکب بی ماہ رخت شب ہا
تاریک شبی دارم با این ہمہ کوکب ہا
چون از دل گرم من بگذشت خدنگ تو
از بوسۂ پیکانش شد آبلہ ام لب ہا
از بس کہ گرفتاران مُردند بہ کوی تو
بادش ہمہ جان باشد خاکش ہمہ قالب ہا
از تاب و تب ہجران گفتم سخن وصلت
بود این ہذیان آری خاصیت آن تب ہا
تا دست برآوردی ز آن غمزہ بہ خون ریزی
بر چرخ رود ہر دم از دست تو یارب ہا
شد نسخ خط یاقوت اکنون ہمہ رعنایان
تعلیم خط از لعلت گیرند بہ مکتب ہا
جامی کہ پی مذہب اطراف جہان گشتی
با مذہب عشق تو گشت از ہمہ مذہب ہا

(دیوان جامی، ۱: ۱۹۳)

کوزۂ نبات

چو لب بہ کوزہ نہی، کوزۂ نبات شود
ز کوزہ قطرہ چکد، چشمۂ حیات شود
ز رشک آنکہ چرا کوزہ لب نہد بہ لبت
مرا دو دیدہ زنم دجلہ و فرات شود
ازان زلال بقا کآب نیم خوردۂ تست
چو خضر ہر کہ خورد ایمن از ممات شود
مریض عشقِ تو چون مایل شفا گردد
اسیرِ قیدِ تو کی طالبِ نجات شود
ز کعبہ بود نشانی دلم چہ دانستم
کہ بہر چون تو بُتی دَیر سومنات شود
نہاد رخ بہ عدم دل چو تخم مہر تو کشت
چو آن حریف کہ ناگہ ز کشت مات شود
نہادہ چشم براہ تو منتظر جامی
کہ بگذری بہ سر او و خاک پات شود

(دیوان جامی، ۱: ۴۰۷-۴۰۸)

شوقِ دیدار

للہ الحمد کہ بعد از سفرِ دُور و دراز
می کنم بار دگر دیدہ بہ دیدارِ تو باز
مژہ برہم نزنم پیش تو آری نہ خوش است
کہ ترا چہرہ بوَد باز و مرا دیدہ فراز
تا شد از عشق تو سررشتۂ کارم روشن
ہم چون شمعم ہنری نیست بجز سوز و گداز
باوجود خَم ابروی توام می خواند
زاہد بی خبر از عشق بہ محراب نماز
لیک در شرع وفا نیست نمازی بہ ازین
کہ نہم روی ادب پیش تو بر خاک نیاز
پی بہ توحید برد از الف قامتِ تو
ہر کہ ادراک حقیقت کند از حرفِ مجاز
جامی از شوق مقام تو نوایی کہ زند
بہر عشاق رہ راست بود سوی حجاز

(دیوان جامی، ۱:۴۸۱)

نقل پیر مغان

دارم از پیر مغان نقل که در دین مسیح
بادہ چون نُقل مباح است زہی نقلِ صحیح
تحفۂ لائق جانان بہ کف آر ای زاہد
ترسمت دست نگیرد بہ قیامت تسبیح
شیوۂ علم نظر ورز کہ اَلعِلمُ حَسَن
منکر فعل خرد باش کہ اَلجَہلُ قبیح
پیش لعل تو نہم لب بلب جام آری
بہ اشارت طلب بوسہ بسی بہ ز صریح
آن دہان یکسر موی است ز لطف تو و ہست
یک سر موی تو را بر ہمہ خوبان ترجیح
ہر کجا شوخ و ملیح است دلم کشتۂ اوست
خاصہ آن چشمِ خوش شوخ و لب لعل ملیح
وارِدِ صبح ز صوفی طلب و وِردِ صباح
جامی و جام صبوح از کف معشوق صبیح

(دیوان جامی، ۱:۳۴۹)

فصل بہار

بیا کہ فصل بہار است و محتسب معزول
معاشران بہ فراغت بہ کارِ خود مشغول
بیا بیا کہ صفا در پی صفاست ہمہ
حریف سادہ و می بی غش و قدح مصقول
شراب لعل ز جام بلور کش کہ بہ ہم
دو جوہرند، یکی منعقد، دگر محلول
عَلَم بہ عالم اطلاق زن ز بادۂ لعل
مشو چو فلسفیان قید علّت و معلول
فقیہ و زاہد و عابد نہ مرد این کارند
ببند بر رخ اینان درِ خروج و دخول
چو از فضائل مردان راہ محرومی
چہ سود بحث کہ این فاضل است و آن مفضول
بہ جرم توبہ ز مستان خجل مشو جامی
کہ پیش اہل کرم ہست عذرہا مقبول

(دیوان جامی،۲:۶۱۰)

افطار بہ مَی

عید فطر است بیا تا بہ مَی افطار کنیم
عید گہ خاک در خانۂ خمّار کنیم
آنچہ در صومعہ ازین پیش نہان می کردیم
این زمان با دف و نی بر سرِ بازار کنیم
شیخ سجّادہ نشین را بہ سرِراہ بریم
راہب میکدہ را واقفِ اسرار کنیم
عارفی زندہ دلی رَستہ ز خود، گر یابیم
ہمہ اسرارِ حقیقت بہ وی اظہار کنیم
منع واعظ ز خرافات ز غوغای عوام
نتوانیم ولیکن بہ دل انکار کنیم
یار ما شاہد عشق آمد و باقی ہمہ غیر
چند رُو تافتہ از یار در اغیار کنیم
ہست جز صورت دیوار جہان جامی چند
پشت بر قبلۂ جان، روی بہ دیوار کنیم

(دیوان جامی،۲:۲۸۷)

عشق بازی

خوش آن کہ تو شبِ خواب کنی من بنشینم
تا روز چراغی بنہم روی تو بینم
گاہی بہ تصوّر ز لبت بوسہ ربایم
گاہی بہ تخیّل ز خطت غالیہ چینم
باشد بہ کمانخانۂ ابروی توام چشم
چشمان تو نا کردہ ز ہر گوشہ کمینم
پوئیدن راہ تو بہ سر گر دہدم دست
از شادی آن پای نیاید بہ زمینم
با باد صبا بعد سجودت نکنم روی
ترسم کہ برد خاک درت را ز جبینم
خواہم منِ دلدادہ خود از مہر تو جان داد
ہر دم چہ کُشی خنجر بیداد بہ کینم
جامی مخور اندوہ کہ جز مہر بتان نیست
دینِ تو کہ من در دو جہان شاد بدینم

(دیوان جامی،۱:۵۸۳-۵۸۴)

سخنِ من

من آن نیَم کہ زبان را بہ ہرزہ آلایم
بہ مدح و ذمّ خسان نوکِ خامہ فرسایم
حدیثِ سفلہ خزف، عِقد گوہرست سخن
زہی سفہ کہ من این را بہ آن بیارایم
بہ ژاژ خاییَم از دست رفت مایۂ عمر
کنون ز حسرت آن پشت دست می خایم
ز شَعر شِعر کزین پیش بافتم امروز
جز آبِ دیدہ و خونِ جگر نپالایم
فضای مُلکِ سخن گرچہ قاف تا قاف است
ز فکرِ قافیہ ہر لحظہ تنگ می آیم
سخن چو باد و من از فاعلات و مفعولات
ذراع کردہ شب و روز باد پیمایم
سحر بہ ناطقہ گفتم کہ ای بہ رغم حسود
بہ کارگاہ سخن گشتہ کار فرمایم
کشم ز طبع سخن سنج رنج رخصت دہ
کہ سر بہ جیب خموشی کشم بیاسایم
جواب داد کہ جامی تو گنج اسراری
روا مدار کزین گنج قفل نگشایم

(دیوان جامی، ا: ۵۸۷-۵۸۸)

ہم از ہمہ پنہانی ہم بر ہمہ پیدایی

ہر لحظہ جمال خود نوع دگر آرایی
شورِ دگر انگیزی، شوق دگر افزایی
عقل از تو چہ دریابد تا وصف تو اندیشد
در عقل نمی گنجی، در وصف نمی آیی
پنہانیِ تو پیدا، پیدایی تو پنہان
ہم از ہمہ پنہانی، ہم بر ہمہ پیدایی
زان سایہ کہ افکندی بر خاک گہ جلوہ
دارند ہمہ خوبان سرمایۂ زیبایی
بی پردۂ آب و گل ما را ننمایی رُو
خورشید درخشان را تا کی بہ گل اندایی
ای گشتہ عیان ہر جا، ہر جا کہ شوی پیدا
گردد ز غمت شیدا صد عاشق ہرجایی
جامی ز دویی بگسل، یکروی شود یکدل
باشد کہ کنی منزل در عالم یکتایی

(دیوان جامی، ۱:۸۱۱)

پندارم تویی

بس کہ در جان فگار و چشم بیدارم تویی
ہر کہ پیدا می شود از دُور پندارم تویی

آن کہ جان می بازد و سر در نمی آری، منم
و آن کہ خون می ریزد و سر بر نمی آرم تویی

گر تلف شد جان چہ باک این بس کہ جانانِ منی
ور زکف شد دل چہ غم، این بس کہ دلدارم تویی

گرچہ صد خواری رسد ہر دم ز دست غم مرا
من چہ غم دارم عزیز من کہ غمخوارم تویی

روز را دریوزۂ نور از شب تارِ من است
تا بہ آن روی چو مہ شمع شب تارم تویی

با کہ گویم درد خود یارب درین شبہای غم
آگہ از صبر کم و اندوہ بسیارم تویی

گرچہ نستانی بہ ہیچم بر سر بازار وصل
خود فروشی بین کہ می گویم خریدارم تویی

گفتہ ای یارِ توام جامی مجو یارِ دگر
من بسی بی یار خواہم بود اگر یارم تویی

(دیوان جامی، ا:۸۳۳)

حواشی

زیرِ نظر کتاب

۱۔ مایل ہروی، مقدمہ، **مقامات جامی**: ۱۴-۱۵ حاشیہ ۲۵

۲۔ ایضاً، **شیخ عبدالرحمان جامی**: ۳۱۳

۳۔ ایضاً: ۳۰۸-۳۰۹

۴۔ نوشاہی، ''ملفوظات زین الدین محمود قواس بہدادنی خوافی''، **مقالات عارف**: ۳۷۶-۴۵۹

مقدّمہ

۱۔ براون، **از سعدی تا جامی**: ۷۴۵، ۷۵۴، ۷۹۲

۲۔ خیام پور، فرہنگ سخنوران، ۱: ۲۰۴-۲۰۵ نے جامی کے حالات کے لیے جن مآخذ کی نشان دہی کی ہے، یہ اعداد و شمار اس کی بنیاد پر ہیں۔

۳۔ لاری کے حالات کے لیے دیکھیے: کاشفی، رشحات عین الحیات، ۱: ۲۸۶-۳۰۲؛ عبدالواسع، مقامات جامی: ۱۷؛ بابر، وقائع بابر: ۱۵۰، بابر نے ۹۱۱ھ میں ہرات میں لاری سے اس وقت ملاقات کی تھی جب وہ صاحب فراش تھے؛ بشیر ہروی، مقدمہ بر تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۲-۸؛ محمود عابدی، مقدمہ بر تکملۂ نفحات الانس: یازدہ-بیست وسہ

۴۔ مولوی رحمان علی (۱۸۲۸-۱۹۰۷ء) نے تذکرۂ علماے ہند میں ''لار'' کو ''لاہور'' پڑھ کر عبدالغفور لاہوری بنا دیا ہے (ص ۱۲۵) اور انھیں ہندوستانی عالم کے طور پر اپنے تذکرے میں جگہ دی ہے۔ یہ صریح سہو ہے۔ حیرت ہے محمد ایوب قادری جنھوں نے یہ تذکرہ بڑی محنت سے تدوین و ترجمہ کیا تھا، اس سہو کی طرف توجہ نہیں دی اور اپنے حواشی میں اس بارے میں کچھ نہیں کہا اور حدایق الحنفیہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے کہا ہے، جہاں صاف ''لاری'' لکھا ہے۔

۵۔ کاشفی، رشحات عین الحیات، ۱: ۲۸۶

۶۔ راقم السطور مترجم ۲۷ جولائی ۲۰۱۰ء کو سفر ہرات میں جب مولانا جامی کے مزار پر حاضر ہوا تو لاری کی قبر پر بھی فاتحہ خوانی کی۔ مولانا جامی کے قدموں میں دو تین قبروں کے نشانات ہیں۔ جو قبران کے

قدموں کے سامنے اور نزدیک ترین ہے وہی مولانا لاری کی قبر ہے۔ اس کی تصدیق مولانا جامی کے مزار کے خادم نے بھی کی۔ اس وقت اس قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے اور یہ شکستہ ہے۔

۷۔ یہ رسالہ بہ اہتمام نجیب مایل ہروی، تہران، ۱۳۶۳ش شایع ہوا ہے۔ غضنفر وڑائچ نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو لاہور سے شایع ہوا ہے۔

۸۔ نوائی کے حالات کے لیے بعض جدید مآخذ یہ ہیں:

-صدرالدین عینی، علی شیر نوائی، استالین آباد، ۱۹۴۸ء

-محمد یعقوب واحدی جوز جانی، امیر علی شیر نوائی فانی، شرح زندگانی، آثار عمرانی، مؤلفات ونمونہ نظم ونثر او، محمد یعقوب واحدی جوز جانی، انجمن تاریخ افغانستان، کابل، ۱۳۴۶ش

-بارتولد، زندگانی سیاسی میر علی شیر نوائی، ترجمہ میر حسین شاہ، انجمن تاریخ افغانستان، کابل ۱۳۴۶ش

-صغری بانو شگفتہ، شرح احوال وآثار فارسی امیر علی شیر نوائی متخلص بہ فانی، مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد وانتشارات بین المللی الہدیٰ، تہران، ۱۳۸۴ش / ۲۰۰۵ء

نوائی کی قبر میں نے ہرات کے دونوں اسفار (۱۹۷۶ء و۲۰۱۰ء) میں دیکھی ہے۔ پہلے سفر میں جب اسے دیکھا تو یہ ایک چھوٹا سا باوقار مقبرہ تھا۔ لیکن دوسرے سفر میں اسے تلاش کرنے میں بہت دقت ہوئی۔ میرے ذہن میں ۱۹۷۶ء کا نقشہ تھا اس کے مطابق ہمیں کوئی عمارت نظر نہیں آرہی تھی۔ بہ ہر حال جوینده یابندہ، باغ گوہر شاد میں داخل ہوئے تو سیدھے ہاتھ پر پتھروں سے ساختہ ایک پستہ چار دیواری کے اندر بے نام ونشان قبر مل گئی۔ باغ کے محافظ سے اس عظیم الشان امیر کی قبر کی خستہ حالی کا سبب معلوم کیا تو اس نے بتایا کہ حکومت ازبکستان، جو نوائی کو اپنا قومی شاعر مانتی ہے، اس نے کچھ عرصہ پہلے حکومت افغانستان کی ساختہ عمارت گرادی تھی اور یہاں امیر کے شایان شان نئی عمارت بنانے کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ مزار کے پاس پرانی مشینری اور کرینیں کھڑی نظر آرہی تھیں جو حکومت ازبکستان یہاں چھوڑ کر جا چکی ہے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ تخریب کے اس پہلو سے تعمیر کا پہلو کب ظاہر ہوگا اور امیر علی شیر نوائی کی قبر اس گم نامی کی حالت سے کب نکلے گی؟

۹۔ باخرزی کے حالات کے لیے دیکھیے: خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴:۳۳۹؛ مایل ہروی، **مقدمہ بر مقامات جامی**: ۲۲-۲۵

۱۰۔ **منشأ الانشاء**، بہ کوشش رکن الدین ہمایون فرخ، تہران، ۱۳۵۷ش، جلد اوّل

۱۱۔ اس خاتمہ کا نسخہ، مولوی محمد شفیع مرحوم مرتب مطلع سعدین کے پاس تھا۔

۱۲۔ عبدالواسع، **مقامات جامی**: ۴۳

۱۳۔ ایضاً: ۲۱۵

۱۴۔ ایک نسخہ ابوریحان بیرونی اورینٹل انسٹی ٹیوٹ، تاشقند (نمبر ۱۳۵۴) میں موجود ہے۔

۱۵۔ علی کاشفی کے حالات کے لیے دیکھیے: خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴: ۳۴۶؛ **گلچین معانی**، مقدمہ بر **لطایف الطوایف**؛ معینیان، مقدمہ بر **رشحات**، ج ۱: ۶۵-۹۹

۱۶۔ راقم السطور نے ۲۹ جولائی ۲۰۱۰ء کو سفر ہرات میں پارکِ ہلالی میں فخر الدین علی کاشفی اور ہلالی چغتائی کی قبریں دیکھیں۔ یہ دونوں قبریں ایک ساتھ، کھلے، صاف ستھرے، مفروش چبوترے پر واقع ہیں۔ قبروں پر سبز رنگ کیا گیا ہے۔ سرہانے کی جانب کھڑے ہوں تو دائیں طرف کاشفی کی اور بائیں طرف ہلالی کی قبر پڑتی ہے۔ کاشفی کی قبر پر دو کتبات نصب ہیں۔ ایک سر کی جانب باہر کی طرف، اور دوسرا پاوں کی جانب باہر کی طرف۔ سر کی جانب کتبہ پرانا ہے اور بخط نسخ سفید پتھر پر عبارت کندہ ہے جو سطور کی ترتیب کے مطابق اس طرح ہے:

مرقد منور مولینا الاعظم
فخر الملّة والدين على المشتهر بصفى بن مولانا
المغفور حسين الواعظ كاشفى قدّس الله اسرارهم
قد توفى فيشهر رمضان المبارک ثلاث و ثلاثين و تسعمائة

پائنتی کتبہ نیا ہے جس میں اس قبر کی مرمت کروانے والے کا نام ہے۔ عبارت یہ ہے:

بتائید نظریات سردار عالی ع. ؟
یاور صاحب حضور ملوکانہ نائب الحکومۂ ہرات، بسعی
محمد سعید خان مشعل رئیس بلدیہ ہرات تجدید عمران یافت

۱۷۔ کشمی، **نسمات القدس**: ۹۶-۱۱۸

۱۸۔ محمود مرعشی نجفی، ''نسخہ ہای نو یافتہ، بخشی از نسخہ ہای خطی نفیس خریداری شدہ در سال ۱۳۸۴[شمسی]''، **میراث شہاب**، قم، سال ۱۲، شمارہ ۱-۲، مسلسل شمارہ ۴۳-۴۴، ۱۳۸۵ش / ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۹

۱۹۔ ہفت روزہ **کتاب ہفتہ**، تہران، اشاعت ۱۵ ستمبر ۲۰۰۷ء، ص ۱۷

۲۰۔ درایتی، **فہرستوارۂ دست نوشتہ ہای ایران**: صفحہ بیست و بیست و یک

۲۱۔ عبدالواسع، **مقامات جامی**: ۱۳، ۴۰۰

۲۲۔ مایل ہروی، **شیخ عبدالرحمان جامی**: ۱۱

۲۳۔ Erkinov, p.225

۲۴۔ غفور غلام در ''**تجلیل... جامی**''، ص ۱۰۷-۱۰۹؛ افصح زاد، **نقد و بررسی آثار و شرح احوال جامی**، مقدمہ، ص ۲۹-۵۶

۲۵۔ جامی، **دیوان جامی**، ۲: ۴۴۶-۴۵۱

۲۶۔ ایضاً ۲: ۴۴۴-۴۴۶

۲۷۔ یہ کوائف ڈاکٹر نجدت طوسون نے استنبول سے مہیا کیے ہیں۔
۲۸۔ جامی، **نامہ ہا و منشآت جامی**:۲۴۴
۲۹۔ ایضاً:۲۴۴
۳۰۔ افصح زاد، **نقد و بررسی آثار و شرح احوال جامی**:۳۸۳-۴۰۰ ملخصاً؛ نیز: محمود عابدی، ''قطرہ ای از دریا (جامی و امیر خسرو دہلوی)''، **آینۂ میراث**، تہران، ش۳۲، ص۴۲-۵۰
۳۱۔ جامی، **ہفت اورنگ**:۹۲۸-۹۲۷
۳۲۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**:۳۷
۳۳۔ **مناظر الانشا** بہ تصحیح معصومہ معدن کن، فرہنگستان زبان و ادب فارسی، تہران، ۱۳۸۱ش / ۲۰۰۲ء سے شایع ہوئی۔
۳۴۔ صفا، **تاریخ ادبیات در ایران**، ۴:۴۹۹-۵۱۰ ملخصاً
۳۵۔ عبدالواسع، **مقامات جامی**:۲۱۵-۲۱۶
۳۶۔ جامی، **نامہ ہا و منشآت جامی**:۲۳۹، ڈاکٹر محمد باقر لکھتے ہیں کہ **انشائے جامی** میں نو خطوط ایسے ملتے ہیں جن کا مخاطب ایک شخص ملقب بہ ''جلال الحق والملّت غیاث الاسلام والدّین ومغیث المسلمین'' ہے جو اس زمانے میں ہند و پاک کا ملک التجار تھا۔ بظاہر یہ شخص قابلِ احترام اور رموز عرفان و تصوّف سے واقف تھا لیکن موجودہ ذرایع سے اس شخص کے حالات (زندگی) معلوم نہیں ہیں۔ (''روابط ... جامی با ہند و پاکستان''، در ''**تجلیل پنجصد و پنجاہمین سال تولّد ... جامی**'' ص۵۳-۵۴)۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ شخص ملک التجار، محمود گاوان ہی تھا اور جامی نے نام لیے بغیر محض توصیفی القاب استعمال کیے ہیں۔
۳۷۔ صفا، **تاریخ ادبیات در ایران**، ۴: ۵۰۷-۵۰۸؛ **دیوان جامی**، ۱:۱۲۴-۱۳۲ میں اس قصیدے کا عنوان ''این نامۂ خواجۂ جہان راست جواب'' ہے۔
۳۸۔ محمود گاوان، **ریاض الانشاء**، خطوط ۲، ۳۸، ۴۰، ۵۸، ۶۴، ۱۰۲، ۱۳۱ جامی کے نام ہیں۔
۳۹۔ ایضاً:۲۲
۴۰۔ جامی، **نامہ ہا و منشآت جامی**:۲۴۴-۲۴۵
۴۱۔ ایضاً:۲۸۴
۴۲۔ محمد بیدری، **مدرسہ محمود گاوان بیدر**:۵۶-۵۷، لکھتے ہیں کہ جامی نے **نفحات الانس** محمود گاوان کی فرمایش پر تصنیف کی، یہ بات صحیح نہیں ہے۔
۴۳۔ محمد باقر، ''روابط ... جامی با ہند و پاکستان''، ص۵۵
۴۴۔ محمد ایوب قادری، ابتدائیہ، **سیر العارفین**: ۱۹؛ برّصغیر کے مشایخ کے حوالے سے خصوصی تذکروں

میں مشائخ چشتیہ کے تذکرے **سیر الاولیا** کو تقدم حاصل ہے۔

۴۵۔ جمالی، **سیر العارفین**: ۱۹۶-۱۹۸

۴۶۔ ایضاً: ۱۵۴

۴۷۔ خوشگو، **سفینۂ خوشگو**، ۲: ورق ۱۲ اب؛ **سفینۂ خوشگو**، ۲: ۱۷۰، طبع تہران، ۲۰۱۰ء

۴۸۔ آفتاب رائے، **ریاض العارفین**، ۱: ۱۶۴

۴۹۔ راشدی، مقدمۂ **مہر وماہ**: ۱۷-۴۳

۵۰۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۳۷

۵۱۔ جامی، **نامہ ہا ومنشآت جامی**: ۲۸۵

۵۲۔ ایضاً: ۲۷۴

۵۳۔ عبدالحق دہلوی، **اخبار الاخیار**: ۴۰۳؛ مفتی غلام سرور لاہوری نے **خزینۃ الاصفیاء** میں مخدوم محمد حسینی اچی کے حالات میں یہ بات لکھی ہے، ''عارف نامی مولانا عبدالرحمٰن جامی بہ استماع خبر فضائل آنجناب اشعارات تصنیف کردہ خود بہ جانب آنجناب می فرستاد۔''، (۱: ۱۱۶) مفتی صاحب نے یہ بات یقیناً **اخبار الاخیار** سے لی ہے۔ وہاں یہی بات مخدوم محمد حسینی کے بیٹے سیّد عبداللہ (م: ۹۷۸ھ) کے ذکر میں آئی ہے، الفاظ کم وبیش وہی ہیں: ''سیّد عبداللہ کہ در فضیلت ولطافت طبع وسلامت قریحہ در زمان خود نظیر نداشت، گویند حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی بہ استماع خبر فضائل او، بہ جانب او اشعار می فرستادند۔'' یہاں اگر روایت دیکھی جائے تو محدّث دہلوی کی بات صحیح ہے اور اگر درایت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو جامی (۸۱۷-۸۹۸ھ) اور مخدوم محمد حسینی (۸۳۳-۹۲۳ھ) کا عہد ایک ہی ہے، جب کہ سیّد عبداللہ (م: ۹۷۸ھ) جامی سے متاخر تر تھے۔

۵۴۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۱۷-۱۸

۵۵۔ لودھی، **مرآت الخیال**: ۷۳

۵۶۔ بہار، **سبک شناسی یا تاریخ تطور نثر فارسی**، ۳: ۲۲۷

۵۷۔ نوشاہی، **کتاب شناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ**، ۱: ۶۵۵-۶۵۶، ۷۵۶؛ ۳: ۱۶۹۷-۱۷۰۹

۵۸۔ منزوی، **فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان**، ۷: ۵۴۶-۵۴۹؛ نوشاہی، **کتاب شناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ**، ۳: حصہ نظم تحت جامی

۵۹۔ منزوی، **فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان**، ۷: ۵۵۶

۶۰۔ رحمان علی، **تذکرۂ علمائے ہند** (اردو ترجمہ): ۴۵۷

۶۱۔ عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ۵: ۲۶۱؛ رحمان علی، تذکرۂ علمای ہند: ۱۳۵

۶۲۔ محمد غوثی، **گلزار ابرار**: ۴۶۶

۶۳۔ رحمان علی، **تذکرۂ علمای ہند**: ۱۴۰
۶۴۔ محمد اسحاق، فقہاے ہند، ۴: ۲۶۹
۶۵۔ زبید احمد، **عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ**: ۲۰۲
۶۶۔ رحمان علی، **تذکرۂ علمای ہند**: ۲۴۸
۶۷۔ منزوی، **فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان**، ۱۳: ۲۵۵۰
۶۸۔ نوشاہی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی موزۂ ملّی پاکستان**: ۳۶۶
۶۹۔ عبدالمقتدر، **مرآت العلوم**، ۱: ۱۱۷
۷۰۔ رحمان علی، **تذکرۂ علمای ہند**، ۸۸
۷۱۔ ایضاً، ۳۶
۷۲۔ منزوی، **فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان**، ۱۳: ۲۵۵۳
۷۳۔ عبدالحی، **نزہتہ الخواطر**، ۴: ۲۱۶؛ رحمان علی، **تذکرۂ علمای ہند**: ۲۷
۷۴۔ عبدالحی، **نزہتہ الخواطر**، ۵: ۹۸؛ رحمان علی، **تذکرۂ علمای ہند**: ۱۴۰
۷۵۔ عبدالحی، **نزہتہ الخواطر**، ۵: ۲۶۱؛ رحمان علی، **تذکرۂ علمای ہند**: ۱۳۴
۷۶۔ منزوی، **فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان**، ۷: ۱۸۶۰
۷۷۔ مجدّدی، **احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری**: ۱۳۳
۷۸۔ نوشاہی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی موزۂ ملّی پاکستان**: ۲۶۳
۷۹۔ اختر راہی، **ترجمہ ہای متون فارسی بہ زبان ہای پاکستانی**: ۱۱۱-۱۱۲
۸۰۔ محمد سعید، **مرآت العاشقین** (فارسی): ۱۶، ۴۵، ۲۱۸
۸۱۔ زبید احمد، **عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ**: ۱۱۲
۸۲۔ اختر راہی، **ترجمہ ہای متون فارسی بہ زبان ہای پاکستانی**: ۲۲۷
۸۳۔ جہان آرا، **صاحبیہ**: ۱۹
۸۴۔ عبدالباقی سہسوانی، **حیات العلماء**، ۱۹
۸۵۔ غلام نظام الدین مرلووی، ''ایک سو ایک سال بعد'' ضمیمہ محمد سعید، **مرآت العاشقین** (اردو ترجمہ)، ۲۹۸
۸۶۔ منزوی، **فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان**، ۷: ۵۷۷-۵۸۷؛ اختر راہی، **ترجمہ ہای متون فارسی بہ زبان ہای پاکستانی**: ۲۸۰-۲۸۲؛ نوشاہی، **کتاب شناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ**، ۳: ۱۷۰۷
۸۷۔ اختر راہی، **تذکرۂ مصنّفین درسِ نظامی**: ۱۸، ۲۰
۸۸۔ نورالحسن راشد کاندھلوی، ''دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور کا سب سے پہلا نصاب''، **احوال**

وآثار، کاندھلہ، محرم-ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء، مسلسل شمارہ ۱۷، ص ۹۵، ۹۹

۸۹۔ ابوالحسن ندوی، ہندوستان میں قدیم اسلامی درسگاہیں: ۱۲۳

۹۰۔ قانع تتوی، مقالات الشعراء: ۸۵-۶۷۶ گوپاموی؛ نتائج الافکار: ۵۹۹؛ ہدایت، ریاض العارفین: ۲۰۲

۹۱۔ داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء: ۸۳

۹۲۔ ایضاً

۹۳۔ نوشاہی، کتابشناسی آثار فارسی چاپ شدہ درشبہ قارہ، ۱: ۵۹۴

دیباچہ ازمؤلف

اس دیباچے کے حواشی خود حکمت کے تیار کردہ ہیں، ہم نے محض ترجمہ کیا ہے۔نوشاہی

۱۔ امیر نظام الدین علی شیر متخلّص بہ نوائی، متولّد ۸۴۴ھ، متوفی ۹۰۶ھ اکابر میں سے ہے۔علم وادب کا حامی اوراہلِ علم وفضل کا پشت پناہ۔ ہرات میں سلطان حسین بایقرا کے (دربار کے) امراء کا مقدم تھا۔نوائی کے باقیات صالحات (اب بھی) موجود ہیں، اس کی تصانیف ترکی اور فارسی زبان میں ہیں اور جریدۂ عالم پر ثبت۔ اس کے حالات کے لیے دیکھیے: ۱۔تاریخ حبیب السیر ۔۲۔مسیو بلن (Blin) کا مقالہ مندرج در جرنل ایشیاٹک (Journal Asiatique) سال ۱۸۶۱ء۔۳۔تذکرۂ مجالس النفائس، فارسی۔

۲۔ خمسۃ المتحیرین، امیر نظام الدین علی شیر نوائی کی اس کتاب کا نام ہے جوانھوں نے جامی کے حالات میں لکھی۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، تین مقالات اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔مجموعی طور پر یہ پانچ باب بنتے ہیں۔ چونکہ بزعم مؤلف قارئین کے لیے (مضامین کی یہ ترتیب وتقسیم) موجب حیرت ہے، لہٰذا اس کا نام خمسۃ المتحیرین رکھا گیا۔ یہ کتاب چغتائی ترکی زبان میں ہے اور حال ہی میں فاضل محترم جناب حاج محمد آقای نخجوانی نے اسے سلیس فارسی میں منتقل کیا ہے اور ازراہِ اخلاص ومحبت یہ ترجمہ ہمیں استفادہ کے لیے دیا ہے۔[اب یہ فارسی ترجمہ شایع ہو چکا ہے، دیکھیے فہرست مآخذ، مترجم]

۳۔ ظہیر الدین محمد بابر (۸۸۷-۹۳۷ء)، ہندوستان میں سلطنتِ گورکانیہ (مغلیہ) کا بانی۔ یہ سلطنت ۱۸۵۷ء میں ختم ہوگئی۔اس کی کتاب بابرنامہ چغتائی ترکی زبان میں ہے، جو اُس کے خودنوشت سوانح ہیں، اسے المنسکی (Ilminsky) نے ۱۸۵۷ء میں غازان سے شائع کیا۔۱۹۰۵ء میں مکرر شائع ہو چکی ہے۔

۴۔ امیر دولت شاہ بن امیر علاء الدولہ بختی شاہ سمرقندی، مؤلف کتاب تذکرۃ الشعراء، متوفی ۸۹۶ھ۔حالات کے لیے دیکھیے: ۱۔تذکرہ مرآت الصفا۔۲۔تذکرۂ مجالس النفائس، تألیف میر علی شیر۔۳۔تاریخ ادبیات ایران، تألیف براؤن، جلد سوم۔

۵۔ معز السلطنۃ والدّین ابوالنصر سام میرزا، شاہ اسمٰعیل اوّل صفوی کا دوسرا بیٹا متولّد ۹۲۳ھ، متوفی ۹۸۴ھ حالات کے لیے ملاحظہ ہو: ا۔ حبیب السیر ؛ ۲۔ تحفۂ سامی، طبع تہران؛ ۳۔ احسن التواریخ، حسن روملو۔
4. Rieu, Charles: *Catalogue of the Persian Manuscripts in* the *British Museum*, vol. 1

۶۔ غیاث الدین بن ہمام الدین معروف بہ خواند میر، کتاب **حبیب السیر** کا مؤلف، جو ۹۲۹ھ میں لکھی گئی، متوفی ۹۴۱ھ۔

۷۔ یہ بات ایڈورڈ براؤن (Edward G. Browne) متولد ۱۸۶۲ء، متوفی ۱۹۲۶ء نے **تاریخ ادبی ایران** *A Literary History of Persia*, vol. III میں لکھی ہے۔

۸۔ دیکھیے: کیپٹن ناسولیس (Naussau Lees) کا **نفحات الانس** پر مفصّل مقدمہ۔

باب اوّل

۱۔ اشعری مکتب کلام، ابوالحسن اشعری (۲۶۰، تقریباً ۳۳۰ھ/ ۸۷۴-تقریباً ۹۴۲ء) سے چلا۔ جن آیات سے تشبیہہ (خدا کے مشابہہ مخلوقات ہونے) کا وہم پڑتا ہے، اشعری اُن سے احتجاج کرتے ہیں اور اُسے موجب تشبیہہ قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اُن کے ہاں عقائد سے متعلق مسائل میں احادیث سے احتجاج کیا جا سکتا ہے۔ حنبلی اور اشعری افکار و عقائد میں یگانگت موجود ہے۔ دیکھیے: ابوزہرہ مصری **اسلامی مذاہب**: ۲۲۰-۲۲۷

۲۔ عضد الدین عبدالرحمان ایجی شافعی (۷۰۸-۷۵۶ھ/ ۱۳۰۸-۱۳۵۵ء) علومِ عقلی کے مشہور عالم تھے۔ دیکھیے: کحالہ، **معجم المؤلفین**، ۵: ۱۱۹-۱۲۰، اختر راہی، **تذکرۂ مصنفین درس نظامی**، ۱۶۸-۱۷۰

۳۔ سعد الدین مسعود تفتازانی (۷۱۲-۷۹۱ھ/۱۳۱۲-۱۳۸۹ء) صرف و نحو، فقہ اور منطق وغیرہ کے بلند پایہ عالم تھے۔ دیکھیے: کحالہ، **معجم المؤلفین**، ۱۲: ۲۲۸-۲۲۹، اختر راہی، **تذکرۂ مصنفین درس نظامی**، ۱۰۲-۱۰۷

۴۔ سیّد شریف جرجانی (۷۴۰-۸۱۶ھ/ ۱۲۳۹-۱۴۱۳ء) علوم صرف و نحو اور فلسفہ و کلام کے عالم تھے۔ دیکھیے: کحالہ، **معجم المؤلفین**، ۷: ۲۱۶، اختر راہی، **تذکرۂ مصنفین درس نظامی**، ۱۰۸-۱۱۵

۵۔ خواجہ نصیر الدین محمد طوسی (۵۹۷-۶۷۲ھ/ ۱۲۰۱-۱۲۷۴ء) ریاضی، فلسفہ و منطق وغیرہ پر بے شمار کتب لکھیں۔ دیکھیے: اختر راہی، **تذکرۂ مصنفین درس نظامی**، ۲۵۳-۲۶۱؛ کحالہ، **معجم المؤلفین**، ۱۱: ۲۰۷-۲۰۸، صفا، ذبیح اللہ، **یادنامۂ خواجہ نصیر الدین طوسی**، تہران، دانشگاہ تہران، ۱۳۳۶ش/ ۱۹۵۷ء

۶۔ ابومنصور شیخ حسن بن سدید الدین یوسف علامہ حلّی (۶۴۸-۷۲۶ھ/ ۱۲۵۰-۱۳۲۵ء) شیعہ مذہب کے مروّج اور علوم فقہ و اصول وغیرہ میں متعدد کتب کے مصنف ہیں۔

۷۔ شیخ محمد بن مکی شہید اوّل (۷۳۴-۷۸۶ھ/ ۳۴-۱۳۳۳-۱۳۸۴ء) مذہب امامیہ کے اکابر علما میں سے تھے۔

۸۔ نویں صدی ہجری اور دسویں صدی ہجری کے اوائل میں تیموریوں کی مذہبی پالیسی اور بالآخر ایران میں سرکاری مذہب تشیع قرار پانے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: صفا، **تاریخ ادبیات در ایران**، ۴: ۴۳-۶۱

۹۔ **ظفر نامہ** شرف الدین علی یزدی (م: ۸۵۸ھ/ ۱۴۵۴ء) نے ۸۲۸ھ میں لکھا۔ یہ نثری کتاب تیمور کے مفصّل حالات پر نہایت اہم مأخذ ہے۔ دیکھیے: صفا، **تاریخ ادبیات در ایران**، ۴: ۲۹۹-۳۰۹، ۴۸۳-۴۸۶، **ظفر نامہ**، بہ تصحیح و اہتمام محمد عباسی، دو جلد، تہران، ۱۳۳۶ش؛ اور بہ تصحیح سعید میر محمد صادق و عبدالحسین نوایی، تہران، ۱۳۸۷ش/ ۲۰۰۸ء شایع ہو چکا ہے۔

۱۰۔ بابا سنگو ایک مجذوب درویش تھے۔ ۷۸۲ھ/ ۱۳۸۰ء میں جب تیمور فتح خراسان کے ارادے سے نکلا اور دریائے آمو یہ عبور کیا تو قصبہ اندخود میں بابا سنگو سے ملاقات کی۔ بابا نے حالت جذب میں سینے کا گوشت

امیر تیمور کی طرف پھینکا۔ تیمور نے اس سے یہ اخذ کیا کہ خدا نے زمین (یعنی خراسان) کا سینہ ہم پر فراخ کر دیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بابا سنگو کی وفات اندخود (نزدیک شبورقان، شمالی افغانستان) میں واقع ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔ خواند میر، **حبیب السیر**، ۳:۵۴۳

۱۱۔ مولانا ابوبکر تائبادی، جامع کمالات صوری و معنوی تھے۔ علوم ظاہری میں مولانا نظام الدین ہروی کے شاگرد تھے۔ جب امیر تیمور نے ہرات فتح کیا تو تایباد (شمال مشرقی ایران) میں مولانا موصوف سے ملاقات کی۔ خواند میر، **حبیب السیر**، ۳:۵۴۳، اسفزاری، **روضات الجنات**، ۲:۳۷

۱۲۔ حروفیہ کا بانی، فضل اللہ نصیحی استرابادی (۷۴۰-۷۹۶ھ یا ۸۰۰-۸۰۲ھ) ہے۔ اس کی مشہور کتاب **جاویدان کبیر** ہے۔ صفا، **تاریخ ادبیات در ایران**، ۴:۶۱-۶۶

۱۳۔ فرقۂ نوربخشیہ کے بانی، سیّد محمد نوربخش قائنی خراسانی (م: ۸۶۹ھ/ ۶۵-۱۴۶۴ء) ہیں۔ ان کے حالات و عقائد کے لیے دیکھیے: محمد شفیع، **مقالات مولوی محمد شفیع**، ۲:۱-۴۷، صفا، **تاریخ ادبیات در ایران**، ۴:۵۸-۶۰

۱۴۔ حضرت خواجہ بہاء الدین محمد نقشبند بخاری (۷۱۸-۷۹۱ھ/ ۱۳۱۸-۱۳۸۹ء) سلسلہ نقشبندیہ، انھی کے نام سے موسوم ہے۔

۱۵۔ مولانا سعد الدین کاشغری (م: ۸۶۰ھ/ ۱۳۵۹ء) کے حالات کے لیے دیکھیے: کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱:۲۰۵-۲۳۲

۱۶۔ خواجہ احرار (م: ۸۹۵ھ/ ۱۴۹۰ء) کے حالات کے لیے دیکھیے: کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۲:۳۶۵-۶۶۶، رشحات کی جلد دوم خواجہ موصوف کے حالات کے لیے مخصوص ہے۔ نیز: **احوال وسخنان خواجہ عبید اللہ احرار**، بہ تصحیح و مقدمۂ عارف نوشاہی، تہران، مرکز نشر دانشگاہی، ۲۰۰۲ء؛ عارف نوشاہی، **خواجہ احرار**، اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء

۱۷۔ اسفزاری، **روضات الجنات**، ۲:۲۴۹-۲۵۰

۱۸۔ جامی، **تحفۃ الاحرار**: ۳۸۳

۱۹۔ جامی، ایضاً: ۳۸۴

۲۰۔ اسفزاری، **روضات الجنات**، ۱:۷۸

۲۱۔ ایضاً، ۱:۸۲

۲۲۔ طاعون کی یہ وبا ۷ رجب ۸۳۸ھ سے ۱۵ ذوالقعدہ ۸۳۸ھ/ ۱۴۳۵ء تک رہی۔ لقمۂ اجل بننے والے لوگوں میں کئی بے بدل اکابر، مشاہیر، ائمہ اور افاضل بھی تھے۔ شیخ زین الدین خوافی اور مشہور موسیقار خواجہ عبد القادر اِسی وبا کا شکار ہوئے۔ اسفزاری، **روضات الجنات**، ۲:۹۲-۹۴

۲۳۔ اسفزاری، **روضات الجنات**، ۲:۹۴

۲۴۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱:۱۰۶-۱۰۸

۲۵۔ ہرات کی تاریخ وجغرافیا، محاسن اور وہاں مدفون اکابر کی تفصیل کے لیے دیکھیے:

۱۔ **آبدات نفیسہ ہرات**، تالیف سرور گویا اعتمادی، کابل، ۱۳۴۳ش

۲۔ **آثار ہرات**، خلیل اللہ خلیلی، تہران، ۱۳۸۲ش/۲۰۰۳ء

۳۔ **برخی از کتیبہ ہا و سنگ نبشتہ ہای ہرات** از رضا مایل، کابل، ۱۳۵۵ش

۴۔ **تاریخ ہرات**، بہ احتمال از شیخ عبدالرحمان فامی ہروی، تہران، ۲۰۰۸ء

۵۔ **رسالہ مزارات ہرات**، بہ ترتیب وتعلیقات فکری سلجوقی، کابل، ۱۹۶۷ء

۶۔ **روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ ہرات**، تالیف معین الدین محمد زمچی اسفزاری، باتصحیح وتعلیقات سیّد محمد کاظم امام، تہران، ۵۹-۱۹۶۰ء،

۲۶۔ عبدالرزاق، **مطلع سعدین ومجمع بحرین**، وقایع سال ۸۱۵ھ، جلد دوم، جز اوّل: ۱۳۱-۱۳۴، شاہرخ کے وہ نصیحت نامے دیکھے جائیں جو اس نے پادشاہ خطا/ ختا کو بھیجے تھے۔

۲۷۔ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۳: ۵۱-۵۴۲ (برائے عہد تیمور) مجموعی طور پر اس عہد کی علمی اور ادبی تاریخ جاننے کے لیے دیکھیے: صفا، **تاریخ ادبیات در ایران**، جلد ۴

۲۸۔ F. R. Martin, *The Minature Painting and Painters of Persia, India and Turkey;*

بحوالہ: براون، **تاریخ ادبی ایران**، ۳: ۵۵۳-۵۵۵

۲۹۔ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴: ۳۳۸

۳۰۔ **لمعات**، شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی (م: ۶۸۸ھ/ ۱۲۸۹ء) کی تصنیف ہے۔ صفا، **تاریخ ادبیات در ایران**، ۳: ۶۹۷

۳۱۔ **گلشن راز**، شیخ محمود شبستری (م: ۷۲۰ھ/ ۱۳۲۰ء) کی تصوّف پر مثنوی ہے۔ صفا، **تاریخ ادبیات در ایران**، ۳: ۷۶۴-۷۶۶

۳۲۔ جامی، **دیوان جامی**، ۱: ۶۴۹

۳۳۔ اسفزاری، **روضات الجنات**، ۲: ۲۶۷

۳۴۔ جامی، **دیوان جامی**، ۱: ۱۷۰

۳۵۔ ایضاً، ۱: ۳۵۸

۳۶۔ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴: ۱۱۱

۳۷۔ اسفزاری، **روضات الجنات**، ۲: ۳۷۴-۳۷۵

۳۸۔ سام میرزا، **تحفۂ سامی**: ۱۴

۳۹۔ سلطان کا ترکی دیوان محمد یعقوب واحدی جوزجانی نے فارسی مقدمے کے ساتھ کابل سے ۱۳۴۶ش میں

شائع کیا ہے۔ **مجالس العشاق** امیر کمال الدین حسین بن شہاب الدین طبسی گازرگاہی کی تصنیف ہے جو اُس نے ۹۰۸ھ میں سلطان حسین بایقرا کے لیے لکھی تھی۔ **تاریخ تذکرہ ھای فارسی**، ۲: ۷۵۷

۴۰۔ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴: ۱۹٦

۴۱۔ **خمسۃ المتحیرین**، ۴۱؛ نیز: **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۴۳

۴۲۔ جامی، **لیلیٰ و مجنون**: ۷٦۲

۴۳۔ ماسیناس ۸-۳۷ قبل مسیح، اکابر روم میں سے تھے۔ ادب سے بے حد لگاؤ تھا۔ مشہور شاعر ہراس اُن کے دوست تھے۔ براون، **تاریخ ادبی ایران**، ۳: ۷۳۸

۴۴۔ نوائی کی تصانیف میں سے کم از کم نسائم المحبۃ، خمسۃ المتحیرین اور **محاکمۃ اللغتین** مطبوعہ صورت میں میں نے دیکھی ہیں۔ نوائی کی تصانیف کی اشاعت کی طرف ازبکستان اور ترکی کے محققین کی توجہ ہے۔

۴۵۔ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴: ۲۵۵

۴٦۔ ایضاً، ۴: ۲۵٦

۴۷۔ جامی، **نامہ ہا و منشآت جامی**، ۲۷۱

۴۸۔ ایضاً: ۲۷۱

۴۹۔ جامی، **انشائے جامی**: ۱۰۲؛ حکمت نے بھی **جامی**: ۳٦ پر اس خط کا متن دے دیا ہے۔ یہ خط **نامہ ہا و منشآت** جامی (طبع تہران) میں نہیں ہے۔

۵۰۔ جامی، **نامہ ہا و منشآت جامی**: ۲۳۹-۲۴۰

۵۱۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۲٦۳

۵۲۔ جامی، **دیوان جامی**، ۱: ۱۱۹

۵۳۔ جامی، **سلسلۃ الذہب**، دفتر سوم: ۲۹۴، ''حکایت سیاست یعقوب سلطان آن عوان شیرازی را''

۵۴۔ جامی، **سلامان و ابسال**: ۳۱۵

۵۵۔ ایضاً: ۳۱۷

۵٦۔ ایضاً: ۳۲۳-۳۲۴

۵۷۔ دیکھیے: منجم باشی، **صحائف الاخبار**؛ **سفرنامۂ تاجر اطالوی**، بحوالہ **جامی**: ۴۰-۴۱؛ حکمت نے ان عمارتوں کی تعریف میں جامی کے چند اشعار بطور نمونہ نقل کیے ہیں۔

۵۸۔ نوائی، **مجالس النفائس**: ۱۱۸، ۲۹۳-۲۹۴

۵۹۔ **انشائے جامی**: ۸۱-۸۷، حکمت نے **جامی**: ۴۱-۴۲ میں اس خط کا اقتباس پیش کیا ہے۔

٦۰۔ امیر کمال الدین حسین ابیوردی (م: ۹۲۰ھ/۱۵۱۴ء)۔ شروع میں امیر علی شیر کی ملازمت کی۔ ۹۸۰ھ میں بلخ میں سلطان بدیع الزمان نے انہیں آستانۂ علیہ شاہیہ کا صدر بنایا۔ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴:

۳۵۱-۳۵۰

۶۱۔ **الفتوحات المکیۃ فی معرفۃ اسرار المالکیۃ والملکیۃ**، شیخ ابن عربی (م: ۶۳۸ھ) کی تصنیف ہے۔ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، ۲: ۱۲۳۸

۶۲۔ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴: ۳۵۰-۳۵۱

۶۳۔ حکمت، **جامی**: ۴۳ میں اِس خط کا مضمون موجود ہے۔

۶۴۔ فریدون بیگ، **منشآت سلاطین**، ۱: ۳۶۱، حکمت، **جامی**: ۴۴-۴۷ میں ان خطوط کا متن موجود ہے۔

۶۵۔ فلوری (Florin) ایک طلائی سکہ جو اُس زمانے میں یورپی ممالک میں رائج تھا اور اب بھی ہالینڈ میں اِسی نام سے چلتا ہے۔ خود جامی نے اِس جانب اشارہ کیا ہے:

فرنگی اصل لیکن شاہ دیندار
رہانیدستشان از دست کفّار

بحوالہ حکمت، **جامی**: ۴۱۰

۶۶۔ جامی، **دیوان جامی**، ۱: ۱۷۴

۶۷۔ جامی، **سلسلۃ الذہب**، ۳: ۲۶۳-۲۶۵

۶۸۔ جامی، **سلسلۃ الذہب**، ۳: ۳۰۸، از شعر:

خاصہ شاہی کہ از مسافت دور
مدت قطع آن سنین و شہور

تا ․

کف جود وی اش مضاعف ساخت
بحر را شرمسار زان کف ساخت

۶۹۔ جامی، **دیوان جامی**، ۲: ۴۴۴

۷۰۔ **ایضاً**، ۲: ۴۴۶-۴۵۱

۷۱۔ طاش کبری زادہ، **الشقائق النعمانیہ فی احوال علما دولۃ العثمانیہ**: ۲۹۴ بحوالہ حکمت، **جامی**: ۵۱

۷۲۔ سنبھلی، **تذکرۂ حسینی**: ۳۶۶-۳۶۹؛ ہدایت، **مجمع الفصحا**، جلد دوم، حصہ اوّل، ۱۱۶-۱۱۷

۷۳۔ قاضی نوراللہ شوشتری (۱۵۴۹-۱۶۱۰ء) کے حالات اور **مجالس المومنین** پر تبصرے کے لیے دیکھیے: **محمد** اکرام، **رودکوثر**، ۳۹۹-۴۰۵

۷۴۔ سام میرزا، **تحفۂ سامی**: ۱۴۳

۷۵۔ **ایضاً**: ۱۶۰-۱۶۴

۷۶۔ **ایضاً**: ۱۶۴

باب دوّم

۱۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**، ۳:۱۸۵۲۰ میں **کلیات جامی** کے بعض نادر نسخوں کی تفصیل موجود ہے جو مصنف کی زندگی میں ۸۷۷ھ اور ۸۹۶ھ کے درمیان لکھے گئے۔ وفاتِ جامی (۸۹۸ھ) سے ایک سو سال بعد لکھے جانے والے **کلیات جامی** کے نسخوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ جہاں تک جامی کے خودنوشتہ کلیات کے مخطوطات کا تعلق ہے، مذکورہ فہرست میں کتابخانہ ملّی، تہران کے دو مخطوطات، مکتوبہ ۸۷۷ھ کو بخط جامی بتایا گیا ہے اور سوویت یونین اکیڈمی آف سائنسز، لینن گراڈ کے نسخہ نمبر D۲۰۴ (۱۶۰۵) مکتوبہ ۲۱ ذی الحجہ ۸۹۰ھ کی نسبت بھی یہی خیال ظاہر کیا گیا ہے، حالانکہ دونوں نسخوں میں جامی کی بعض ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جو ۸۷۷ھ یا ۸۹۰ھ کے بعد تصنیف ہوئیں، لہٰذا یہ سنین کتابت مشکوک نظر آتے ہیں۔

نعیمی، **تاریخ ادبیات افغانستان**، :۲۱۱ نے لکھا ہے کہ جامی کے **رسالۂ مناسک الحج**، **چہل حدیث** کا ترجمہ اور **شرح قصیدۂ ابن فارض** کے کچھ اجزا بخطِ جامی، کابل میوزیم میں ہیں۔

میں نے قومی عجائب گھر پاکستان، کراچی میں **کلیات جامی** کے دو نادر نسخے دیکھے ہیں:

N. M. 1957--913، نستعلیق خوش، بقلم سلطان علی، ربیع الثانی ۸۷۳ھ بمقام ہرات

N. M. 1971-161، نستعلیق خوش، بقلم محمد بن محمد معروف بہ بقال، شوال ۸۷۷ھ

خدا بخش لائبریری، پٹنہ (مخطوطہ نمبر ۱۸۶) **سلسلۃ الذہب**، دفتر اوّل اور **دیوانِ جامی** کو بخط جامی بتایا جاتا ہے۔

۲۔ یہ نسخہ، مکتوبہ ۱۰۲۶ھ، عباس اقبال آشتیانی، تہران کے پاس تھا، مترجم نے **تکملۂ حواشی نفحات الانس** بہ تصحیح بشیر ہروی، مطبوعہ افغانستان، ۱۳۴۳شمسی/۱۹۶۴ء سے استفادہ کیا ہے۔

۳۔ حکمت نے **رشحات عین الجنات** کے ذاتی مخطوطہ سے استفادہ کیا تھا۔ لیکن ہمارے پیشِ نظر **رشحات عین الحیات**، بہ تصحیح علی اصغر معینیان، مطبوعہ تہران، ۱۳۵۶ش ہے۔

۴۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱:۲۸۳

۵۔ **خمسۃ المتحیرین** کے فارسی ترجمہ از محمد نخجوانی (ترجمہ ۱۳۱۹ش) کا مسودہ حکمت کے استعمال میں رہا ہے۔ اب اصل کتاب ترکی سے اور مذکورہ ترجمہ تہران سے شایع ہو چکا ہے۔ ہم نے تہران ایڈیشن کے حوالے دیے ہیں۔

۶۔ **تذکرۂ مجالس النفائس**، فارسی ترجمہ فخری ہروی و حکیم شاہ محمد قزوینی، ایک ساتھ باہتمام علی اصغر حکمت، تہران، ۱۳۲۳ش میں شائع ہو چکا ہے۔

۷۔ **مجالس العشاق**، حسین بایقرا کی نہیں حسین گازرگاہی کی تصنیف ہے۔

۸۔ **الشقایق العمانیہ** کے بہتر ایڈیشن بھی موجود ہیں: دارالکتاب العربی، بیروت و بغداد، ۱۹۷۵ء؛ بہ اہتمام احمد صبحی فرات، ادبیات فیکلٹی، استنبول یونیورسٹی، ۱۹۸۵ء۔ اس کتاب کے عثمانی ترکی میں ترجمہ **حدایق الشقایق** کے علاوہ ترکی زبان میں کئی ذیول / تکملے بھی موجود ہیں۔ **الشقایق العمانیہ** کے مصنف کی نسبت عربی، فارسی، ترکی رسم الخط میں مختلف تلفظ سے لکھی جاتی ہے۔ ہمارے دوست ڈاکٹر نجدت طوسون نے بتایا ہے کہ مصنف کا تعلق طاش کوپرو (Tashkupru (Taskoprü سے تھا جو ترکی کے ایک ضلع Kastamonu کا قصبہ ہے۔ طاش ترکی زبان میں پتھر اور کُپرو / کوپرو پُل کو کہتے ہیں۔ اس بیان کی روشنی میں مصنف کی نسبتِ مکانی کا صحیح املاء ''کُپری زادہ / کوپری زادہ'' ہے۔

۹۔ خرجرد (یا: خرگرد، بعض اوقات: خردجرد یا خردگرد)، ایران کے صوبہ خراسان کی تحصیل خواف کی ایک قدیم آبادی ہے۔ شاہرخ کے وزیر غیاث الدین پیر احمد خوافی نے یہاں ۸۴۸ھ میں مدرسۂ غیاثیہ بنوایا۔ تربت جام، جہاں شیخ احمد جام ژندہ پیل کا مقبرہ ہے، دوسرا قصبہ ہے اور یہ بھی صوبہ خراسان میں اور خواف کے نزدیک ہے۔ خوانساری، **روضات الجنات**، ۵: ۲۸۶ نے بلا تحقیق خرجرد کو ''از بلاد ماوراء النہر'' لکھ دیا ہے۔ نیز: بشیر ہروی، تعلیقات بر **تکملہ حواشی نفحات الانس**: ۸۱، فصیحی، **مجمل فصیحی**، ۳: ۳۰۶

۱۰۔ جامی اپنے دیوان **فاتحۃ الشباب** میں ''جامی'' نسبت کی وجہ تسمیہ یوں بتاتے ہیں: ''چون مولد این فقیر ولایت جام است کہ مرقد مطہر و مشہد معطر شیخ الاسلام احمد الجامع - قدس اللہ سرہ السامی - آنجا است، و این معنی را رشحہ ای از جام ولایت وی می دانم، تحقیق نسبت را بہ ولایت جام و جام ولایت شیخ الاسلام، جامی تخلص کردہ شد۔'' **دیوانِ جامی**، ۱: ۴۰، نیز دیکھیے: لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۴۰، ۸۱-۸۲

۱۱۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۲۳۳-۲۳۴ میں درج ہے کہ جامی کی نسبت امام محمد شیبانی تک پہنچتی ہے جو حنفی مذہب کے مجتہد تھے اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے دوست اور اکابر شاگردوں میں سے تھے۔ مولانا جامی کے والد نظام الدین احمد دشتی اور جدّ مولانا شمس الدین محمد دشتی اہلِ علم و تقویٰ تھے جو حوادثِ روزگار کے سبب اپنے وطن مالوف سے ولایت جام میں آ گئے اور قضا و فتویٰ کا کام سنبھالا۔ جامی کی جدّہ امام محمد شیبانی کی اولاد سے تھیں کیونکہ امام مذکور کی اولاد سے قوام الدین محمد بھی اپنے وطن سے ہجرت کر کے جام آ گئے تھے۔ انھوں نے اپنی بیٹی مولانا شرف الدین حاجی شاہ مفتی کے حبالۂ نکاح میں دے دی۔ مفتی صاحب کی بیٹی، مولانا شمس الدین محمد دشتی کے نکاح میں آئی جن میں جامی کے والد نظام الدین احمد پیدا ہوئے۔ جب تک جامی کے آبا ولایت جام میں مقیم رہے وہ اپنے نام کے ساتھ نسبت مکانی ''دشتی'' ہی لکھتے رہے، لیکن جب وہاں سے ہرات چلے گئے تو دشتی کے بجائے ''جامی'' لکھنے لگے۔

ملاّ عبدالنبی فخر الزمانی قزوینی نے **تذکرۂ میخانہ**، ص ۱۰۰ میں جامی کے جدّ کا نام قوام الدین حسن لکھا ہے جو جامی کے قرابت دار، صاحبِ **رشحات** کی روایت کی موجودگی میں صحیح نہیں ہے۔

عبدالحسین زرّین کوب نے **با کاروان حلّہ**: ۲۹۱ میں لکھا ہے کہ جامی کے سفر حجاز ۸۷۷ھ میں ان کی والدہ

بھی ساتھ تھیں۔

۱۲۔ یہ اشعار **بوستانِ سعدی**، باب نہم، بہ کوشش خرمشاہی، تہران، ۱۳۷۹ش، ص ۳۳۴ سے ہیں۔

۱۳۔ شاہ اسمٰعیل صفوی نے ہرات پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے مذہبی تعصب کی بنا پر یہ شاندار عمارت گرادی۔ میں ۱۹۷۶ء میں جب ہرات گیا اور حضرت جامی کی قبر دیکھی تو اس کی حالت خستہ اور توجہ کی محتاج تھی۔ ۲۰۱۰ء میں دوبارہ وہاں گیا تو قبر کی تعمیر نو سنگ مرمر سے ہو چکی تھی۔

۱۴۔ یہ تمام مضمون لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۳۹-۴۳ سے تلخیص و ترجمہ کیا گیا ہے۔

۱۵۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۲: ۳۵-۳۹

۱۶۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۲۳۵-۲۳۸

۱۷۔ **مختصر تلخیص**، علامہ سعد الدین تفتازانی نے **تلخیص المفتاح** تألیف خطیب دمشق (م: ۷۳۹ھ) پر شرح لکھی ہے۔ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، ۱: ۴۷۴

۱۸۔ **شرح مفتاح**، سکاکی کی **مفتاح العلوم** کے تیسرے حصے پر تفتازانی نے شرح لکھی ہے۔ اختر راہی، **تذکرۂ مصنفین درسِ نظامی**: ۱۰۴

۱۹۔ **مطوّل**، **تلخیص المفتاح** پر تفتازانی کی شرح ہے۔ مذکورہ تینوں کتابیں علمِ معانی و بیان میں ہیں۔

۲۰۔ اس حاشیہ سے مراد غالباً **حاشیۂ میر** ہے جو میر سیّد شریف نے **مطوّل** پر لکھا۔ تعلیقات بشیر ہروی بر **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۵۳

۲۱۔ شہاب الدین محمد جاجرمی بظاہر مولانا شمس الدین محمد جاجرمی سے الگ شخصیت ہے۔ بشیر ہروی، تعلیقات بر **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۵۴

۲۲۔ **تلویح**، تفتازانی کی **تنقیح الاصول** از عبید اللہ بن مسعود (م: ۷۴۷ھ) پر شرح ہے۔ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، ۱: ۴۹۶

۲۳۔ عثمان بن عبداللہ خطائی حنفی معروف بہ مولانا زادہ (نظام الدین) علم اصول و بیان کے عالم تھے۔ انھوں نے تفتازانی کی کتابوں پر حواشی لکھے۔ ۹۰۱ھ/۱۴۶۰ء میں وفات پائی۔ کحالہ، **معجم المؤلفین**، ۵: ۲۵۸

۲۴۔ قاضی زادۂ روم صلاح الدین موسیٰ بن احمد، قاضی محمودی کے نواسے تھے اور سلطان مراد عثمانی (۷۶۱-۷۹۲ھ) کے عہد میں بروسہ کے قاضی تھے۔ ۸۴۱ھ/ ۳۸-۱۴۳۷ء سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ بشیر ہروی، تعلیقات **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۵۵؛ کحالہ، **معجم المؤلفین**، ۱۱: ۳۱۹، ۱۳: ۴۷

۲۵۔ مولانا فتح اللہ تبریزی علوم معقول و منقول میں ماہر تھے اور مدتوں سلطان سعید کی ملازمت کی۔ درس و تدریس بھی کرتے۔ ربیع الآخر ۸۶۷ھ/۱۴۶۳ء میں وفات پائی۔ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴: ۱۰۲

۲۶۔ دریائے آمو، پرانا نام جیحون ہے۔ افغانستان اور سابق سوویت یونین کی جمہوریتوں کی حد فاصل۔

۲۷۔ مولانا علاء الدین علی قوشچی بچپن ہی سے مرزا الغ بیگ (۸۱۰-۸۵۳ھ) کے منظورِ نظر تھے۔ ان کی

تصانیف میں سے شرح تجرید خواجہ نصیر الدین طوسی مشہور ہے۔ آخری عمر میں روم چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ خواند میر، **حبیب السیر**، ۴: ۳۸، اختلافی بحث کے لیے دیکھیے: بشیر ہروی، تعلیقات **تکملۂ حواشی نفحات الانس**، ۴۹-۵۱

۲۸۔ ''نفسِ قدسی''، فلسفے کی اصطلاح میں اس قوّت کو کہتے ہیں جس میں تفکّر کی مدد کے بغیر ہی مختصر ترین مدت میں مشکل مسائل کو سمجھ لیا جائے۔ ابنِ سینا نے **الاشارات والتنبیہات** میں اس کی بہترین تشریح کی ہے۔ بشیر ہروی، تعلیقات بر **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۵۱

۲۹۔ مولانا معین الدین تونی، سلطان سعید کے زمانے کے اکابر علما میں سے تھے۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد ان کے درس سے مستفید ہوئی۔ خواند میر، **حبیب السیر**، ۴: ۱۰۳

۳۰۔ کاشفی، رشحات عین الحیات، ۱: ۲۳۵-۲۳۸؛ جامی کا اکتساب علم، لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۱۱ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

۳۱۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۹

۳۲۔ جامی، **تحفۃ الاحرار**، ۴۲۰-۴۲۱، وہاں ہمارے درج شدہ اشعار میں سے دوسرا اور تیسرا شعر موجود نہیں ہے۔

۳۳۔ جامی، **سلسلۃ الذہب**، ۱: ۷۶-۷۷

۳۴۔ مولانا نظام الدین خاموش (م: ۸۶۴ھ/ ۵۹-۱۴۶۰ء) ملقّب بہ پیر تسلیم کے حالات کے لیے دیکھیے: جامی، **نفحات الانس**، ۴۰۴-۴۰۷؛ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۱۹۰-۲۰۵

۳۵۔ خواجہ علاء الدین عطّار (م: ۲۰ رجب ۸۰۲ھ/ ۱۴۰۰ء) کے مفصّل حالات کے لیے ملاحظہ ہو: کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۱۳۹-۱۵۸

۳۶۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۱۲-۱۴

۳۷۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۲۴۲-۲۴۶

۳۸۔ خواجہ محمد پارسا بخاری (۷۵۶-۸۲۲ھ/ ۱۳۵۵-۱۴۱۹ء) کے لیے دیکھیے: کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۱۰۱-۱۰۴؛ احمد طاہری عراقی، مقدمہ بر قدسیہ، تہران، ۱۹۷۵ء؛ ملک محمد اقبال، مقدمہ بر **رسالۂ قدسیہ**، راول پنڈی، ۱۹۷۵ء

۳۹۔ جامی، **نفحات الانس**: ۳۹۷-۳۹۸

۴۰۔ ایضاً: ۴۵۴

۴۱۔ خواجہ ابونصر پارسا (م: ۸۶۵ھ/ ۶۱-۱۴۶۰ء) کے حالات کے لیے دیکھیے: جامی، **نفحات الانس**: ۴۰۱؛ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۱۱۱-۱۱۳؛ عارف نوشاہی، ''ابو نصر پارسا''، **دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی**، تہران، ۱۹۹۴ء، ۶: ۳۱۸-۳۱۷

۴۲۔ جامی، **نفحات الانس**:۴۰۱

۴۳۔ شیخ بہاء الدین عمر چغارگی (م: ۸۵۷ھ/۱۴۵۳ء) کا سلسلۂ طریقت شیخ علاء الدولہ سمنانی سے ملتا ہے۔ حکومتی حلقوں میں بھی ان کا بہت اثر و رسوخ تھا۔ خواجہ احرار جب تک ہرات میں مقیم رہے، ہفتے میں دو تین بار شیخ سے ملنے جاتے تھے۔ دیکھیے: جامی، **نفحات الانس**: ۴۵۶-۴۵۸؛ نوشاہی، **احوال وسخنان خواجہ عبید اللہ احرار**: ۴۰۷؛ راقم السطور ۳۰ جولائی ۲۰۱۰ء کو سفر ہرات میں شیخ کی لحد پر حاضر ہوا تھا۔ ہرات کے محلہ خیابان میں، ایرانی سرحد کی طرف جانے والی سڑک کے داہنے کنارے موٹر رکشاپوں کے پیچھے ایک احاطہ (چاردیواری) ہے۔ احاطے کے اندر داخل ہوا تو مغربی جانب ویران اور مقفل دو کمرے نظر آئے جو شاید چوکیدار کے ہوں گے لیکن آثار سے معلوم ہو رہا تھا یہاں مدتوں کوئی داخل نہیں ہوا۔ احاطے کے اندر بھی جھاڑ جھنکار تھا۔ احاطے میں مشرقی جانب دو قبریں ہیں۔ ایک لمبی اور ایک چھوٹی۔ لمبی قبر شیخ بہاء الدین عمر کی ہے اور چھوٹی قبر تاریخ **روضۃ الصفا** کے مصنف امیر محمد خواوند (م: ۹۰۳ھ) کی ہے۔ دونوں مزارات پر کتبے نصب ہیں۔ شیخ بہاء الدین عمر کا کتبہ وہی ہے جو فکری سلجوقی نے نقل کیا ہے (**خیابان**، ۷۹-۸۰)۔ امیر محمد خواوند کی قبر کا کتبہ فکری سلجوقی کے زمانے میں نہ تھا اور انھوں نے امید ظاہر کی تھی کہ "لوح وسنگ مزارش ساختہ شود۔" اب کتبہ نصب ہو چکا ہے، احقر فکری سلجوقی کی یاد میں اسے نقل کر رہا ہے:

هذا المرقد المنور والتربت المعظم
للمولانا المعظم الامير محمد خواوند
ابن السيّد الاجل الاكرم برهان
الملة والدين خواوند شاه الزيدى
الحسينى قدس الله سرّ السامى واتفق
وفاته فى ثانى ذيقعده سنه ثلاث و تسعمائة

۴۴۔ چغارہ [یا: بغارہ، بقارہ]، ہرات کے قریب، ہری رود کے کنارے واقع ہے۔

۴۵۔ پورا واقعہ **رشحات** میں درج ہے۔ یہ شعر **نفحات الانس**: ۴۵۷ میں بھی نقل ہوا ہے۔

۴۶۔ خواجہ شمس الدین محمد کوسوئی (م: ۲۶ جمادی الاوّل ۸۶۳ھ/۱۴۵۹ء)، کوسو، ہرات کا ایک گاؤں ہے جس کا موجودہ نام "کہسان" ہے۔ جامی، **نفحات الانس**: ۴۹۷-۴۹۸؛ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴: ۶۰

۴۷۔ جامی، **نفحات الانس**: ۴۹۸

۴۸۔ مولانا جلال الدین ابویزید پورانی (م: ۱۰ ذیقعدہ ۸۶۲ھ/ ۱۴۵۸ء)، پوران، ہرات سے مشرق میں واقع ایک گاؤں ہے۔ جامی، **نفحات الانس**، ۵۰۲-۵۰۳؛ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴: ۶۰

۴۹۔ جامی، **نفحات الانس**، ۵۰۳

۵۰۔ مولانا شمس الدین محمد اسد (م: رمضان ۸۶۴ھ/ ۱۴۶۰ء مدفون گازرگاہ، ہرات) کے حالات کے لیے دیکھیے: جامی، **نفحات الانس**، ۴۵۸-۴۵۹؛ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴: ۶۱

۵۱۔ جامی، **نفحات الانس**: ۴۵۹

۵۲۔ کاشفی کے علاوہ کچھ اور معاصرین نے بھی خواجہ احرار کے مقامات اور ملفوظات پر کتابیں تیار کی تھیں۔ راقم السطور نے انھیں **احوال و سخنان خواجہ عبیداللہ احرار** میں جمع کر کے شایع کیا ہے۔

۵۳۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۲۴۷-۲۴۹

۵۴۔ حکمت نے یہ اشعار **سلسلۃ الذہب** سے نقل کیے ہیں۔

۵۵۔ جامی، **تحفۃ الاحرار**: ۳۸۲-۳۸۴

۵۶۔ ایضاً: ۳۸۴

۵۷۔ ایضاً: ۳۸۴

۵۸۔ ایضاً: ۳۸۹-۳۹۴

۵۹۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۲: ۴۵۴-۴۵۹

۶۰۔ **دیوانِ جامی**، ۲: ۴۶۰-۴۶۱

۶۱۔ **رشحات عین الحیات**، ۱: ۲۸۳-۲۸۶

۶۲۔ ہدایت نے **ریاض العارفین**: ۱۵۴ و ۳۸۹ میں مولانا حسین واعظ کاشفی کو مولانا جامی کا داماد اور فخر الدین علی صاحبِ **رشحات** کو جامی کا نواسہ لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ جامی کے چار بیٹوں کے سوا کوئی مادینہ اولاد نہیں تھی۔ فخر الدین علی اگر جامی کے نواسے ہوتے تو **رشحات** میں اپنی اس قرابت داری کا ضرور ذکر کرتے۔

۶۳۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ۱۶۴-۱۶۹، مطلع:

این کہن باغ کہ گل پہلوی خار است در او
نیست یک دل کہ نہ زان خار فگار است در او

۶۴۔ جامی، **خردنامۂ اسکندری**: ۹۱۹، ضیاء الدین یوسف ۲۵ شوال ۹۱۹ھ/ ۱۵۱۳ء کو فوت ہوئے۔

۶۵۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۲: ۴۰۰-۴۰۱

۶۶۔ مولانا محمد جامی کا انتقال ۸۷۷ھ/ ۳-۱۴۷۲ء میں ہوا۔ انھیں مولانا سعد الدین کاشغری کے جوار میں دفن کیا گیا لیکن اب قبر کا کوئی نشان نہیں ہے۔ فکری سلجوقی، **مزاراتِ ہرات**: ۱۱۰ (متن)؛ ۵۵-۵۶ (تعلیقات)؛ فکری سلجوقی، خیابان، ۹۷

۶۷۔ نوائی، **مجالس النفائس**: ۲۳، ۱۹۷

۶۸۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ۱۵۹-۱۶۴، مطلع:

تا کی زمانہ داغ غمم بر جگر نہد

یک داغ نیک نا شدہ، داغی دگر نہد

۶۹۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۲۶۴ میں جامی کی اپنی ایک تحریر کے حوالے سے سفر حجاز کی منزل بہ منزل تاریخ وار تفصیل اس طرح درج ہوئی ہے:

ہرات سے روانگی:	۱۶ ربیع الاوّل ۸۷۷ھ/ ۲۱ اگست ۱۴۷۲ء
بغداد پہنچنا:	اواسط جمادی الاخر
دجلہ کنارے:	نصف شوال
دجلہ سے قافلہ کی روانگی:	۲۰ شوال
نجف سے روانگی:	ا ذیقعدہ
مدینہ منورہ پہنچنا:	۲۲-۳۰ ذیقعدہ
مکہ مکرمہ پہنچنا:	۶ ذی الحجہ
شام کی طرف سفر:	۱۵ ذی الحجہ
دوبارہ مدینہ حاضری:	۲۵ ذی الحجہ
مدینہ سے روانگی:	۲۷ ذی الحجہ
دمشق پہنچنا:	محرم کے آخری عشرہ کے وسط میں، ۸۷۸ھ
دمشق سے خراسان روانگی:	۴ ربیع الاوّل
حلب پہنچنا:	۱۲ ربیع الاوّل
حلب سے قلعہ بیرہ روانگی:	۲۰ ربیع الثانی
تبریز پہنچنا:	۲۴ جمادی الاوّل
خراسان روانگی:	۶ جمادی الثانی
ورامین سے ایک منزل پہلے:	رجب کا چاند نظر آنا
واپس ہرات پہنچنا:	جمعہ ۱۸ شعبان ۸۷۸ھ (۳ جنوری ۱۴۷۴ء)

مولانا لاری نے جامی کے سفرِ حجاز کے ضمن میں لکھا ہے (ترجمہ):

''آخری عمر میں مولانا جامی پر ایک ایسا جذبہ طاری ہوا اور کیفیت پیدا ہوئی کہ کعبہ اور قبلہ کی طرف چل پڑے۔ موضع گوسُو تک پہنچے تو اس حالت میں کچھ افاقہ ہوا اور مخدوم سعد الدین کاشغری کے دیدار کا شوق اور ان کی صحبت کا ذوق غالب آ گیا اور آپ وہیں سے واپس ہرات آ گئے اور حضرت سعد الدین کی صحبت میں چلے گئے۔'' (**تکملہ حواشی نفحات الانس**، ص ۱۴) دیگر مشائخ طریقت کے ہاں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ **فوائد الفواد** سے پتا چلتا ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء پر دو تین بار شوقِ حج غالب آ گیا لیکن پھر اجودھن کی طرف میلان ہوا اور زیارت

سے لطف حاصل کر کے واپس چلے گئے۔

۷۰۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۲۵۴-۲۶۳

۷۱۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ۱۸۱-۱۸۲

۷۲۔ جامی، **سلسلۃ الذہب**، ۱: ۵۲

۷۳۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ۷۷۸-۷۷۹

۷۴۔ ایضاً، ۱: ۱۳۸

۷۵۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**: ۲۵۰-۲۶۰ میں یہ مکمل غزل موجود ہے۔ نیز: جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ۱۸۰

۷۶۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ۵۴

۷۷۔ سیّد محمد لیث کا ذکر خواند میر، **حبیب السیر**، ۴: ۶۱۰ نے کیا ہے۔

۷۸۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ۴۸-۵۳

۷۹۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**: ۳۶۱ میں مکمل غزل درج ہے، نیز: جامی، **دیوان جامی**، ۱: ۶۰۸

۸۰۔ قطب الدین محمد بن محمد خیضری (۸۲۱-۸۹۴ھ/ ۱۴۱۸-۱۴۸۹ء) محدّث، حافظ، اصولی، فقیہ، مورّخ اور نسّاب تھے اوران موضوعات پر اُن سے کئی کتابیں یادگار ہیں۔ کحالہ، **معجم المولفین**، ۱۱: ۲۳۷-۲۳۸

۸۱۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۲۶۳ نے یہ رباعی امیر علی شیر نوائی سے منسوب کی ہے۔

۸۲۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ۴۸۱

۸۳۔ جامی اکسٹھ سال کی عمر میں دمشق پہنچے اور وہاں محمد خیضری سے احادیث سنیں اور سند حدیث حاصل کی۔

۸۴۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۹-۱۰

۸۵۔ جامی نے **سلسلۃ الذہب** دفتر اوّل میں اس نکتے کو خوب واضح کیا ہے۔

۸۶۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۱۱

۸۷۔ جامی، **دیوان جامی**، ۱: ۴۱۹

۸۸۔ جامی، **یوسف وزلیخا**: ۲: ۷۴۳-۷۴۴

۸۹۔ جامی، **تحفۃ الاحرار**: ۴۴۱

۹۰۔ خیابان، ہرات کا ایک علاقہ ہے، جامی کے دور میں مضافات شہر تھا، اب شہر کا حصہ ہے۔ جامی کا مزار اسی علاقے میں ہے۔ اس کی تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو: فکری سلجوقی، **خیابان**، کابل، ۱۳۴۱ش

۹۱۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۱۵-۲۱ ملخصاً

۹۲۔ مولانا معزالدین شیخ حسین النقوی (؟) یا مولانا کمال الدین شیخ حسین (م: ۸۸۸ھ/۱۴۸۳ء) مراد ہیں۔ دیکھیے: عبدالواسع، **مقامات جامی**: ۵۲، ۵۳، ۲۸۲-۲۸۳

۹۳۔ غالباً مولانا (نظام الدین) عصام الدین داود خوافی مراد ہیں، جنہیں سلطان سعید نے شہزادہ سلطان محمود

میرزا کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ حاشیہ **شرح شمسیہ** ان کی تصنیف ہے۔ دیکھیے: خواند میر، **حبیب السیر**، ۴: ۱۰۶-۱۰۷؛ عبدالواسع، **مقامات جامی**: ۵۲، ۲۸۲

۹۴۔ مولانا معین الدین تونی، دیکھیے: خواند میر، **حبیب السیر**، ۴: ۱۰۳؛ عبدالواسع، **مقامات جامی**: ۵۳، ۲۸۳

۹۵۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۲۳۸

۹٦۔ جامی، **خرد نامۂ اسکندری**: ۹۲۴

۹۷۔ جامی، **سبحۃ الابرار**: ۴۹۰ (عقد یازدہم) وہاں آخری چھ اشعار موجود نہیں ہیں۔

۹۸۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ۷۰

۹۹۔ **ایضاً**: ۱: ۸۴٦

۱۰۰۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ٦٦۳، جامی کے یہ اشعار ہمیں مسعود سعد سلمان لاہوری کے کچھ اشعار کی یاد دلاتے ہیں:

گرچہ پیوستہ شعر گویم من عادت من نہ عادتِ شعراست
نہ طمع کردہ ام زکیسۂ کس نہ تقاضاست شعرِ من، نہ ہجاست

(مسعود سعد سلمان، **دیوان**، ص ۵۲)

۱۰۱۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۱۹

۱۰۲۔ نوائی، **خمسۃ المتحیرین**: ۱۱

۱۰۳۔ جامی، **نامہ ہا و منشآت جامی**: ۲۱۴

۱۰۴۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۲۰

۱۰۵۔ یہ رقعہ کسی وزیر کے نام نہیں، بلکہ خواجہ احرار کے نام ہے۔

۱۰٦۔ جامی، **نامہ ہا و منشآت جامی**: ۲۱۷

۱۰۷۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۲: ۳۹۷

۱۰۸۔ گازرگاہی، **مجالس العشاق**: ۲۴٦؛ سمرقند کے ایک خوبرو میرزا ہمدم کے ساتھ جامی کا معاشقہ مشہور ہے۔ اتفاق سے سلطان حسین میرزا بھی اسی پر فریفتہ تھا اور اسے اپنا ہمدم اور مقرب خاص بنایا ہوا تھا۔ لیکن جب سلطان نے دیکھا کہ جامی کا عشق ہوا و ہوس سے بالاتر ہے تو اس نے میرزا ہمدم ان کو بخش دیا۔ اس "عشق و رقابت" کی تفصیل پر دو مستقل کتابیں ہمارے علم میں ہیں:

۱۔ **داستان میرزا ہمدم و جامی**، مصنف نامعلوم۔ فارسی نثر میں لکھی گئی اس داستان کے دو مخطوطات کتابخانۂ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد (نمبر ۱۴۰۰، ٦۹۸۸) میں موجود ہیں۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانۂ گنج بخش**، ۳: ۹٦-۱۳۹۵

۲۔ **شرارۂ عشق** از صاحبزادہ حبیب اللہ عشرت قندھاری۔ یہ کتاب بھی فارسی میں ہے اور ۱۳۱٦ھ میں

تألیف ہوئی۔ دیکھیے: محمد ابراہیم خلیل، ''شرارۂ عشق''، **آریانا**، کابل، جلد ۲۲، شمارہ ۹-۱۰، ص ۵۴۲-۵۴۷
شاہ ابوالمعالی غربتی قادری لاہوری (م: ۱۰۲۴ھ) کے رسالہ **مونس جان** میں بھی جامی سے متعلق کچھ اس طرح کے نشاط انگیز اور راحت افزا واقعات ہیں۔

۱۰۹۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۳-۴

۱۱۰۔ ایضاً: ۷

۱۱۱۔ جامی، **یوسف وزلیخا**: ۵۹۴

۱۱۲۔ کاشفی، **لطایف الطوایف**: ۲۳۱-۲۳۹؛ نیز: گویا اعتمادی، ''لطایف وظرایف جامی'' در **تجلیل... نورالدین عبدالرحمٰن جامی**: ۸۳-۹۴

۱۱۳۔ حافظ غیاث (م: ۸۹۷ھ/۱۴۹۲ء) سلطان حسین بایقرا کے زمانے میں ہرات میں مقیم رہ کر طلبہ کو مستفید کرتے رہے۔ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴: ۳۳۷

۱۱۴۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ۸۳۳

۱۱۵۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ۸۴۱ میں دوسرا مصرعہ اس طرح ہے: ہر کجا در شعر من یک معنی خوش دیدہ اند

۱۱۶۔ حکمت، **جامی**: ۱۰۸ نے لکھا ہے کہ **تذکرۂ کرمی**، جامی کی وفات سے تقریباً ایک سو سال بعد سلطان سلیم خان عثمانی کے عہد میں ۹۸۰ھ میں لکھا گیا۔ لیکن مترجم کو اس کتاب کے بارے میں مزید کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ معروف کتابیاتی جائزوں اور فہرستوں میں اس تذکرے کا ذکر مجھے نہیں ملا۔ ترکی میں اپنے فاضل دوست ڈاکٹر نجدت طوسون سے رجوع کیا گیا۔ ان کا جواب بھی یہی تھا کہ وہاں اس تذکرے کو کوئی نہیں جانتا۔ ۹۸۰ھ میں ترکی میں ایک ہی تذکرہ لکھا گیا اور وہ عبداللطیف لطیفی (م: ۹۹۰ھ) کا **تذکرۃ الشعراء** المعروف **تذکرۂ لطیفی** ہے۔ لیکن اس میں جامی کا وہ لطیفہ جو **تذکرۂ کرمی** کے حوالے سے حکمت نے نقل کیا ہے، نہیں ملتا۔

۱۱۷۔ جامی، **سلسلۃ الذہب**، ۱: ۱۶۸-۱۷۰

۱۱۸۔ جامی، **سبحۃ الابرار**: ۵۴۸

۱۱۹۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۲

۱۲۰۔ جامی، **دیوان جامی**، ۱: ۳۹

۱۲۱۔ ایضاً، ۲: ۳۷

۱۲۲۔ جامی، **سبحۃ الابرار**: ۴۶۵-۴۶۶ (عقد سیم)

۱۲۳۔ جامی، **بہارستان ورسائل جامی**: ۱۲۲-۱۲۳

۱۲۴۔ جامی، **سلسلۃ الذہب**، ۱: ۶۴-۶۵ ملخصاً

۱۲۵۔ جامی، **تحفۃ الاحرار**: ۴۳۷-۴۳۸ با اختلاف و تلخیص

۱۲۶۔ ایضاً، **تحفۃ الاحرار**: ۴۳۹

۱۲۷۔ جامی، **سلسلۃ الذہب**، ۱: ۶۲-۶۴، ملخصاً

۱۲۸۔ ایضاً، ۱: ۶۶

۱۲۹۔ کمال الدین مسعود خجندی (م: ۸۰۳ھ)

۱۳۰۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۱: ۵۵۳، ۵۵۴

۱۳۱۔ افضل الدین ابوبدیل خاقانی شروانی، چھٹی صدی ہجری کے نامور شاعر اور قصیدہ گو تھے۔

۱۳۲۔ جامی، **دیوان جامی**، ۱: ۶۷

۱۳۳۔ جامی، **خرد نامۂ اسکندری**: ۹۲۷-۹۲۹ با اختلاف

۱۳۴۔ جامی، **سلسلۃ الذہب**، ۳: ۳۰۰-۳۰۵

۱۳۵۔ عنصری بلخی (م: ۴۳۱ھ/ ۳۹-۱۰۴۰ء)

۱۳۶۔ جامی، **سلامان وابسال**: ۳۱۹

۱۳۷۔ ایضاً: ۳۳۸

۱۳۸۔ قطران تبریزی (م: ۴۶۵ھ/ ۳-۱۰۷۲ء) فارسی شاعر۔

۱۳۹۔ جامی، **سلامان وابسال**: ۳۳۸

۱۴۰۔ یہ شعر سعدی کی **گلستان** کے مقدّمہ میں ہے۔

۱۴۱۔ جامی، **سبحۃ الابرار**: ۴۶۷-۴۶۸

۱۴۲۔ ایضاً: ۵۶۷-۵۶۹

۱۴۳۔ جامی، **دیوانِ جامی**، ۲: ۶۶۳

۱۴۴۔ خوانساری، **روضات الجنات**، ۵: ۲۸۷، ترجمہ: یہ اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ پاکیزگی اور تحریر کے لحاظ سے بھی یہ دقیق ترین، مرغوب ترین اور مکمل ترین کتاب ہے۔ اس میں جامع ترین نکات، دقائق وحقائق موجود ہیں۔ ملاّ میرزا محمد شیروانی سے روایت ہے، وہ علامۂ فاضل کہتے کہ میں نے اس شرح کا پچیس بار درس دیا اور ہر بار یوں محسوس کرتا کہ گذشتہ درس میں اس کا مکمل حق ادا نہ ہوا اور جیسا اسے سمجھنا چاہیے تھا سمجھ نہ سکا۔

۱۴۵۔ **الاغانی**، ابی الفرج علی بن حسین اصفہانی (م: ۳۵۶ھ/ ۹۶۶ء) کی تألیف ہے۔ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، ۱: ۱۲۹

۱۴۶۔ جامی، **دیوان جامی**، ۱: ۱۹۱

۱۴۷۔ ایضاً: ۱: ۸۵۴

۱۴۸۔ **دیوان جامی** کے کسی نسخے میں یہ رباعی ہماری نظر سے نہیں گذری۔ جامی، جنھوں نے اپنی تصانیف میں

اپنے عقائد اہل سنت کا اظہار اس خوش اُسلوبی سے کیا ہے، وہ ایسی رکیک رباعی کیوں کر کہیں گے؟

۱۴۹۔ حکمت کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ جامی نے اس نظم میں امامت پر بھی بحث کی ہے۔

۱۵۰۔ **سلسلۃ الذہب**، ۱: ۱۷۰-۱۸۳

۱۵۱۔ ایضاً، ۱: ۳۶-۴۰

۱۵۲۔ ایضاً: ۴۰

۱۵۳۔ ایضاً: ۴۶-۴۷، ملخصاً

۱۵۴۔ ایضاً، ۱: ۱۷۸، درج شدہ آخری پانچ اشعار کی جگہ مندرجہ ذیل اشعار ہیں:

جز بہ آل کرام و صحب عظام　　سلک دین نبی نیافت نظام
نامشان جز بہ احترام مبر　　جز بہ تعظیم سویشان منگر
ہمہ را اعتقاد نیکو کن　　دل ز انکارشان بہ یک سو کن
ہر خصومت کہ بودشان باہم　　بہ تعصب مزن در آنجا دم
بر کس انگشت اعتراض منہ　　دینِ خود رایگان ز دست مدہ
حکم آن قصہ با خدای گذار　　بندگی کن ترا بہ حکم چکار
و آن خلافی کہ داشت با حیدر　　در خلافت صحابی دیگر
حق در آنجا بہ دست حیدر بود　　جنگ با او خطا و منکر بود
آن خلاف از مخالفان مپسند　　لیکن از طعن و لعن لب در بند
گر کسی را خدای لعنت کرد　　نیست لعن من و تو اش در خورد
ور بہ احسان و فضل شد ممتاز　　لعن ما جز بہ ما نگردد باز

۱۵۵۔ جامی، **سبحۃ الابرار**: ۴۵۵

۱۵۶۔ **ہفت اورنگ جامی** کے مصحح مرتضیٰ مدرس گیلانی کا خیال ہے کہ جو متأخر شیعہ مصنفین جامی کو ''منافق''، یعنی ظاہراً سنّی اور باطناً شیعہ قرار دیتے ہیں وہ دراصل اس نفسیاتی خصوصیت کا ردِّ عمل ظاہر کرتے ہیں کہ جس شخص میں جو صفت ہوتی ہے وہ دوسروں کو بھی اسی خصوصیت کا حامل سمجھتا ہے۔ جناب مرتضیٰ کی نظر میں جامی متعصب حنفی المذہب تھے۔ مقدمہ **ہفت اورنگ**، ص ۱۰-۱۱

۱۵۷۔ جامی، **لیلیٰ و مجنون**، ۷۵۵

۱۵۸۔ جامی، **خردنامۂ اسکندری**: ۹۱۷-۹۱۸؛ اسی مضمون کے اشعار مثنوی **سبحۃ الابرار**: ۴۵۳ میں بھی موجود ہیں۔

۱۵۹۔ جامی، **دیوان جامی**، ۱: ۵۴

۱۶۰۔ ایضاً: ۱: ۱۸۱

۱۶۱۔ جامی، **سلسلة الذهب**، ۱۵۱:۱؛ حکمت کتاب جامی کے اختتام پر ص ۳۹۵-۴۰۷ علامہ **محمد قزوینی** کا حکمت کے نام ایک متین اور علمی مکتوب شائع ہوا ہے۔ جس میں مولانا جامی کے ادبی مقام کی تعریف کی گئی ہے لیکن ان کے مذہبی عقائد بالخصوص ''ایمان ابوطالب'' کے مسئلہ پر انہیں ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے اور مختصراً اہل سنت و جماعت (بالخصوص معتزلہ) کی کتب سے امامیہ کے مذکورہ عقیدہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسی موضوع پر مثنویات **ہفت اورنگ**، مطبوعہ تہران، طبع دوّم کے آخر میں بھی **''لغزش قلم''** کے زیر عنوان محمد مقیمی کا ایک خط چھپا ہے لیکن وہ اپنے غیر متین اور جذباتی لہجے کے باعث قابلِ توجہ نہیں ہے۔

سنّی مفسرین نے آیہ ''**انک لا تهدی من احببت ولکن اللّٰه يهدی من يشآء وهو اعلم بالمهتدين**'' (القصص:۵۶) سے جناب ابوطالب کے عدم ایمان پر استدلال کیا ہے۔ جس کی توثیق صحیحین سے بھی ہوتی ہے۔ دیکھیے:

۱۔ **تفسیر ابن کثیر** (اُردو ترجمہ)، کراچی، ۴: ۳۵-۳۶

۲۔ **معارف القرآن** از مفتی محمد شفیع (اُردو)، کراچی، ۶: ۶۳۶-۶۳۷، مفتی صاحب نے بحوالہ **تفسیر روح المعانی** لکھا ہے کہ جناب ابوطالب کے ایمان و کفر کے معاملے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث و مباحثہ سے اور ان کو بُرا کہنے سے اجتناب کرنا چاہیے کہ اس سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دل آزاری کا احتمال ہے۔

۳۔ نامور معاصر چشتی نظامی شیخ طریقت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی (۱۹۰۶-۱۹۸۱ء) ایمانِ ابوطالب کے قائل تھے۔ اس موضوع پر ان کا فتویٰ بھی موجود ہے جو صائم چشتی کی کتاب **ایمان ابوطالب** میں عکسی چھپا ہے۔

۱۶۲۔ خوانساری، **روضات الجنات**، ۵: ۲۸۸ نے یہ اشعار شوشتری کی **مجالس المؤمنین** کے حوالے سے معمولی لفظی اختلافات سے درج کیے ہیں۔

۱۶۳۔ جامی، **سبحة الابرار**: ۵۶۶-۵۶۷

۱۶۴۔ **دیوان جامی**، ۱: ۱۸۱

۱۶۵۔ جامی، ایضاً، ۱: ۱۸۲

۱۶۶۔ جامی، **سلسلة الذهب**، ۱: ۱۴۱-۱۴۳ میں یہ منظوم فارسی ترجمہ موجود ہے۔

۱۶۷۔ ایضاً، ۱: ۱۴۶

۱۶۸۔ ایضاً، ۱: ۱۴۵-۱۴۶، ملخصاً

ہم نے جامی کے مذہبی عقائد ایسے ''حسّاس'' موضوع پر علی اصغر حکمت کی تحریر کے ترجمے میں بے حد احتیاط برتی ہے تاکہ مصنف کا موقف مجروح نہ ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حکمت نے بڑی غیر جانبداری سے

مولانا جامی کے مذہبی رجحانات کا خود انہی کے آثار واشعار کے حوالے سے جائزہ لے لیا ہے اور جو لوگ جامی کے اشعار کی تاویلیں کر کے ان کا تشیع ثابت کرنا چاہتے ہیں اُن کے بارے میں بھی ہم حکمت کا تبصرہ پڑھ چکے ہیں۔ اب ہماری طرف سے جامی کے تسنّن کی تصدیق و تائید کی مزید گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اختلاف اس پر ہے کہ وہ اہل سنّت و جماعت کے کس مکتبِ فقہ سے تھے۔ داراشکوہ نے لکھا ہے:

''حنفی مذہب بودہ اند و آنچہ در عوام است کہ ایشان بہ مذہب امام شافعی نقل کردہ اند خلاف است۔ چنانچہ شخصی از خدمت مولانا زین الدین قوّاس ازین معنی پرسید؛ فرمودند کہ غیر واقع مردم فرا گرفتہ اند۔ کتاب چہار مذہب حضرت شیخ سعید خرقانی را کہ از مکہ معظّمہ ہمراہ آوردہ بودند، بہ مسائل احوط عمل می نمودہ اند مثل وضو ساختن بعد از مس مراۃ و مس اندام نہانی وغیرہما۔''

ترجمہ: جامی حنفی مذہب تھے اور یہ جو عوام میں بات مشہور ہے کہ جامی نے امام شافعی کا مذہب اختیار کر لیا تھا، صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک شخص نے مولانا زین الدین قوّاس سے اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا لوگ خلافِ واقعہ بات کر رہے ہیں۔ جامی جب سے مکّہ معظّمہ سے اپنے ساتھ شیخ سعید خرقانی کی کتاب چہار مذہب لائے تھے مسائل پر مزید احتیاط کے ساتھ عمل کرنے لگے تھے جیسے پوشیدہ اعضائے جسمانی کو چھونے کے بعد وضو کرنا وغیرہ۔ (**سفینۃ الاولیا**، ص ۸۲)

خود جامی بہتّر فرقوں کی اس جنگ سے دور تھے اور اپنی شاعری میں عشق کو ہر چیز پر ترجیح دیتے تھے:

ز ہفتاد و دو ملت کرد جامی رو بہ عشق تو
بلی عاشق نداند مذہبی جز ترکِ مذہب ہا

یا

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کہ در این راہ فلان ابن فلان چیزی نیست!

۱۶۹۔ ابن عربی کے صوفیانہ افکار میں سے سب سے اہم ''وحدت وجود'' کا نظریہ ہے، جسے جامی نے بڑی شرح وبسط کے ساتھ نثر و نظم کے قالب میں ڈھالا ہے۔ جامی کے آثار کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ابن عربی کے افکار پر بڑی گہری نظر تھی۔ انھوں نے ابن عربی کے افکار کو کسی ابہام کے بغیر دوسروں تک پہنچایا ہے، لہٰذا ہم اگر ابن عربی کے نظریات سمجھنے کے لیے جامی کی تصانیف کو کلید قرار دیں تو بے جا نہ ہوگا۔ جو شخص بھی ابن عربی کے مکتبِ فکر تک پہنچنے کے لیے کسی سیدھے اور قریب ترین راستے کا متلاشی ہے، اسے سب سے پہلے جامی کی **شرح فصوص** اور **لوائح** کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ نظریۂ وحدت وجود پر جامی، ابن عربی کے ہم نوا ہیں۔ انھوں نے علمِ تصوّف میں اپنا تبحر اس طور ظاہر کیا ہے کہ ان کا نام شیخ اکبر کے ساتھ آتا ہے۔ جیسا کہ ملّا عبدالنبی قزوینی **تذکرۂ میخانہ**: ۱۰۳ میں لکھتے ہیں:

''بالخصوص علم تصوّف میں صاحب نظر لوگ جامی کو شیخ محی الدین عربی کے قریب خیال کرتے ہیں بلکہ ماوراء النہر کے علما انہیں اس علم میں شیخ سے بہتر سمجھتے ہیں۔'' مبلغ، **جامی و ابن عربی**: مقدمہ، ص ج-د؛ ایضاً: ''نقد فلسفہ از جامی''، مجلّہ **آریانا** کابل، جلد ۲۲، شمارہ ۳-۴؛ ایضاً: ''آفرینش نواز نگاہ جامی'' **آریانا**، جلد ۲۴، شمارہ ۳-۱۰

کامل اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ جامی برّصغیر میں بھی فکرِ ابن عربی کے مروّجین میں سے ہیں۔ ان کی نثری اور شعری تصانیف نے یہاں ابن عربی کے افکار کو خواص و عام میں رائج کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اب ان سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔

۱۷۰۔ جامی، **لوائح**: ۴۴۶

۱۷۱۔ جامی، **سبحۃ الابرار**، ۴۷۰-۴۷۱، ملخصاً

۱۷۲۔ جامی، **لیلیٰ و مجنون**: ۹۰۷-۹۰۸، ملخصاً

۱۷۳۔ جامی، **نفحات الانس**: ۴۱۳

۱۷۴۔ جامی، **سلسلۃ الذہب**، ۱: ۲۲-۲۳

۱۷۵۔ امیر سیّد قاسم تبریزی (م: ۸۳۷ھ) شیخ صدر الدین علی یمنی کے مرید تھے۔ ان کا دیوان حقایق و اسرار سے خالی نہیں ہے۔ جامی، **نفحات الانس**: ۵۹۲-۵۹۵

۱۷۶۔ جامی، **نفحات الانس**: ۵۹۳

۱۷۷۔ ایضاً

۱۷۸۔ جامی، **سلسلۃ الذہب**، ۱: ۱۲۶-۱۲۷، ملخصاً

۱۷۹۔ ایضاً: ۱۲۹

۱۸۰۔ نوائی، **خمسۃ المتحیرین**: ۳۸

۱۸۱۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۱۵

۱۸۲۔ ایضاً: ۱۶

۱۸۳۔ ایضاً: ۳۱

۱۸۴۔ حضرت خواجہ بہاء الدین قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے طریقہ کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ انھوں نے فرمایا، ''خلوت در انجمن'' یعنی بظاہر خلق کے ساتھ اور بباطن حق سبحانہٗ کے ساتھ۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۴۲

۱۸۵۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۳۶-۳۷

۱۸۶۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**، ۱: ۲۶۵

۱۸۷۔ ایضاً: ۲۶۶-۲۶۷

۱۸۸۔ ایضاً:۲۷۰
۱۸۹۔ ایضاً،۱:۲۷۱
۱۹۰۔ ایضاً،۱:۲۷۴-۲۷۵
۱۹۱۔ شیخ الاسلام مولانا سیف الدین احمد (م:۹۱۶ھ/ ۱۱-۱۵۱۰ء) مولانا سعدالدین تفتازانی کی اولاد میں سے تھے۔ تیس سال تک خراسان میں اسلام کے لیے خدمات انجام دیتے رہے۔ خواند میر، **حبیب السیر**،۴:۳۴۹
۱۹۲۔ کاشفی، **رشحات عین الحیات**،۱:۲۷۸
۱۹۳۔ امیر مظفر برلاس، سلطان حسین بایقرا کے امرا میں سے تھا۔
۱۹۴۔ نوائی، **خمسۃ المتحیرین**:۳۸-۳۹
۱۹۵۔ مولانا عبدالواسع باخرزی کی **مقامات جامی** شایع ہو چکی ہے۔
۱۹۶۔ مولانا احمد پیر شمس کی جامی پر کتاب دستیاب نہیں ہے۔
۱۹۷۔ نوائی، **خمسۃ المتحیرین**:۴۰

جامی کا مزار

۱۔ پل تو کلی اب بھی آباد ہے اور اسی نام سے مشہور ہے۔
۲۔ دولت خانہ، ہرات کا مضافاتی گاؤں ہے اور وہاں جامی کا گھر بھی اسی نام (دولت خانہ) سے مشہور تھا۔ فکری سلجوقی، **رسالۂ مزارات ہرات**:۱۰۹
۳۔ ایضاً:۱۰۹
۴۔ ایضاً:۵۴-۵۵ (تعلیقات)
۵۔ سیّد ابوعبداللہ مختار (م:۲۷۷ھ/۸۹۰ء)، ظاہری و باطنی علوم میں مشائخ ہرات میں بلند مقام رکھتے تھے۔ (فکری سلجوقی، **رسالۂ مزارات ہرات**: ۱۷، ۵۷؛ ایضاً، **خیابان**:۸۳-۸۵)۔ ان کا مزار ہرات میں ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ اوپر جانے کا راستہ قدرے دشوار گذار ہونے کے باوجود زائرین وہاں زیارت کے لیے پہنچتے ہیں۔ راقم السطور مترجم بھی ۲۸ جولائی ۲۰۱۰ء کو سفر ہرات میں اسے دیکھ چکا ہے۔ سید مختار کے قبرستان میں تیموری دور کے معروف مصوّر کمال الدین بہزاد ہروی (وفات: مابین ۸۴۴-۸۵۵ھ) دفن ہیں۔ ہرات میں مَیں نے یہ بات پڑھے لکھے لوگوں کی زبان سے سنی کہ کچھ عرصہ پہلے چند ایرانی رات کی تاریکی میں اس قبرستان میں آئے اور بہزاد کی قبر کا تاریخی کتبہ اکھاڑ کر لے گئے۔ میں نے قبر دیکھی تو واقعی ایسی حالت میں تھی کہ اکھڑے ہوئے کتبے کی خالی جگہ صاف دکھائی دے رہی تھی۔
۶۔ فکری سلجوقی، **خیابان**،۹۸-۹۹

باب ششم

۱۔ صحیح: شرح حدیث عمائیہ منقول از ابی رزین عقیلی۔

۲۔ مولانا لاری نے اس کا نام **رسالہ در طریق خواجگان** بتایا ہے۔ خواجگان سے مراد صوفیۂ نقشبندیہ ہیں۔ حکمت

۳۔ سام میرزا، **تحفۂ سامی**: ۷۶ (طبع وحید دستگردی، ۱۳۱۴ش)؛ [ایضاً، **تحفۂ سامی**: ۱۴۵-۱۴۶ (طبع ہمایون فرخ)]

۴۔ لودھی، **مرآت الخیال** ۷۳، مطبوعہ بمبئی؛ [ایضاً، **مرآت الخیال**: ۵۹، مطبوعہ تہران]

۵۔ لاری، **تکملہ حواشی نفحات الانس**: ۳۸

۶۔ ایضاً: ۳۹

۷۔ طاش کوپری زادہ، **الشقائق النعمانیہ**: ۲۹۳

۸۔ دنیا کی مختلف فہارس مخطوطات عربی و فارسی میں جامی کی تصانیف کے نسخوں کی ظاہری آرائش و زیبائش کی کیفیت دیکھی جا سکتی ہے۔ مہدی بیانی نے **احوال و آثار خوش نویسان** اور عبدالحی حبیبی نے **ہنر عہد تیموریان و متفرعات آن**، تہران، ۱۳۵۵ش میں ایسے نسخوں کا ذکر کیا ہے۔

۹۔ خواندمیر، **حبیب السیر**، ۴: ۳۳۸

۱۰۔ **فوائد الضیائیہ** اس کے بعد یعنی ۱۱ رمضان ۸۹۷ھ میں تالیف ہوئی۔

۱۱۔ بعض مقامات پر حکمت نے یہ تاریخی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی اور درمیان میں مجہول التاریخ کتابوں کا ذکر کر دیا ہے۔ مثلاً **رسالۂ درفن قافیہ**، **رسالۂ تجنیس خط**، **رسالۂ نائیہ**۔ ہم نے حکمت کے لکھے ہوئے تصانیف کے زیرِ نظر حصہ کو باقاعدہ اور یکساں کرنے کے لیے، ان کی عبارات و جملات کو قدرے پس و پیش کیا ہے۔ البتہ ان کی مندرجہ معلومات میں تصرّف نہیں کیا، اور وہ اپنی جگہ پر موجود ہیں۔

۱۲۔ Riue, *Cat. of the Persian Manuscripts in the British Museum*, vol. II، نسخہ نمبر OR-۱۱۶۴ ورق، ۵۷-۶۳

۱۳۔ شیخ عمر بن ابی الحسن حموی مصری معروف بہ ابن فارض (۵۷۶-۶۳۲ھ)۔ عربی کے عظیم شعرا میں سے تھے۔ قاہرہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ حکمت

۱۴۔ متوفی ۴۱۲ھ۔ حکمت

۱۵۔ مراد خواجہ عبداللہ انصاری ہیں۔ حکمت

۱۶۔ حکمت کے پاس **نفحات الانس** کا جو نسخہ تھا وہ بخط محمد بن عبدالکریم حسینی میرزا ہے اور کبھی شاہزادہ مظفر حسین مرزا خلف سلطان حسین بایقرا کے کتب خانہ کی زینت تھا جس کے بارے میں حکمت کی رائے ہے کہ اس

کے اکثر حواشی جامی کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں ۱۸ صفحات (از بقیۂ حال ابوالقاسم القصیری تا آخر احوال موسی بن عمران جیرفتی) **مکمل** طور پر جامی کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ حکمت، **جامی**: ۱۷۶-۱۷۷

۱۷۔ براؤن، **تاریخ ادبی ایران**، ۳: ۲۳۰

۱۸۔ شیخ عراقی (م: ۶۸۶ھ یا ۶۸۸ھ) اور **لمعات** پر مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: صفا، **تاریخ ادبیات در ایران**، ۳: ۵۶۷-۵۸۴؛ ۱۱۹۶-۱۱۹۸؛ محمد اختر چیمہ، **مقام شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی در تصوف اسلامی**، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء

۱۹۔ یہ مقدمہ **مثنوی ہفت اورنگ جامی**، بہ تصحیح مرتضی مدرس گیلانی، مطبوعہ تہران (۱۳۵۱ش) میں بھی موجود ہے۔

۲۰۔ جامی، **خرد نامۂ اسکندری**: ۹۲۹-۹۲۶

۲۱۔ جامی، **سلسلۃ الذہب**، ۱: ۱۰۳

۲۲۔ **ایضاً**، ۲: ۲۵۸

۲۳۔ **ایضاً**، ۳: ۳۰۹

۲۴۔ **ایضاً**، **سلامان وابسال**: ۳۱۸

۲۵۔ ابوعلی سینا: **اشارات وتنبیہات**، ترجمۂ فارسی احسان یار شاطر، انجمن آثار ملی، تہران، ۱۳۷۳ھ، ص ۲۴۷، "النمط التاسع فی مقامات العارفین"

۲۶۔ جامی، **تحفۃ الاحرار**: ۴۴۳

۲۷۔ **ایضاً**: ۴۴۲

۲۸۔ جامی، **سبحۃ الابرار**: ۵۶۵

۲۹۔ **ایضاً**: ۴۵۸

۳۰۔ **یوسف وزلیخا**: ۷۴۸

۳۱۔ ابوالفتوح رازی، **تفسیر**، ۵: ۴۷۵-۴۷۴ (طبع دوم)

۳۳۔ **ایضاً**: ۴۷۸

۳۴۔ سر فلنڈرس پٹری (Sir Flinders Petrie 1853–1942)، **تاریخ مصر**۔ حکمت نے پورا حوالہ نہیں دیا ہے۔

۳۵۔ جامی، **لیلیٰ ومجنون**: ۶۱۰

۳۶۔ **ایضاً**، **خرد نامۂ اسکندری**: ۹۱۴

۳۷۔ **ایضاً**: ۱۰۱۲-۱۰۱۳

۳۸۔ ایضاً، **بہارستان**:۱۶۹

۳۹۔ ایضاً:۲۰ باختلاف عبارت

۴۰۔ ایضاً:۲۱

۴۱۔ ایضاً:ص۱۱۶

۴۲۔ قاضی زادہ رومی کو ایک اور رسالہ ''ورقی چند فراہم آوردہ'' بھیجا گیا۔ جامی، **نامہ ہا و منشآت جامی**:۲۵۸-۲۵۹

۴۳۔ جامی، **دیوان جامی**،۱:۴۰

۴۴۔ ایضاً:۲:۳۱

۴۵۔ خسرو دہلوی کے دواوین کی ترتیب یہ ہے:۱۔تحفۃ الصغر،۲۔وسط الحیات،۳۔غرّۃ الکمال،۴۔بقیۂ نقیہ، ۵۔نہایۃ الکمال

۴۶۔ نوائی، **خمسۃ المتحیرین**:۳۴

۴۷۔ جامی اپنے دواوین کی ترتیب و تدوین میں مکرر تصرفات کرتے رہے اور مقدموں کو بھی بدلتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیوان کے تیسرے دیوان کا یہ مقدمہ بعض نسخوں میں نہیں ہے۔ جیسے **خاتمۃ الحیات** مشمولہ **دیوان جامی**، طبع افصح زاد میں یہ مقدمہ جو علی اصغر حکمت نے نقل کیا ہے، نہیں ہے اور اس کی جگہ ایک مختصر سا مقدمہ ہے جس میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ اس دیوان کی تدوین کا آغاز ۸۹۶ھ میں ہوا۔ جامی، **دیوان جامی**،۲:۴۲۷

۴۸۔ جامی، **دیوان جامی**،۲:۶۶۳

۴۹۔ جمال الدین ابی عمرو عثمان بن عمر معروف بہ ابن حاجب (م:۶۴۶ھ) کی نحو پر مشہور عربی کتاب **الکافیہ** کے لیے ملاحظہ ہو: حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**،۲:۱۳۷۰-۱۳۷۶

تکملۂ آثار جامی

۱۔ افصح زاد، مقدمۂ **دیوان جامی**،۲:۷-۲۷

۲۔ حکمت، **جامی**:۱۶۶

۳۔ Erkinov,p.224

۴۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**، ۵: ۳۴۵۹ میں اسی شرح کے جس دوسرے نسخہ (پنجاب پبلک لائبریری، لاہور) کی نشاندہی کی گئی ہے، وہ دراصل حفیظ اللہ کی **شرح دیباچۂ نورس** ہے۔ یہ غلطی حروف چینی (کمپوزنگ) کے دوران مواد کی تقدیم و تاخیر کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے۔

۵۔ آغاز و اختتام مطابق **نامہ ہا و منشآت جامی**:۲۱۱، ۲۷۷

۶۔ حسین نایل: **فہرست کتب چاپی دری افغانستان**:۳-۲۷۳(عدد مسلسل)؛ نیز: **مجلّہ آریانا**، کابل، ج ۲۸، ش ۴، ص ۸۸-۸۹، تعارف کتاب ''اشعار نایاب جامی''

۷۔ افصح زاد، **نقد و بررسی آثار و شرح احوال جامی**: ۱۹۷

۸۔ مطبوعہ متن میں چوّن (۵۴) شعر درج ہوئے ہیں جب کہ مرتّبِ مخطوطہ، ایک شعر نہیں پڑھ سکے۔

۹۔ ان اشاعتوں کے لیے دیکھیے: خانبابا مشار: **فہرست کتابہای چاپی فارسی**، ۲: ۸۱-۲۲۸۰؛ نوشاہی، **کتابشناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ**، ۳: ؟؟؟؟؟

۱۰۔ Erkinov,p.224

۱۱۔ ایرج افشار: **فہرست مقالات فارسی**، کی اب تک ۷ جلدیں شایع ہو چکی ہیں۔ فارسی زبان میں لکھے گئے مقالات اس فہرست میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

۱۲۔ Erkinov,p.224

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ جامی، **انشاے جامی**: ۸۱؛ یہ مفصّل مکتوب اسی عربی شعر سے شروع ہوتا ہے:

و علیک یا اھل اسلام سلامی

و الیک شوقی دائما و غرامی

یہ مکتوب **نامہ ہا و منشآت جامی**، تہران ایڈیشن میں نہیں ہے۔

۱۵۔ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، ۱: ۴۴۴، ''**تفسیر الجامی**''

۱۶۔ ولیم چِتک، استدراکات **نقد النصوص**: ۵۰۸-۵۰۹

۱۷۔ براؤن، **تاریخ ادبی ایران**، ۳: ۶۲۲ حاشیہ

۱۸۔ نسخۂ مخزونہ کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد، مکتوبہ ۱۱۲۲ھ، (نمبر ۱۶۱۷) در مجموعہ ص ۴۵-۵۰

۱۹۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**، ۲(۱): ۱۲۲۸

اس حدیث پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں: پہلا؛ خدا کو تخلیق سے پہلے کسی جگہ کی ضرورت تھی۔ دوسرا؛ تخلیق کے بعد وہ اپنی مخلوقات میں تھا، یہ بھی حلول ہے۔ جامی کے علاوہ دوسرے صوفیہ اور علما نے بھی اس حدیث کی وضاحت کی ہے۔ ان میں سے صاین الدین علی ترکہ اصفہانی (م: ۸۳۵ھ) اور محمد نور بخش قائنی (م: ۸۶۹ھ) کی شروح کا ذکر **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**، ۲: ۲۹-۱۲۲۸ میں ملتا ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ نویں صدی ہجری میں یہ مسئلہ بڑی توجہ کا حامل رہا ہے۔

۲۰۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**، ۲(۱): ۱۲۶۴

۲۱۔ Storey,I:185

۲۲۔ ولیم چِتک: مقدمہ بر **نقد النصوص**: ہیجدہ

۲۳۔ حسین نایل، **فہرست کتب چاپی دری افغانستان**: ۱:۲۷۱ (عدد مسلسل)؛ نیز دیکھیے:
۱۔ **شمہ ای از احوال خواجہ عبداللہ انصاری** (نقل از رسالۂ منسوب بجامی کہ اخیراً پیدا شدہ است)، **کتاب ہفتہ** [قدیم دَور]، تہران، شمارہ ۱۰۴، ص ۸۱-۸۶
۲۔ بورکوی: ''مولانا عبدالرحمٰن جامی وخواجہ عبداللہ انصاری''، در **تجلیل... جامی**، ص ۳۸-۴۶

۲۴۔ Erkinov,p224

۲۵۔ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، ۲: ۱۹۶۸

۲۶۔ **ترجمہ ہای متون فارسی بہ زبانہای پاکستانی**: ۲۲۷-۲۲۸، اختر راہی صاحب نے **نفحات** کے اُردو تراجم میں ''**وصال احمدی** از خواجہ بدرالدین سرہندی خلیفہ شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) در **تذکار آخرین ایام حضرت مجددؒ**'' کو بھی درج کیا ہے۔ یہ ٹایپ کرنے والے کی غلطی ہے کہ اس نے **وصال احمدی**، جسے **نفحات** کے بعد آنا چاہیے تھا **نفحت** کے ساتھ کمپوز کردیا ہے۔ بہ ہر حال یہ علیحدہ کتاب ہے۔

۲۷۔ محمود عابدی، مقدمہ بر **نفحات الانس**: چہل و ہشت

۲۸۔ عارف نوشاہی، ''دو یادداشت در بارۂ شیخ احمد جام''، **آیندہ**، تہران، سال ۱۸، ش ۱-۶ (فروردین-شہریور ۱۳۷۱ش)؛ ص ۲۲۶-۲۲۷؛ عارف نوشاہی، ''بوز جانی، درویش علی''، **دانشنامۂ جہان اسلام**، ۴: ۵۳۷

۲۹۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۳۹

۳۰۔ ایضاً: ۳۹

۳۱۔ حاجی خلیفہ، **کشف الظنون**، ۲: ۱۹۷۲

۳۲۔ یہ ابتدائی عبارت خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم لاہور کے مملوکہ اس نسخہ سے نقل کی گئی ہے جو انھوں نے لاہور عجائب گھر کو فروخت کے لیے پیش کیا تھا اور میں نے اسے لاہور عجائب گھر ہی میں دیکھا ہے۔

۳۳۔ ویلیم چِٹک: مقدمہ بر **نقد النصوص**: نوزدہ-بیست

۳۴۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**، ۱: ۲۵

۳۵۔ دفتر کتب خانہ اسعد افندی، ص ۲۸۸، عدد عمومی ۳۷۱۱

۳۶۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**، ۱: ۳۶

۳۷۔ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۳۹

۳۸۔ سام میرزا، **تحفۂ سامی**: ۱۴۵

۳۹۔ یہاں تک تمام مضمون علی اصغر حکمت کے مقالہ ''چہار کتاب از مولانا جامی'' مندرج در مجلّہ **آموزش و پرورش**، تہران، شمارہ ۶۵، شہریور ماہ ۱۳۲۳ سال چہاردہم، ص ۲۸۲ تا ۲۸۴ سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴۰۔ ویلیم چِٹک: مقدمہ بر **نقد النصوص**: بیست و شش (حاشیہ) ملخصاً

۴۱۔ سام میرزا، **تحفۂ سامی**: ۱۴۵؛ لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۳۹؛ طرازی نے **نورالدین عبدالرحمٰن**

جامی:۲:۴۲میں اس رسالہ کا دوسرا نام نوریہ لکھا ہے۔

۴۲۔ سام میرزا، **تحفۂ سامی**: ۱۴۵میں ''**رسالہ جواب وسوال رسولانِ ہندوستان**'' اور لاری، **تکملۂ حواشی نفحات الانس**:۳۹میں ''**رسالۂ جواب سوال ہندوستان**'' کے نام سے ذکر ہوا ہے۔

۴۳۔ **شرح بیتی** از خسرو، نسخۂ کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد (نمبر۱۸۱۶)، در مجموعہ ص ۱۴۷-۱۵۰

۴۴۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی** ۲/ (۱): ۲۰-۱۲۱۹؛ نیز: ولیم چتک: مقدمہ بر **نقد النصوص جامی**: بیست وہفت

۴۵۔ یہ شعر **قران السعدین**، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۱۸ء، ص ۱۴۵ پر موجود ہے۔

۴۶۔ جمالی دہلوی (م: ۱۰ ذیقعد ۹۴۲ھ) کے سفرِ خراسان اور مولانا جامی سے ملاقاتوں کا مفصّل حال سیّد حسام الدین راشدی نے **مہر وماہ** کے مقدمہ، صفحات ۶۸-۷۳ میں بیان کیا ہے۔

۴۷۔ سیّد حسن برنی: تمہید بر **قران السعدین**، مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۱۸ء، ص ۵۷-۵۸؛ **قران السعدین** (طبع عکسی) با پیشگفتار احمد حسن دانی، ص ۲۰۷ میں یہ شعر اس طرح لکھا ہے اور یہی صحیح ہے:

ماہ نوی کاصل وی از سال خاست
یک مہ نو گشتہ بہ دہ سال راست

۴۸۔ بندرابن داس: **سفینۂ خوشگو**، نسخۂ خطی دانشگاہ پنجاب، لاہور، ورق ۱۲ب؛ **سفینۂ خوشگو**، دفتر دوم، تصحیح سیّد کلیم اصغر، تہران، ۱۳۸۹اش، ص ۱۷۰

۴۹۔ بشیر ہروی: **تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس**:۱۷

۵۰۔ سام میرزا، **تحفۂ سامی**:۷۶

۵۱۔ علی اصغر حکمت: مقالہ ''چہار کتاب از جامی''، مندرجہ رسالۂ **آموزش و پرورش**، سال ۱۴، شمارہ ۶۰، ص ۲۸۲

۵۲۔ نفیسی، **تاریخ نظم ونثر در ایران**، ۱: ۲۸۸، بشیر ہروی، تعلیقات بر **تکملۂ حواشی نفحات الانس**:۸۱

۵۳۔ ولیم چتک، مقدمہ بر **نقد النصوص**: بیست و یک-بیست ودو

۵۴۔ برتلس: **تصوّف وادبیات تصوّف**:۶۲۱-۶۴۹

۵۵۔ **شرح فصوص** سے متعلق تمام معلومات ولیم چتک کے مقدمہ بر **نقد النصوص جامی**، صفحہ بیست و پنج اور صفحہ چہل و دو سے مأخوذ ہیں۔

۵۶۔ حکمت، ''چہار کتاب از جامی''، **آموزش و پرورش**، شمارہ ۶، سال ۱۴، صفحہ ۲۸۴-۲۸۵

۵۷۔ نسخہ مخزونہ کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد (نمبر ۳۹۳)، در مجموعۂ مکتوبہ ۹۰۰ھ (ص ۳۲۸-۳۶۸)، ص ۳۲۸-۳۲۹

۵۸۔ ایضاً، ص ۳۶۵

۵۹۔ ایضاً، ص ۳۲۸

۶۰۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ۲: ۱۲۴۴؛ ۵: ۳۴۸۰
۶۱۔ لاری، تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۳۹، ۸۰
۶۲۔ عبدالحی حبیبی، مقدمہ بر سررشتۂ طریقۂ خواجگان: ۱۰
۶۳۔ ولیم چٹک، مقدمہ بر نقد النصوص: بیست وسہ
۶۴۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۲/ (۱): ۱۳۴۸
۶۵۔ جامی، لوائح (طبع تسبیحی): ۵-۶
۶۶۔ ایضاً: ۷۵
۶۷۔ اسی کا عکس مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد اور اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور نے مشترکہ طور پر ۱۹۷۸ء میں شہید اللہ فریدی کے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس اشاعت میں قزوینی کا نام بطور شریک مترجم نظر آتا ہے! دفتر کتب خانہ اسعد افندی، ایا صوفیا، عدد عمومی ۱۵۰۰، ص ۳۲۷ پر جامی کے رسالہ لوائح العرفان کا اندراج ہوا ہے، وہ بظاہر یہی لوائح ہے۔
۶۸۔ خلیلی: مقدمہ بر نائیہ: ۸۶-۸۷، ملخص و مأخوذ
۶۹۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ۲: ۱۴۷۵ و ۵: ۳۵۱۵
۷۰۔ ولیم چٹک: مقدمہ بر نقد النصوص: سہ و چہار
۷۱۔ ایضاً: بیست و پنج و بیست و شش
۷۲۔ نفیسی، تاریخ نظم و نثر در ایران، ۱: ۲۲۸
۷۳۔ نوشاہی، کتاب شناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ، ۲: ۹۶۳
۷۴۔ افصح زاد، مقدمہ، دیوان جامی، ۲: ۲۲
۷۵۔ دانش پژوہ، فہرست میکروفیلم ہای کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران، ۱: ۱۶۳
۷۶۔ افصح زاد، نقد و بررسی آثار و شرح احوال جامی: ۱۶۸-۱۶۹
۷۷۔ بشیر ہروی، تعلیقات بر تکملہ حواشی نفحات الانس: ۸۰
۷۸۔ Iwanov??/
۷۹۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ۴: ۸۹-۲۹۸۸
۸۰۔ ایضاً: ۳: ۲۱۶۱
۸۱۔ Storey, 3: 183-4
۸۲۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ۳: ۲۱۷۳
۸۳۔ Storey, 3: 185
۸۴۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ۳: ۲۱۸۳

۸۵۔ جامی، دستور معما، مخطوطہ، کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد، نمبر ۱۱۲۰ (در مجموعہ ص ۱۱۲-۱۴۰)، ص ۱۱۲

۸۶۔ ایضاً: ص ۱۴۰

۸۷۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ۳: ۲۱۸۴

۸۸۔ افصح زاد، نقد و بررسی آثار و شرح احوال جامی: ۱۶۵

۸۹۔ جامی، دستور معما، قلمی نسخہ، کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد، نمبر ۱۹۶۰ (در مجموعہ ص ۱۲۹-۱۳۶)، ص ۱۳۶

۹۰۔ ایضاً، ص ۱۲۹

۹۱۔ ایضاً

۹۲۔ ایضاً، ص ۱۳۶

۹۳۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ۳: ۸۶-۲۱۸۵

۹۴۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی، کتابخانۂ گنج بخش، ۳: ۱۲۴۱

۹۵۔ میر حسین نیشاپوری، دستور معما، مخطوطہ، کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد، نمبر ۱۶۰۷ (در مجموعہ)، ص ۳۶-۳۷

۹۶۔ نفیسی، تاریخ نظم و نثر در ایران، ۱: ۲۸۸؛ بشیر ہروی، تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۸۱

۹۷۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ۵: ۱۰-۳۹۰۹۔ نیز دیکھیے:

۱۔ محمد تقی دانش پژوہ: ''صدو اندا اثر فارسی در موسیقی''، مجلّہ ہنر و مردم، تہران، شمارہ ۹۵، شہر یور ماہ ۱۳۴۹ش، ص ۴۶-۴۷؛

۲۔ محمد تقی دانش پژوہ: مداومت در اصول موسیقی ایران، نمونہ ای از فہرست آثار دانشمندان ایرانی و اسلامی در غناء و موسیقی، تہران، ۱۳۵۵ش: ۱۴۱-۱۴۳؛

۳۔ ہوشنگ مرشد زادہ: ''کتابی در موسیقی از جامی''، مجلّہ موزیک ایران، تہران، جلد ۱۰، شمارہ ۳، ص ۱۰-۱۱، شمارہ ۲، ص ۱۳-۱۴، و شمارہ ۴، ص ۲۵-۲۶؛

۴۔ حسین علی ملاح: شرح بر رسالۂ موسیقی جامی، مجلۂ موسیقی، تہران، دورۂ سوم، شمارہ ۱۰۱: ص ۵۰-۶۲، ش ۱۰۲: ص ۳۱-۵۰، ش ۱۰۳: ص ۱-۱۹، ش ۱۰۴/۱۰۵: ص ۶۲-۸۵، ش ۱۰۶: ص ۵۸-۷۱، ش ۱۰۷: ص ۴۶-۷۱

۹۸۔ جامی، یوسف و زلیخا: ۴۴-۴۰۷

۹۹۔ جامی، دیوان جامی، ۱: ۵۶-۶۸

۱۰۰۔ قزوینی، تذکرۂ میخانہ: ۱۰۵

۱۰۱۔ ایضاً: ۱۰۵-۱۱۱

۱۰۲۔ جامی، دیوان جامی، ۱: ۶۸-۷۷

۱۰۳۔ طرازی، نورالدین عبدالرحمٰن جامی: ۲۰

۱۰۴۔ مقدمہ، دیوان جامی، ۲: ۱۸

۱۰۵۔ نفیسی، تاریخ نظم ونثر در ایران، ۱: ۲۸۷

۱۰۶۔ بشیر ہروی، تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۸۱

۱۰۷۔ دانش پژوہ، فہرست میکروفیلمہای کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران، ۱: ۸۔۴۷

۱۰۸۔ طرازی، نورالدین، عبدالرحمان جامی: ۳۵

۱۰۹۔ ان چار نسخوں کے نمبر یہ ہیں: ۱/۱۲۱۶-۱۹۶۱؛ ۱/۸۹-۱۹۶۲؛ ۱۲۱۵-۱۹۶۱؛ ۱۲۱۴-۱۹۶۱

۱۱۰۔ نوشاہی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی موزۂ ملّی پاکستان، ص ۱۰-۶۰۹؛ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش، ۳: ۱۶۹۴

۱۱۱۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی گنج بخش، ۳: ۱۷۰۲

۱۱۲۔ نسخہ نمبر ۲۴۱۳، ص ۱۷۹-۱۸۰ میں یہ شعر اِس صورت میں لکھا ہوا ہے:

صفات حسن تو گفتن نہ حدّ جامی بیدل

بہ ہر کجا کہ رسد فہم و تو برتر از آنی

جو ظاہر ہے وزن سے خارج اور مفہوم سے عاری ہے۔ استاد خلیل اللہ خلیلی نے ایک ملاقات میں اس کی اصلاح فرمائی تھی۔ اصلاح شدہ صورت وہی ہے جو ہم نے متن میں درج کی ہے۔

۱۱۳۔ نسخہ نمبر ۲۴۱۳، ص ۱۱

۱۱۴۔ شرح قصیدۂ بردہ، کتاب خانۂ گنج بخش، مخطوطہ نمبر ۳۹۱۹، ص ۲؛ نیز: منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی گنج بخش، ۳: ۱۷۰۵

۱۱۵۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ۵: ۳۴۸۳

۱۱۶۔ ایضاً، ۱: ۲۷

۱۱۷۔ ایضاً، ۱: ۳۲

۱۱۸۔ دفتر کتب خانہ اسعد افندی ایاصوفیا، ص ۹، عدد عمومی ۷۸۔ وہاں مصنف کا نام ''عبدالرحمٰن احمد الجامی (تاریخ وفات) ۸۹۲'' درج ہوا ہے اور کتاب کا نام تفسیر جامی لکھا ہے۔ فہرست نگار نے اسی دفتر کے دوسرے مقامات پر جامی کا درست نام ''نورالدین عبدالرحمٰن بن احمد الجامی'' (ص ۹۲) اور صحیح تاریخِ وفات ۸۹۸ھ لکھی ہے (ص ۸۸)

۱۱۹۔ طرازی، نورالدین عبدالرحمٰن جامی: ۱

۱۲۰۔ منزوی، فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، ۱۳: ۲۶۰۱

۱۲۱۔ نفیسی، تاریخ نظم ونثر در ایران، ۱: ۲۸۸

۱۲۲۔ بشیر ہروی، **تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس**:۸۱

۱۲۳ **رسالۂ عرفانی** مخطوطہ، کتب خانۂ **گنج بخش**، اسلام آباد، نمبر۳۹۳ (در مجموعۂ مکتوبہ ۹۰۰ھ)، ص۹۹-۳۹۸

۱۲۴۔ **ایضاً**:۴۰۳

۱۲۵۔ طرازی، **نورالدین عبدالرحمٰن جامی**:۳۸

۱۲۶۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش**۲: ۸۲۵ (عدد مسلسل)، اسی فہرست میں عدد مسلسل ۱۲۴۹ کے تحت اس رسالے کا نام محبوبیہ لکھا گیا ہے اور یہ خواجہ محمد پارسا بخارایی (م:۸۳۲ھ) یا خواجہ عبداللہ انصاری ہروی (م:۴۸۱ھ) سے بھی منسوب ہوا ہے اور اس کے دو مزید مخطوطات (نمبر ۵۸۲۶ اور ۱۸۱۶) کا ذکر ہوا ہے۔ خواجہ پارساؒ ہی سے منسوب **محبوبیہ** کا ایک نسخہ کتابخانۂ مجلس شورای اسلامی، تہران (نمبر ۲۴۱۹) مجموعۂ رسائل میں ص۲۱ تا ۲۸ موجود ہے (منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**،۲:۱۳۶۶) ڈاکٹر محمد اختر چیمہ، جو خواجہ محمد پارسا پر کام کر رہے تھے، کتب خانۂ مجلس، تہران گئے مگر مخطوطہ کا مذکورہ نمبر عارضی ہونے کے باعث رسالۂ محبوبیہ انہیں دستیاب نہ ہو سکا اور اُن کی تحقیق مکمل نہ ہو سکی۔ (محمد اختر چیمہ :''حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی بخاری'' ترجمہ عارف نوشاہی، **نورِ اسلام**، شرق پور، اولیائے نقشبند نمبر، حصہ اوّل، مارچ اپریل ۱۹۷۹ء، ص۴۵۷)

۱۲۷۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**، ۱(۱):۱۱۵۹

۱۲۸۔ نفیسی، **تاریخ نظم و نثر در ایران**، ۱:۲۸۸؛ بشیر ہروی، **تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس**:۸۱

۱۲۹۔ ہاشم رضی، مقدمہ، **دیوان کامل جامی**:۲۹۹

۱۳۰۔ ولیم چِتک، مقدمہ، **نقد النصوص**: بیست و ہشت

۱۳۱۔ عطاردی، **مخطوطات فارسی در مدینۂ منورہ**: ۳۸، نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی ادبی کتاب ہے مگر عطاردی نے اسے فقہی کتاب میں شمار کیا ہے۔

۱۳۲۔ نفیسی، **تاریخ نظم و نثر در ایران**، ۱:۲۸۸

۱۳۳۔ مقدمہ، **دیوان جامی**، ۲:۱۸

۱۳۴۔ نفیسی، **تاریخ نظم و نثر در ایران**، ۱:۲۸۸؛ بشیر ہروی، **تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس**:۸۱

۱۳۵۔ *Catalogue of the Persian Manuscripts in the Library of the India Office*, vol. I, No. 714

۱۳۶۔ مقدمہ، **دیوان جامی**، ۲:۲۶

۱۳۷۔ **فہرست مخطوطات شیرانی**، ۳:۳۰۵۳ (عدد مسلسل)

۱۳۸۔ **نورالدین عبدالرحمٰن الجامی**:۲۱

۱۳۹۔ **فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان**، ۳:۱۲۶۹ ''اصطلاحات صوفیان''

۱۴۰۔ فہرستِ مخطوطات شیرانی، ۳: ۳۰۵۷ (عدد مسلسل) وہاں نسخہ نمبر، غلط طور پر ۲/ ۲۳۴۱/۵۴۴ چھپ گیا ہے۔

۱۴۱۔ اس مجموعہ میں رسالۂ اوّل، شرح اصطلاحات شعرا کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

۱۴۲۔ طرازی، نورالدین عبدالرحمٰن جامی: ۴

۱۴۳۔ مقدمہ، دیوان جامی، ۲: ۲۶

۱۴۴۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ۵: ۶۵-۳۴۶۴

۱۴۵۔ مقدمہ، دیوان جامی، ج ۲: ۲۵

۱۴۶۔ تاریخ نظم ونثر در ایران، ۱: ۲۸۸

۱۴۷۔ تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۸۱

۱۴۸۔ طرازی، نورالدین عبدالرحمٰن جامی: ۴

۱۴۹۔ تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۸۱

۱۵۰۔ تاریخ نظم ونثر در ایران، ۱: ۱۶۹

۱۵۱۔ مقدمہ، دیوان جامی، ۲: ۲۵

۱۵۲۔ نفیسی، تاریخ نظم ونثر در ایران، ۱: ۲۸۸

۱۵۳۔ بشیر ہروی، تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۸۱

۱۵۴۔ فہرست میکروفیلمہای کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران، ۱: ۴۷۸

۱۵۵۔ دانش پژوہ، فہرست کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران، ۱۴: ۲۳-۳۸۲۲

۱۵۶۔ تاریخ نظم ونثر در ایران، ۱: ۲۸۸

۱۵۷۔ تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۸۱

۱۵۸۔ دفتر مذکور، ص ۳۳۱، عدد عمومی ۱۶۹۴، مجموعۂ رسایل میں اُنیسواں رسالہ۔

۱۵۹۔ تاریخ نظم ونثر در ایران، ۱: ۲۸۸

۱۶۰۔ تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۸۱

۱۶۱۔ مقدمہ، دیوان جامی، ۲: ۱۸

۱۶۲۔ دفتر کتب خانہ اسعدی افندی، ص ۳۳۰

۱۶۳۔ نورالدین عبدالرحمٰن جامی: ۴۰

۱۶۴۔ مقدمہ، دیوان جامی، ۲: ۲۶

۱۶۵۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ۴: ۴۹-۳۰۴۸؛ عطاردی، مخطوطات فارسی در مدینہ منورہ: ۱۹

۱۶۶۔ تاریخ نظم ونثر در ایران، ۱: ۲۸۸

۱۶۷۔ تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۸۱

۱۶۸۔ تاریخ نظم ونثر در ایران، ۱: ۲۸۸

۱۶۹۔ تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۸۱

۱۷۰۔ منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ۴: ۳۰۰۳، ''منظومہ ای در عشق'' و ۳۱۲۰ ''مثنوی جامی'' بحوالہ فہرس المخطوطات الفارسیہ، دار الکتب، قاہرہ

۱۷۱۔ منزوی، فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، ۸: ۳۳۶

۱۷۲۔ عبدالرحیم، لباب المعارف العلمیہ، ۲: ۳۱

۱۷۳۔ ہمارے پیشِ نظر مندرجہ ذیل تین مخطوطات ہیں:

۱۔ نسخۂ کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد، شمارہ ۱۶۱۷، در مجموعہ مکتوبہ ۱۲۲۲ھ، ص ۴۰- ۴۵ (نیز دیکھیے: منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش، ۲: ۷۹۲)

۲۔ نسخۂ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی، شمارہ N.M.1967-82، بقلم نیاز احمد بن حافظ خیر الدین، مکتوبہ ۲۱ جمادی الثانی ۱۲۷۲ھ (نوشاہی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی موزۂ ملّی پاکستان: ۲۶۷)

۳۔ نسخۂ جناب محمد اقبال مجدّدی، لاہور

منزوی، فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، ۳: ۱۹۰۰ میں مزید ایک نسخہ مملوکہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، کوئٹہ کا ذکر ہوا ہے۔

۱۷۴۔ مکمل غزل دیوان جامی، ۱: ۶۵-۵۶۴ میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۷۵۔ غلام علی دہلوی، مقامات مظہری: ۱۳۴ ''مولانا جامی در مراتب ستہ می فرمایند...''
ریو نے برٹش میوزیم، لندن کے مخطوطہ (شمارہ OR-1164 میں مندرج متن از ورق ۷۹ تا ۸۱ کا ذکر بعنوان ''رسالۃ فی معرفۃ الحضرات'' در مراتب الوجود منسوب بہ جامی کا ذکر کیا ہے (Riue,2:876)

۱۷۶۔ طرازی، نورالدین عبدالرحمٰن جامی: ۲۰

۱۷۷۔ عبدالرحیم، لباب المعارف العلمیہ، ۱: ۱۹۳

۱۷۸۔ تاریخ نظم ونثر در ایران، ۱: ۲۸۹

۱۷۹۔ تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۸۱

۱۸۰۔ شمس بریلوی نے صفحات کا یہ تعیّن رسالہ کی تقطیع ۳۰/۸×۲۰ کے اعتبار سے کیا ہے۔

۱۸۱۔ شمس بریلوی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ زیر بحث رسالہ کا نام جامی کی فہرست تصانیف میں شامل ہے مگر انھوں نے کسی مأخذ کی نشاندہی نہیں کی۔

۱۸۲۔ شمس بریلوی، مقدمہ نفحات الانس (اُردو ترجمہ): ۷۴-۷۵

۱۸۳۔ تاریخ نظم ونثر در ایران، ۱: ۲۸۸

۱۸۴۔ **تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس**:۸۱

۱۸۵۔ سادات ناصری: حاشیہ، **آتشکدہ**،۱:۳۱۲؛ مدرس تبریزی، **ریحانۃ الادب**،۱:۳۳۸

۱۸۶۔ طرازی، **نورالدین عبدالرحمٰن جامی**:۴۱؛ بشیر ہروی، **تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس**:۸۱

۱۸۷۔ بشیر ہروی، **تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس**:۸۱

۱۸۸۔ افشار، **فہرست مقالات فارسی**،۱:۵۸۰۷ (عدد مسلسل)

۱۸۹۔ **دفتر کتب خانہ اسعد افندی ایا صوفیا**،ص ۲۹۵

۱۹۰۔ **کشف الظنون**،۱:۱۰-۳۰۹

۱۹۱۔ **معجم المؤلفین**،۵:۱۲۲

۱۹۲۔ **تاریخ نظم ونثر در ایران**،۱:۲۸۷، نفیسی نے اسی جلد کے صفحہ ۱۹۷ پر عبدالرحمان فامی کو آٹھویں صدی ہجری کا مؤلف سمجھتے ہوئے [جو کہ صحیح نہیں ہے] اس کی **تاریخ ہرات** کا ذکر کیا ہے۔

۱۹۳۔ مقدمہ، **تاریخ نامۂ ہرات**:۵

۱۹۴۔ **روضات الجنات**:۴۱-۴۲

۱۹۵۔ ہمارے نظریے کی تائید کے لیے دیکھیے: ہاشم رضی، مقدمہ، **دیوان جامی**، بشیر ہروی، **تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس**:۸۱؛ **مقالات مولوی محمد شفیع**،۳:۲۳۸

۱۹۶۔ میر حسینی وابوئی مہریزی مقدمہ، **تاریخ ہرات**: بیست ودو

۱۹۷۔ مثلاً: بشیر حسین، **فہرست مخطوطات شیرانی**،۳:۷۷-۵۷۸؛ Riue, II:504, 509

۱۹۸۔ ڈاکٹر بشیر حسین کی رائے میں ''ضیائی'' جامی کے شاگرد تھے۔ یہ قیاس داخلی نظر آتا ہے، بلکہ مذکورہ شعر ہی سے ماخوذ ہے۔ کسی اور ماخذ میں ضیائی نامی شخص کا جامی کا شاگرد ہونا نظر سے نہیں گذرا۔

۱۹۹۔ دیکھیے: منزوی، **فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان**،۱۴:۱۵۸

۲۰۰۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**،۳:۱۹۶۱-۲۰۴۶ کے حصہ ''فرہنگنامہ ہای دو زبانہ یا بیشتر'' میں اس رسالہ کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے، حالانکہ اس فہرست میں بالعموم دنیا کے اور بالخصوص ایران کے نسخوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ درایتی کے **فہرستوارۂ دست نوشتہ ہای ایران** میں بھی، جو ایران بھر کے مخطوطات کا یونین کیٹلاگ ہے، اس نوعیت کی کتاب کا ذکر نہیں ملتا۔

۲۰۱۔ یہ نسخۂ ذخیرہ شیرانی، نمبر ۲/۳۵/۳۰۴۰ مخزونہ دانشگاہ پنجاب، لاہور کی تاریخ کتابت ہے۔

۲۰۲۔ Riue, II:504

۲۰۳۔ ہم نے یہ تمام اشاعتیں بچشم خود دیکھی ہیں۔

۲۰۴۔ مقدمہ، **دیوان جامی**،۲:۲۲-۲۴

۲۰۵۔ **مخطوطات انجمن ترقی اُردو (فارسی، عربی)**:۵۰۱ (عدد مسلسل)، مخطوطہ نمبر ۴ ق ف ۱۲۱

۲۰۶۔ Riue, II:680a

۲۰۷۔ **تاریخ زبان اُردو**:۶۶-۶۷

۲۰۸۔ مثلاً شیخ الٰہی بخش ومحمد جلال الدین، لاہور، ۱۳۳۷ھ کی اشاعت۔

۲۰۹۔ **حیات جامی**، ص۵۹-۶۰؛ لیکن **دیوان مادح**، طبع لاہور ۱۳۳۷ھ میں یہ شعر موجود نہیں ہے۔

۲۱۰۔ **مقالات الشعراء**:۶۹۶

۲۱۱۔ **فہرست مخطوطاتِ شیرانی**، ۳:۶۲۷

۲۱۲۔ ایضاً

۲۱۳۔ ایضاً، ۳:۶۲۸

۲۱۴۔ ایضاً، ۳:۶۴۳

۲۱۵۔ مخطوطہ زیر بحث ذخیرۂ شیرانی، ص۴۸ (مجموعہ)

۲۱۶۔ زیرِ بحث نسخہ، ص۵

۲۱۷۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی فارسی**، ۳:۲۱۵۸و۲۱۷۰

۲۱۸۔ زیر بحث قلمی نسخہ: ص۲-۳

۲۱۹۔ منزوی، **فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان**، ۱:۹۱۹

۲۲۰۔ منزوی، **فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش**، ۱:۴۳۹، ''آداب بحث منظوم''

۲۲۱۔ ایضاً، ۱:۴۳۹، واضح ہو کہ وہاں فاضل فہرست نگار نے ''اسیری'' کی نسبت مکانی کوئٹہ (پاکستان) سے ظاہر کی ہے، غالباً یہ اشتباہ مصرعہ ''مقیم گوشۂ فقر وفقیری'' میں لفظ ''گوشہ'' کو ''کوئٹہ'' پڑھنے سے ہوا ہے۔ محوّلہ فہرست میں اس مخطوطہ کا نمبر بھی غلط طور پر ۱۹۶۶ چھپ گیا ہے۔

۲۲۲۔ Riue, II: 655, باضافہ وتلخیص؛ حکمت مرحوم نے اپنے مقالہ ''چہار کتاب از جامی'' مندرجہ رسالہ **آموزش وپرورش**، شمارہ ۶ سال ۱۴، ص ۸۶-۲۸۵ میں شک کے ساتھ چوتھی کتاب **فتوح الحرمین** ہی کا ذکر کیا ہے۔

۲۲۳۔ **تہیہ نسخ فارسی موجود در کتابخانہ ہای لاہور**: ۴۰۰

۲۲۴۔ **لطایف وشرایف**، ص۳۱، نسخۂ فقیر خانہ

۲۲۵۔ **فہرست مخطوطات شیرانی**، ۲: ۵۰- ۱۳۴۹ (عدد مسلسل)۔ ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے اپنے ایک مقالہ ''مخطوطات ذخیرۂ شیرانی کا اجمالی جائزہ'' **اورینٹل کالج میگزین**، لاہور، شیرانی نمبر، جلد ۵۶، شمارہ ۳-۴، ص ۱۲۵، میں بھی اس انتساب کا اعادہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''**لمعات جامی**، تالیف ۸۷۵ھ پروفیسر شیرانی کی رائے میں واحد نسخہ ہے''۔ حالانکہ خود ذخیرۂ شیرانی میں اس کے دو نسخے موجود ہیں:

۲۲۶۔ *A Descriptive Catalouge of the Islamic Manuscripts in the Govt.*

Oriental Manuscripts Library, Madras, vol. I, p. 281;

ایرج افشار: ''یکی از آثار عبدالرحمٰن جامی''، ماہنامہ **مہر**، تہران، سال ہشتم، (۱۳۳۱ش)، شمارہ ۱۰، ص ۵۹۰۔ مقالہ نگار نے مدراس کے مخطوطہ کا نمبر ۱۵۷ لکھا ہے۔

۲۲۷۔ مجموعۂ کمینہ، ص ۳۱۵-۳۱۶

جامی کا کتب خانہ اور اُن سے منسوب چند عمارات

۱۔ ان خوشنویسوں کے احوال و آثار کے لیے دیکھیے: بیانی: **احوال و آثار خوش نویسان (نستعلیق نویسان)**، ۱: ۸۰-۲۷۲ (سلطان محمد نور)؛ ۶۷-۲۴۱ (سلطان علی مشہدی)؛ ۲۷-۲۶۸ (سلطان محمد خندان)

۲۔ ہمایون فرخ، **کتاب و کتابخانہ ہای شاہنشاہی ایران**، ۲: ۱۲۳؛ نیز: محمد نیک پرور: **کتابخانہ ہای استان خراسان از آغاز اسلام تا عصرِ حاضر**: ۴۵

۳۔ بیانی، **احوال و آثار خوش نویسان**، ۱: ۲۳۶

۴۔ **تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۲۰

۵۔ فکری سلجوقی نے اس کا محل وقوع محلّہ کشمیریاں، نزد بازار عراق، پرانا شہر، علاقہ ۳ بتایا ہے اور اس کی دوبارہ آبادی کا بھی ذکر کیا ہے۔ **تعلیقات بر رسالۂ مزارات ہرات**: ۱۷۹

۶۔ بشیر ہروی، **تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۵۹-۶۰

۷۔ فکری سلجوقی: **تعلیقات بر رسالۂ مزارات ہرات**: ۱۸۸

۸۔ بشیر ہروی، **تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس**: ۶۰

ضمیمہ

تکملۂ نفحات الانس

نفحات الانس پر جو کام ہوئے ہیں، ان میں یار محمد بن عثمان سلطان علی بخاری مشہور بہ حافظ کی فارسی کتاب **ابواب ستہ** کا ذکر بھی لازم ہے۔ حافظ بخاری کی یہ کتاب ۹۲۵ھ میں تصنیف ہوئی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ذخیرۂ فاتح، سلیمانیہ کتب خانہ، استنبول (شمارہ 2570، ورق ۱ تا ۱۵۴) میں موجود ہے جس کی اطلاع دوست گرامی ڈاکٹر نجدت طوسون کے ذریعے حاصل ہوئی۔

مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے نفحات کا ایک مرتبہ مطالعہ کیا تو انھیں خیال گذرا کہ دل کی تسکین کے لیے **نفحات** میں مذکور بزرگوں کے اقوال الگ کر کے مرتب کیے جائیں۔ چنانچہ ۹۲۵ھ میں انھیں فرصت ملی تو نفحات کی طرز پر یہ کتاب تیار کرنا شروع کی۔ یہ محض نفحات میں مذکور اقوال کا انتخاب نہیں ہے بلکہ مصنف نے بزرگوں کے وہ اقوال جو نفحات میں نہیں ہیں، دیگر مآخذ سے لے کر اضافہ کیے ہیں۔ اس سلسلے میں مصنف کا مآخذ **تذکرۃ الاولیا** (عطار)، **شواہد النبوۃ** (جامی)، **نزہت الاوصاف**، **تاریخ مزارات بخارا** (ملا زادہ/معین الفقرا) اور **گزیدہ** (ابونصر طاہر سرخسی) رہے ہیں۔

کتاب بنیادی طور پر ایک ''فاتحہ''، سات ''باب'' اور ایک ''خاتمہ'' پر مشتمل ہے۔ کتاب پر الگ سے ایک ''مقدمہ'' بھی ہے جو چار فصول پر مبنی ہے: ۱۔ خلفائے راشدین؛ ۲۔ اولاد و احفاد حضرت رسول اللہ؛ ۳۔ ازواج طاہرات؛ ۴۔ تتمۂ عشرہ مبشرہ و بعضی صحب عظام۔

''فاتحہ'' سات ابواب پر مشتمل ہے: ۱۔ تابعین و تبع التابعین؛ ۲۔ متقدمین؛ ۳۔ متاخرین؛ ۴۔ خواجگان و بعض متاخرین؛ ۵۔ شعرائے صوفیہ؛ ۶۔ عورات عارفات؛ ۷۔ وہ مشائخ جن کے مزارات بخارا شہر میں اور اس کے آس پاس واقع ہیں۔

''خاتمہ''، ان اہم واقعات کی تاریخیں جو اہلِ بیت کے قتل (واقعۂ کربلا) کے بعد تصنیف

کتاب تک پیش آئے۔

مغربی جامعات میں جامی پر تحقیق

1. *Jami (817-898/1414-1492) His bibliography and intellectual Influence in Herat*, vol.1, by Ertugrul i.Okten, Ph.D Theses, Department of History, The University of Chicago, 2007.
2. *Abd al-Rahman Jami: Naqshbandi Sufi ,Persian Poet*, By Farah Fatima Golparvaran Shadchehr, Ph.D Theses, The Graduate School of the Ohio State University. The Ohio State University, 2008
3. *Jami's Salaman va Absal; as an esoteric mirror for princes in its Aq Qoyunlu context*, by Chad G. Lingwood, Ph.D Theses, Graduate Department of Near and Middle Eastern Civilizations, University of Toronto, 2009.
4. *'Abd al-Rahman Jami's Lawami': A Translation Study* by Marlene Rene DuBois, Ph.D Theses, Stony Brook University, 2010

فہرست مآخذ

(۱)

ذیل میں ان کتب کی فہرست درج ہے جن سے مؤلف (حکمت) نے استفادہ کیا ہے۔ مؤلف نے اپنے مطبوعہ مأخذ کا اہتمام کے ساتھ ذکر نہیں کیا اور یہ تمام حوالے جدید علم کتابیات کے معیار کے مطابق نہیں ہیں، البتہ مخطوطات کی تصریح کر دی ہے۔ جن کتب کے آگے (مطبوعہ یا مخطوطہ ہونے کی) وضاحت نہیں ہوئی ہے، درحقیقت وہ مطبوعہ ہیں۔ بعض مطبوعہ مصادر کے کوائف کی تکمیل مترجم کے زیر استعمال مآخذ کی فہرست میں کر دی گئی ہے۔

ابن خلکان: احمد بن ابراہیم

وفیات الاعیان، جلد۲

ابن سینا، ابوعلی حسین

اشارات

ابوالفتوح رازی

تفسیر ابوالفتوح رازی، جلد سوم، تہران

ابوالفرج اصفہانی

الاغانی، جلد۲

اگوسٹ بریکتو (Auguste Bricteus)

مثنوی سلامان وابسال از جامی کے فرانسیسی ترجمہ پر مقدمہ، مطبوعہ پیرس، ۱۹۱۱ء

ایڈورڈ جی. براؤن (Edward G. Browne)

A Literary History of Persia, vol.: III

اسفزاری، معین الدین محمد زمچی

روضات الجنات فی اوصاف مدینہ ہرات

بایقرا، سلطان حسین میرزا

مجالس العشاق

تذکرۂ کرمی

جامی، نورالدین عبدالرحمٰن

۱۔ بہارستان	۲۔ تحفۃ الاحرار	۳۔ حلیۂ حلل
۴۔ خردنامۂ اسکندری	۵۔ دیوان جامی	۶۔ سلامان وابسال
۷۔ سلسلۃ الذہب	۸۔ لوایح	۹۔ لیلیٰ ومجنون
۱۰۔ منشآت جامی	۱۱۔ نفحات الانس	۱۲۔ یوسف وزلیخا

خواندمیر، غیاث الدین

حبیب السیر ، جلد سوم، جز سوم

خوانساری، ملاّ محمد باقر

روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات

سام میرزا صفوی

تحفۂ سامی، چاپ ارمغان، تہران [طبع وحید دستگردی، ۱۳۱۴ش]

سفرنامۂ تاجر ایطالیانی

سمرقندی، دولت شاہ

تذکرۃ الشعراء

سمرقندی، کمال الدین عبدالرزاق

مطلع السعدین، وقایع ۸۱۵ (جلد دوم، جزاوّل)

سنبھلی، میر حسین دوست

تذکرۂ حسینی

شوشتری، قاضی نور اللہ

مجالس المؤمنین

صفی، فخر الدین علی بن حسین کاشفی

رشحات عین الحیات: مخطوطہ مملوکۂ علی اصغر حکمت، تہران

لطایف الطّوائف: مخطوطہ مملوکۂ عباس اقبال، تہران

طاش کپُری زادہ، احمد مصطفٰی

الشقائق النعمانیہ فی احوال علماء الدولۃ العثمانیہ، مطبعۃ المیمنیۃ، قاہرہ، مصر، ۱۳۱۰ھ

طوسی، نصیر الدین

شرح اشارات ابن سینا

فریدون احمد بیگ

منشآت سلاطین، جلد ۱، دار الطباعۃ العامرہ، استنبول، ۱۸۴۹ء طبع اول، ۱۸۵۸ء طبع دوم

فلنڈرس پیٹری (Sir Flinders Petrie, 1853–1942)

تاریخِ مصر [*A History of Egypt*, Methuen & Co. 1905]

قیس عامری

دیوانِ قیس، مطبوعہ تہران

لاری، عبد الغفور

حواشی (وتکملہ) نفحات الانس، مخطوطہ مکتوبہ ۱۰۲۶ھ، مملوکۂ عباس اقبال آشتیانی، تہران

لاری، مصلح الدین

مرآت الادوار

لودھی، شیر علی

تذکرۂ مرآت الخیال، بمبئی، بسعی واہتمام میرزا محمد ملک الکتاب شیرازی، ۱۳۲۴ھ

مارٹن، ایف. آر (F. R. Martin)

The Miniature Painting and Painters of Persia, India and Turkey

مجلسی، محمد تقی

شرح من لایحضر الفقیہہ

منجم باشی

صحائف الاخبار

ناسولیس (W. Nassau Lees: 1825-1889)

نفحات الانس جامی پر انگریزی مقدمہ، مطبوعہ کلکتہ

نوائی، علی شیر

خمسۃ المتحیرین (ترکی)، [حکمت نے محمد نخجوانی کے فارسی ترجمہ (غیر مطبوعہ) سے استفادہ کیا تھا اب یہ ترجمہ چھپ چکا ہے۔]

۲۔ مجالس النفائس

ہدایت، رضا قلی خان

مجمع الفصحاء (مادّۂ ہاتفی)

ہروی، عبید اللہ بن ابو سعید

رسالۂ مزارات ہرات، مطبوعہ ہرات، ۱۳۱۰ھ و مخطوطہ مکتوبہ ۵ شعبان ۱۱۹۸ھ در ہرات

یدا اے. گدار (Yeda A. Godard)

مقالہ در مجلّہ: *Athar-e-Iran*, Tom/1, Fas I. 1936

فہرست مآخذ ومنابع

(۲)

ذیل میں ان مطبوعات اور مخطوطات کی فہرست درج ہے جن سے مترجم (نوشاہی) نے استفادہ کیا ہے۔

اُردو

ابن کثیر، حافظ ابوالفدا اسماعیل ابن عمر القرشی الدمشقی

تفسیر ابن کثیر (اُردو ترجمہ)، جلد۴ (سورۂ قصص)، کراچی، نور محمد کارخانۂ تجارت کتب

ابوالحسن ندوی

ہندوستان کی قدیم درسگاہیں، لاہور، مکتبۂ خاور، ۱۹۷۹ء

ابوزہرہ مصری

اسلامی مذاہب (ترجمۂ مذاہب الاسلامیہ)، ترجمہ غلام احمد حریری، لائل پور، ۱۹۶۷ء

اختر راہی

تذکرۂ مصنّفینِ درسِ نظامی، لاہور، مکتبۂ رحمانیہ، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء، طبع دوم

بابر، ظہیر الدین محمد

وقائع بابر، اردو ترجمہ یونس جعفری، حواشی و جزئیات حسن بیگ، کری کاڈی (اسکاٹ لینڈ)، شہر بانو پبلیشرز، ۲۰۰۷ء

برنی سیّد حسن

تمہید بر قران السعدین از خسرو دہلوی، علی گڑھ، سلسلہ کلیات خسرو، مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج، ۱۹۱۸ء

بیدری، سیّد محمد

مدرسہ محمود گاوان بیدر (پمفلٹ)، کراچی، مکتبہ زبیر، ۱۳۹۴ھ

توکلی، محمد نور بخش

تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ (مع تکملہ از محمد صادق قصوری)، لاہور، نوری بک ڈپو، ۱۹۷۶ء

جمالی دہلوی، حامد بن فضل اللہ

سیر العارفین، مقدمہ و اُردو ترجمہ از محمد ایوب قادری، لاہور، مرکزی اُردو بورڈ، ۱۹۷۶ء

جیراج پوری، محمد اسلم

حیاتِ جامی، دہلی، مکتبۂ جامعہ، تاریخ ندارد

رحمان علی

تذکرۂ علمائے ہند، مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری، مع مقدمہ سید معین الحق، مع ترمیم و اضافہ خضر نوشاہی و انصار زاہد خان، کراچی، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۲۰۰۳ء، طبع دوم

رضوی، سرفراز علی

مخطوطات انجمن ترقی اُردو (عربی، فارسی)، اجمالی فہرست، کراچی، انجمن ترقی اُردو، پاکستان، ۱۹۶۷ء

زبید احمد

عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصّہ، ترجمہ شاہد حسین رزاقی، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۱ء، طبع سوم

شمس بریلوی

مقدمہ نفحات الانس، اُردو ترجمہ، کراچی، ۱۹۸۲ء

عبد الباقی سہسوانی

حیات العلماء، مرتبہ حنیف نقوی، دہلی، کونسل برائے فروغ اردو، ۲۰۱۰ء

عبد الرحیم

لباب المعارف العلمیہ، فہرست مکتبہ علوم مشرقیہ اسلامیہ کالج، صوبہ سرحدی (پشاور)، ج ۲، لاہور، ۱۳۵۷ھ

غلام فرید، خواجہ

مقابیس المجالس / اشارات فریدی، ملفوظات خواجہ غلام فرید، جامع رکن الدین، اردو ترجمہ واحد بخش سیال، لاہور ۱۴۱۱ھ

غلام نظام الدین مرولوی

''ایک سوایک سال بعد''، دیکھیے: محمد سعید

فیروز الدین، مولوی

فیروز اللغات (فارسی بہ اُردو)، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ، تاریخ ندارد

قادری، حکیم سیّد شمس اللہ

تاریخِ زبان اُردو یعنی اُردوے قدیم، لکھنؤ، مطبع منشی نول کشور، ۱۹۳۰ء، طبع دوم

کشمی، محمد ہاشم

نسمات القدس، اردو ترجمہ محبوب حسن واسطی، سیالکوٹ، مکتبۂ نعمانیہ، ۱۴۱۰ھ

مجدّدی، محمد اقبال

احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری، لاہور، محمد شمس الدین تاجر کتب و دار المورخین، ۱۹۷۲ء

محمد اسحاق بھٹی

فقہاے ہند، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۷ء

محمد اکرام، شیخ

رود کوثر، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۷۰ء

محمد ایوب قادری

مقدمہ، سیر العارفین، دیکھیے: جمالی

محمد سعید، سیّد

مرآت العاشقین (ملفوظات خواجہ شمس الدین سیالوی)، فارسی، لاہور، مطبع مجتبائی، ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء؛ اردو ترجمہ: غلام نظام الدین مرولوی، لاہور، اسلامک بک فاونڈیشن، ۱۹۸۱ء، مع ضمیمہ ''ایک سوایک سال بعد''

محمد شفیع، مفتی

معارف القرآن، جلد ششم، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

عربی

حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ

کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، استنبول، ناشر: Milli Egitim Basimevi، المجلد الاوّل ۱۹۷۱م، المجلد الثانی ۱۹۷۲ء

طرازی، نصراللہ مبشر

نورالدین عبدالرحمٰن الجامی، فہرس بمولفاتہ المخطوطۃ والمطبوعۃ التی تقتنیہا الدار، قاہرہ، دارالکتب، ۱۹۶۴ء

کحالہ، عمر رضا

معجم المؤلفین (تراجم مصنفی الکتب العربیہ)، دمشق، مطبعۃ الترقی، طبع بنفقہ رفعت رضا کحالہ، الجزالخامس، ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء، الجزالحادی العشر ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، الجزالثالث العشر ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء

فارسی

آفتاب رائے لکھنوی

تذکرۂ ریاض العارفین، بہ تصحیح ومقدمہ سید حسام الدین راشدی، مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۶ء، ج ا

ابن سینا، ابوعلی حسین بن عبداللہ

اشارات وتنبیہات، ترجمۂ فارسی احسان یار شاطر، تہران، انجمن آثار ملّی، ۱۳۷۴ھ ق

اختر راہی

ترجمہ ھای متون فارسی بہ زبانہای پاکستانی، مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

اسفزاری، معین الدین محمد زمچی

روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ ہرات، با تصحیح وحواشی وتعلیقات سیّد محمد کاظم امام،

تہران، دانشگاہ تہران، جلد اوّل ۱۳۳۸ش، جلد دوم ۱۳۳۹ش

افشار، ایرج

فہرست مقالاتِ فارسی، جلد اوّل، تہران، شرکت سہامی کتابہای جیبی باہمکاری مؤسسہ انتشارات فرانکلین، ۱۳۴۸ش، جلد دوم، تہران، دانشگاہ تہران، ۱۳۴۸ش

مجموعۂ کمینہ، تہران، انتشارات توس، ۱۳۵۴ش

افصح زاد، اعلاخان

نقد وبررسی آثار وشرح احوال جامی، تہران، دفتر نشر میراث مکتوب، ۱۳۷۸ش / ۱۹۹۹ء

مقدمۂ دیوان جامی، دیکھیے: جامی

بایقرا، سلطان حسین میرزا = گازرگاہی، کمال الدین حسین

براؤن، ایڈورڈ جی (Edward G. Browne)

A Literary History of Persia, vol.: III

فارسی ترجمہ: **تاریخ ادبی ایران (از سعدی تا جامی)**، ج ۳، ترجمہ وحواشی بقلم علی اصغر حکمت، تہران، کتابخانۂ ابن سینا، ۱۳۳۹ش/ ۱۹۶۰ء، طبع دوم

برتلس، یوگنی ادواردوویچ

تصوّف وادبیاتِ تصوّف، ترجمہ سیروس ایزدی، تہران، امیر کبیر، ۱۳۵۶ش

بشیر حسین، محمد

فہرست مخطوطات شیرانی، لاہور، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، جلد دوم، ۱۹۶۹ء، جلد سوم، ۱۹۷۳ء

بشیر ہروی، علی اصغر

مقدمہ بر تکملۂ حواشی نفحات الانس، دیکھے: لاری

تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس از رضی الدین عبدالغفور لاری، کابل، انجمن جامی، ۱۳۴۳ش/۱۹۶۴ء

بہار، محمد تقی

سبک شناسی یا تاریخ تطوّر نثر فارسی، جلد ۳، تہران، کتابہای پرستو، ۱۳۴۹ش، چاپ سوم

بیانی، مہدی

احوال و آثار خوش نویسان، نستعلیق نویسان، بخش اوّل، تہران، دانشگاہ تہران، ۱۳۴۵ش

جامی، نورالدین عبدالرحمٰن

انشای جامی، کانپور، مطبع احمدی، ۱۳۰۸ھ

بہارستان و رسائل جامی، مقدمہ و تصحیح اعلا خان افصح زاد، محمد جان عمراف، ابوبکر ظہورالدین، تہران، مرکز نشر میراث مکتوب، ۱۳۷۹ش

سر رشتۂ طریقۂ خواجگان، با مقدمہ و تصحیح و تعلیق عبدالحی حبیبی، (کابل)، انجمن جامی، ۱۳۴۳ش

لوائح، بہ تصحیح اعلا خان افصح زاد، در بہارستان و رسائل جامی

نامہ ھا و منشآت جامی، مقدمہ و تصحیح عصام الدین اورون بایف و اسرار رحمانوف، تہران، مرکز نشر میراث مکتوب، ۲۰۰۰ء

نائیہ (بانضمام نی نامہ یعنی رسالۂ نائیہ مولانا یعقوب چرخی)، با مقدمہ و تحشیہ و تعلیق استاد خلیلی، کابل، کابل رادیو، ۱۳۳۶ش

نفحات الانس من حضرات القدس، مقدمہ، تصحیح و تعلیقات محمود عابدی، مؤسسہ اطلاعات، تہران، طبع اوّل: ۱۳۷۰ش

نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص، با مقدمہ و تصحیح و تعلیقات ویلیام چیتک و پیشگفتار سیّد جلال الدین آشتیانی، تہران، انجمن شاہنشاہی فلسفۂ ایران، ۱۳۹۸ھ

مثنوی ہفت اورنگ (شامل: سلسلۃ الذہب، سلامان و ابسال، تحفۃ الاحرار، سبحۃ الابرار، یوسف و زلیخا، لیلیٰ و مجنون، خردنامۂ اسکندری)، بہ تصحیح و مقدمہ آقا مرتضیٰ مدرس گیلانی، تہران، کتابفروشی سعدی، چاپ دوم، تاریخ ندارد (تقریباً ۱۳۵۱ش)

جہان آرا بیگم

رسالۂ صاحبیہ، بہ تصحیح محمد اسلم، پیش کش سردار علی احمد خان، لاہور، ۱۹۹۳ء

حسین نایل

فہرست کتب چاپی دری افغانستان، کابل، انجمن تاریخ، افغانستان، ۱۳۵۶ش

حکمت، علی اصغر

فارسی ترجمہ، **تاریخ ادبی ایران (از سعدی تا جامی)**، دیکھیے: براؤن، ایڈورڈ

جامی، تہران، چاپخانۂ بانک ملّی ایران، ۱۳۲۰ش

خالدہ صدیق

تہیہ نسخ خطی فارسی موجود در کتابخانہ ہای لاہور (پاکستان) ونظر انتقادی بر پارہ ای از نسخ مزبور، پایان نامہ برای دریافت دکتری ادبیات در زبان فارسی، دانشکدۂ ادبیات وعلوم انسانی دانشگاہِ تہران، سال تحصیلی ۴۷-۱۳۴۶ش، ٹائپ شدہ نسخہ، کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد، شمارہ ثبت ۷۶۵۰، مطبوعہ کتب

خواندمیر، غیاث الدین بن ہمام الدین حسینی

حبیب السیر فی اخبار افراد البشر، تہران، کتابخانۂ خیام، جلد سوم و چہارم، ۱۳۳۳ش

خوانساری، ملّا محمد باقر

روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات، ترجمۂ محمد باقر ساعدی خراسانی، تہران، کتابفروشی اسلامیہ، ۱۴۰۱ھ، ج ۵

خوشگو، بندرابن داس

سفینۂ خوشگو، دفتر دوم، مخطوطہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور، شمارہ Apf I 14

خیامپور، عبدالرسول (تاہباز زادہ)

فرہنگ سخنوران، انتشارات طلایہ [تہران؟] ۷۲-۱۳۶۸ش، طبع دوم، ۲ جلد

داراشکوہ، محمد

سفینۃ الاولیاء، کانپور، مطبع نول کشور، ۱۸۸۴ء

دانش پژوہ، محمد تقی

فہرست کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران، تہران دانشگاہ تہران، ۱۳۴۰ش، ج ۱۳ و ۱۴

فہرست میکروفیلمہای کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران، تہران، دانشگاہ تہران، ۱۳۴۸ش

درایتی، مصطفٰی

فہرستوارۂ دست نوشتہ ہای ایران، کتابخانہ، موزہ و مرکز اسناد مجلس شورای اسلامی، تہران،

۱۳۸۹ش / ۲۰۱۱ء

دفتر کتب خانہ اسعد افندی ایا صوفیا، استنبول، بلا تاریخ

دفتر کتب خانہ سلیمانیہ، استنبول، ۱۳۱۱ھ

دہلوی، غلام علی

مقامات مظہری، دہلی، ۱۲۶۹ھ

رازی، ابوالفتوح

تفسیر ابوالفتوح رازی، با تصحیح آقا مہدی الٰہی قمشہ، ج ۵ (اعراف تا یوسف)، تہران، بسرمایۂ شرکت تضامنی علمی، چاپ دوم، ۱۳۶۱ھ ق/ ۱۳۲۱ش

راشدی، سیّد حسام الدین

مقدمہ، مثنوی مہر و ماہ، از جمالی دہلوی، راولپنڈی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء

رحمان علی

تذکرۂ علمائے ہند، مطبع منشی نول کشور لکھنو، ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء، طبع دوم

زرّین کوب، عبدالحسین

با کاروان حلّہ، انتشارات علمی، تہران، ۱۳۷۳ش، طبع ہشتم

سادات ناصری، حسن

مقدمہ، آتشکدہ، حاجی لطف علی بیگ آذر بیگد لی، باہتمام حسن سادات ناصری، تہران، مؤسسہ مطبوعاتی امیر کبیر، ۱۳۳۶ش

سام میرزا صفوی

تذکرۂ تحفۂ سامی، تصحیح و مقدمہ از رکن الدین ہمایون فرخ، (تہران)، انتشارات علمی، تاریخ ندارد

سنبھلی، میر حسین دوست

تذکرۂ حسینی، لکھنو، مطبع نول کشور، لکھنو، ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء

شرح قصیدۂ بردہ، مخطوطہ، کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد، شمارہ ۳۹۱۹

صدیقی، محمد زبیر

مقدمہ، **تاریخ نامۂ ہرات**، تألیف سیف بن محمد بن یعقوب ہروی، کلکتہ، مطبع بپٹست مشن، ۱۹۴۳ء

صفا، ذبیح اللہ

تاریخ ادبیات در ایران، تہران، دانشگاہ تہران، ۱۳۵۳-۱۳۵۶ش، طبع دوم، ج ۳، ۴

یادنامۂ خواجہ نصیر الدین طوسی، مرتبہ ذبیح اللہ صفا، تہران، دانشگاہ تہران، ۱۳۳۶ش / ۱۹۵۷ء

عابدی، محمود

مقدمہ بر تکملۂ نفحات الانس، دیکھیے: لاری

مقدمہ بر نفحات الانس، دیکھیے: جامی

عبدالحق محدّث دہلوی

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، تصحیح وتوضیح علیم اشرف خان، تہران، انجمن آثار ومفاخر فرہنگی، ۱۳۸۳ش / ۲۰۰۵ء

عبدالرزاق بن جلال الدین اسحاق سمرقندی

مطلع سعدین ومجمع بحرین، جلد دوم، جزاوّل، بہ تصحیح محمد شفیع، لاہور، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

عبدالمقتدر، مولوی

مرآۃ العلوم، پٹنہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ؟؟؟؟ ج ۱، طبع اول

عبدالواسع نظامی باخرزی

مقامات جامی: گوشہ ہایی از تاریخ فرہنگی واجتماعی خراسان در عصر تیموریان، مقدمہ، تصحیح و تعلیقات نجیب مایل ہروی، تہران، نشرنی، ۱۳۷۱ش / ۱۹۹۲ء

عطاردی قوچانی، عزیز اللہ

مخطوطات فارسی در مدینہ منوّرہ، ایران، چاپخانۂ حیدری، ۱۳۴۶ش

غلام سرور لاہوری، مفتی

خزینۃ الاصفیا، کان پور، مطبع منشی نول کشور، ۱۹۱۴ء

غلام علی دہلوی، شاہ

مقامات مظہری، دہلی، ۱۲۶۹ھ

فصیحی خوافی، فصیح احمد بن جلال الدین محمد

مجمل فصیحی، با تصحیح و تحشیہ محمود فرخ، جلد سوم، مشہد، کتابفروشی باستان مشہد (۱۳۳۹ش)

فکری سلجوقی

- خیابان، کابل، انجمن جامی، عقرب ۱۳۴۳ش
- رسالۂ مزاراتِ ہرات (شامل سہ رسالہ: ۱۔ مقصد الاقبال سلطانیہ تألیف امیر سیّد عبداللہ الحسینی معروف باصیل الدین واعظ ہروی ۲۔ رسالۂ دوم تألیف مولانا عبیداللہ بن ابوسعید ہروی ۳۔ رسالۂ سوم تألیف اخندزادہ ملّا محمد صدیق ہروی معلّم حفاظ)، با تصحیح و حواشی فکری سلجوقی، کابل، پبلشنگ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۶۷ء

قانع تتوی، میر علی شیر

تذکرۂ مقالات الشعراء، با مقدمہ و تصحیح و حواشی سیّد حسام الدین راشدی، کراچی، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۷ء

قزوینی، عبدالنبی فخر الزمانی

تذکرۂ میخانہ، باہتمام احمد گلچین معانی، تہران، شرکت نسبی حاج محمد حسین اقبال وشرکاء، ۱۳۴۰ش

کاشفی، فخر الدین علی بن حسین

رشحات عین الحیات، با تصحیح علی اصغر معینیان، تہران، ۱۳۵۶ش، ۲ جلد

لطائف الطّوائف، بسعی و اہتمام احمد گلچین معانی، شرکت نسبی حاج محمد حسین اقبال وشرکاء، تہران، ۱۳۳۶ش

گازرگاہی طبسی، کمال الدین حسین بن شہاب

مجالس العشاق، بہ اہتمام غلام رضا طباطبائی مجد، تہران، ۱۳۷۶ش، طبع دوم
(یہی کتاب غلط طور پر سلطان حسین بایقرا سے منسوب کی جاتی ہے)

گلچین معانی، احمد

مقدمہ بر لطائف الطّوائف، دیکھیے: کاشفی

گھلوی، محمد

گوپاموی، محمد قدرت اللہ

کتاب تذکرۂ نتائج الافکار، بمبئی، اردشیر بنشاہی خاضع، ۱۳۳۶ش

لاری، رضی الدین عبدالغفور

تکملۂ حواشی نفحات الانس: شرح حال مولانا جامی قدس سرہ، بہ تصحیح و مقابلہ وتحشیۂ علی اصغر بشیر ہروی، انجمنِ جامی، کابل، ۱۳۴۳ش / ۱۹۶۴ء

تکملۂ نفحات الانس، بہ تصحیح و توضیح دکتر محمود عابدی، انتشارات جام گل، کرج (ایران)، ۱۳۸۰ش / ۲۰۰۱ء، ۲۰۷ص

لاہوری، غلام سرور

خزینۃ الاصفیاء، کانپور، مطبع منشی نول کشور، (۱۹۱۴ء)، بارسوم، ج۱

لودھی، شیر علی خان

تذکرۂ مرآت الخیال، بہ اہتمام حمید حسنی، باہمکاری بہروز صفر زادہ، تہران، انتشارات روزنہ، ۱۳۷۷ش

مایل ہروی، نجیب

شیخ عبدالرحمان جامی، تہران، طرح نو، ۱۳۷۷ش / ۱۹۹۸ء

مقدمہ **مقامات جامی**، دیکھیے: عبدالواسع نظامی باخرزی

مبلغ، محمد اسمٰعیل

جامی وابن عربی، (کابل)، انجمن جامی، ۱۳۴۳ش

محمد شفیع، ڈاکٹر مولوی

مقالات مولوی محمد شفیع، مرتبہ احمد ربانی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۷۴-۱۹۷۲ء، ج ۲، ۳

محمد غوثی شطاری

گلزار ابرار، مرتبہ ڈاکٹر محمد ذکی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۴ء

محمود گاوان، عماد الدین محمود گیلانی

ریاض الانشاء، بہ تصحیح و تحشی شیخ چاند بن حسین، بہ اہتمام دکتور غلام یزدانی، دار الطبع سرکار عالی، حیدر آباد دکن، ۱۹۴۸ء

خیر الاذکار فی مناقب الابرار، ترتیب و تہذیب و حواشی عبدالعزیز ساحر، واہ کینٹ، ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء

مدرس تبریزی، محمد علی

ریحانۃ الادب، تبریز، ۱۳۴۷ش، طبع سوم

مسعود سعد سلمان لاہوری

دیوان مسعود سعد سلمان، مقدمہ از ناصر ہیرّی، انتشارات گلشائی، تہران، ۱۳۶۳ش

مشار، خانبابا

فہرست کتابہای چاپی فارسی، تہران، ۵۵-۱۳۵۱ش، ج ۲-۵

مؤلفین کتب چاپی فارسی و عربی، تہران، ۱۳۴۳-۱۳۴۰ش، ج ۲، ۵

معییان، علی اصغر

مقدمہ بر رشحات، دیکھیے: کاشفی

منزوی، احمد

فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، تہران، مؤسسہ فرہنگی منطقہ ئی، ۵۱-۱۳۴۹ش، ج ۲-۵

فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانۂ گنج بخش (فارسی)، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۰ء، ج ۳

۳۔ فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۹۷-۱۹۸۳ء، ۱۴ جلدیں

مہری دخت بشارت

فہرست رسالہ ھای تحصیلی دانشگاہ تہران، ج ۱ (دورہ ہای لیسانس دانشکدۂ ادبیات و علوم انسانی)، زیرِ نظر بنی آدم، تہران، کتابخانۂ مرکزی و مرکز اسناد، ۱۳۵۶ش

میر حسین نیشاپوری

دستور معمّا، مخطوطہ، کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد، شمارہ ۱۶۰۷

میر حسینی، محمد حسن

مقدمہ، تاریخ ہرات (دستنوشتی نو یافتہ)، بہ احتمال از شیخ عبدالرحمان فامی ہروی، با مقدمۂ محمد حسن میر حسینی و محمد رضا ابوئی مہریزی، مرکز پژوہشی میراث مکتوب، تہران، ۱۳۸۷ش / ۲۰۰۸ء

نجم الدین

مناقب المحبوبین، لاہور، مطبع محمدی، ۱۳۱۲ھ

نعیمی، علی احمد

تاریخ ادبیات افغانستان، مقالۂ قسمت سوم، کابل

نفیسی، سعید

تاریخ نظم و نثر در ایران و در زبان فارسی تا پایان قرن دہم، تہران، کتابفروشی فروغی، ۱۳۴۴ش، ج ۱

نوائی، علی شیر

-خمسۃ المتحیرین، ترجمہ از ترکی جغتایی: محمد نخجوانی، بہ کوشش مہدی فرہانی منفرد، ضمیمۂ شمارۂ ۱۲، فرہنگستان زبان و ادب فارسی، تہران، ۱۳۸۱ش / ۲۰۰۲ء

-تذکرۂ مجالس النفائس، ترجمۂ سلطان محمد فخری ہراتی و حکیم شاہ محمد قزوینی، بسعی و اہتمام علی اصغر حکمت، تہران، کتابفروشی منوچہری، ۱۳۶۳ش

نوشاہی، عارف

فہرست نسخہ ھای خطی فارسی موزۂ ملّی پاکستان در کراچی، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۸۳ء

کتابشناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ (زیر طبع)

مقالات عارف، دفتر دوم، تہران، بنیاد موقوفات دکتر محمود افشار، ۲۰۰۷ء،

نیک پرور، محمد

کتابخانہ ہای استان خراسان از آغاز اسلام تا عصرِ حاضر

واحدی، جوزجانی، محمد یعقوب

امیر علی شیر نوایی فانی، کابل، انجمن تاریخ، ۱۳۴۶ش

وزارت اطلاعات و نشریات افغانستان

تجلیل پنجصد و پنجاہمین سال تولد نور الدین عبدالرحمٰن جامی (مجموعۂ مقالات بہ زبان فارسی و پشتو)، کابل، وزارت اطلاعات و نشریات افغانستان، ۱۳۴۴ش

ویلیام چیتک (William C. Chittick)

مقدمہ، نقد النصوص فی شرح الفصوص، از جامی، تہران، انجمن شاہنشاہی فلسفۂ ایران، ۱۳۹۸ھ

ہاشم رضی

مقدمہ، دیوان کامل جامی، تہران، انتشارات پیروز، [۱۳۴۱ش]

ہدایت، رضا قلی خان

تذکرۂ ریاض العارفین، بکوشش مہر علی گرگانی، تہران، کتابفروشی محمودی، ۱۳۴۴ش

مجمع الفصحاء، بکوشش مظاہر مصفا، تہران، مؤسسہ چاپ و انتشارات امیر کبیر، ۱۳۳۹ش، مجلد دوم، بخش اوّل

ہمایون فرخ، رکن الدین

کتابخانہ ہای شاہنشاہی ایران، (تاریخچۂ کتابخانہ ہای ایران از صدرِ اسلام تا عصر کنونی)، تہران، وزارت فرہنگ و ہنر، ۱۳۴۷ش، ج ۲

جرائد

آریانا (فارسی) نشریۂ انجمن تاریخ افغانستان، کابل

ج ۲۲، شمارہ ۳-۴، محمد اسماعیل مبلغ، ''نقد فلسفہ از جامی''

ج ۲۲، ش ۹-۱۰، محمد ابراہیم خلیل، ''شرارۂ عشق''

ج ۲۴، ش ۳-۱۰، محمد اسماعیل مبلغ، ''آفرینشِ نواز نگاہِ جامی''

ج ۲۶، ش ۴، علی رضوی، ''فہرست بیست وپنج سالۂ مجلّہ آریانا''

ج ۲۸، ش ۴، ص ۸۸، معرفی کتاب ''اشعار نایاب جامی''

ج ۳۳، ش ۳، گہر سنج، ''مکاتیب جامی''

آیندہ (فارسی)، تہران، سال ششم، شمارہ ۷-۸ (مہر-آبان ۱۳۵۹ش)

راہنمای کتاب (فارسی)، تہران، سال پنجم، شمارہ ۲ (اردی بہشت، ۱۳۴۱ش)

کتابداری (فارسی)، تہران، شمارہ ۲۹، دفتر ہشتم (۱۳۶۰ش)، پوراندخت وخلیل شیرازی ''فہرست مقدماتی رسالہ ہای دکترای دانشکدۂ ادبیات وعلوم انسانی'' (دانشگاہ تہران، تہران)

نورِ اسلام (اُردو)، شرقپور، ضلع شیخوپورہ، جلد ۲۴، شمارہ ۴۳ (مارچ-اپریل ۱۹۷۹ء)، اولیائے نقشبند نمبر، حصہ اوّل، محمد اختر چیمہ، ''حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی بخاری'' ترجمہ عارف نوشاہی

انگریزی

Arbery, A. J.

Catalogue of the Library of the India Office, vol. II, part VI, Persian Books, London, Printed by order of The Secretary of State for India, 1937

Erkinov,Aftandil

"Manuscripts of the works by classical Persian authors (Hafiz,Jami, Bidil):quantitative analysis of 17th-19th C. Central Asian copies",*Studia Iranica*,Paris,26(2002),pp.213-228

Ethe, Hermann

Catalogue of Persian Manuscripts in the Library of the India Office, vol. I, Revised and Completed by Edward Edwards, Published by order of The Secretary of State for India in Council at The Clarendon Press, Oxford, 1937

Riue, Charles

Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum, Published by the Trustees of the British Museum, vol. II, Oxford, 1966

———

A Descriptive Catalogue of the Islamic Manuscripts in the Govt. Oriental Manuscripts Library Madras, vol. I, Madras, 1939

اشاریہ

تاریخی اعلام (اشخاص)

جغرافیائی اعلام (مقامات، ادارے)

کتب ورسائل

شبیہ مولانا عبدالرحمان جامی (۸۱۷-۸۹۸ھ)، عمل کمال الدین بہزاد
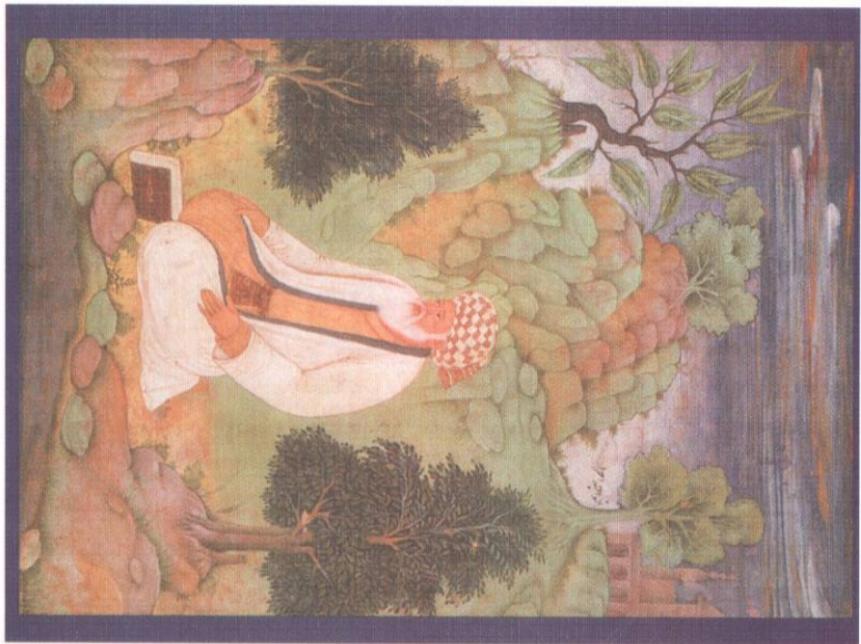
شبیہ خواجہ عبیداللہ احرار (۸۱۷-۸۹۸ھ)، جامی کے روحانی پیشوا
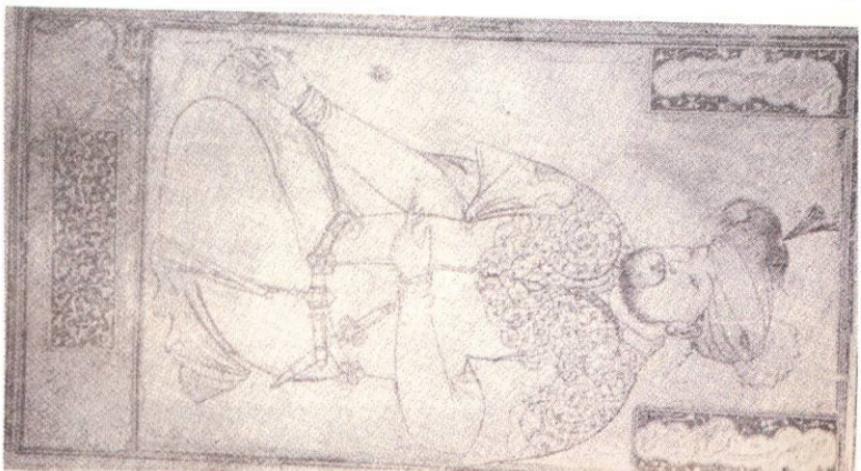
شبیہ سلطان حسین بایقرا (عہد حکومت: ۸۷۳-۹۱۱ھ) عہد جامی میں دربار ہرات کے بادشاہ
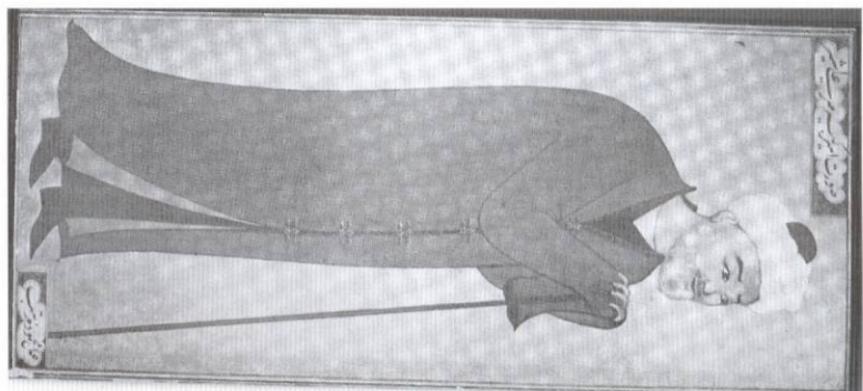
شبیہ امیر علی شیر نوائی (۸۴۴-۹۰۶ھ) جامی کے قدر دان، دربار ہرات کے وزیر
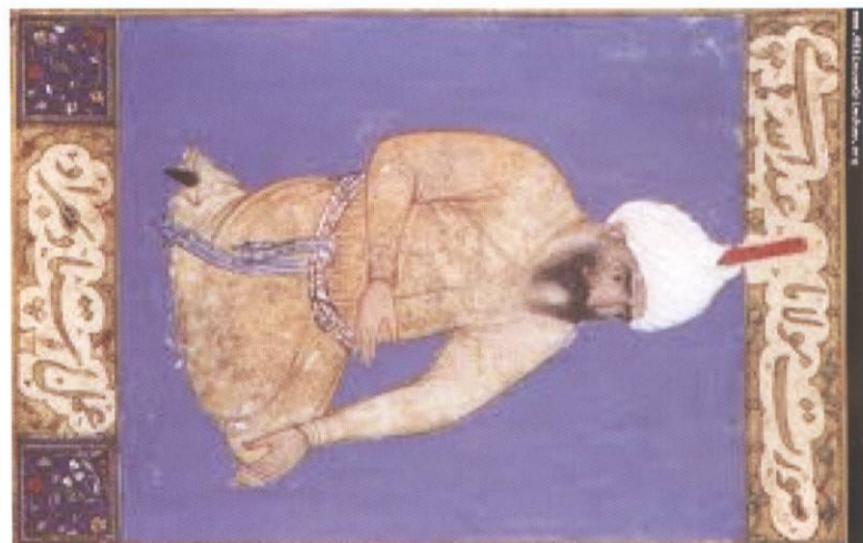
شبیہ عبداللہ ہاتفی (م:۹۲۷ھ)، عمل کمال الدین بہزاد

مزار مولانا جامی، ہرات، تقریباً سو سال قدیم حالت
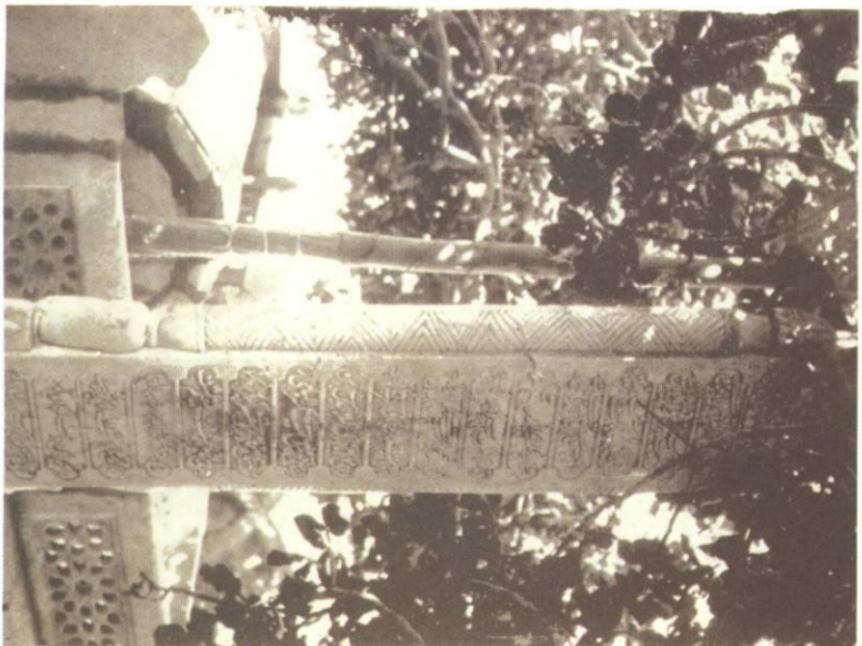
قدیم سنگ مزار مولانا جامی، ہرات، ۱۹۲۵ء میں نصب کیا گیا۔

مزار جامی، ہرات، موجودہ حالت (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

مزار جامی، ہرات، موجودہ حالت (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

موجودہ سنگ مزار جامی، اوپر کا حصّہ، کتبے کے مختلف حصوں کی تصاویر کو جوڑا گیا ہے۔ (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

موجودہ سنگ مزار جامی، نیچے کا حصّہ، کتبے کے مختلف حصوں کی تصاویر کو جوڑا گیا ہے۔ (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

موجودہ سنگ مزار جامی، اوپر کا حصّہ، کتبے کے مختلف حصوں کی تصاویر کو جوڑا گیا ہے۔ (عکاسی: عارف نوشاہی ۲۰۱۰ء)

موجودہ سنگ مزار جامی، نیچے کا حصہ، کتبے کے مختلف حصوں کی تصاویر کو جوڑا گیا ہے۔ (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

احاطہ وایوان مزار جامی، ہرات، موجودہ حالت (۲۰۱۰ء)

مزار خواجہ عبید اللہ احرار، سمرقند

مزار شیخ سعدالدین کاشغری، ہرات (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

مزار عبدالغفور لاری، ہرات (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)
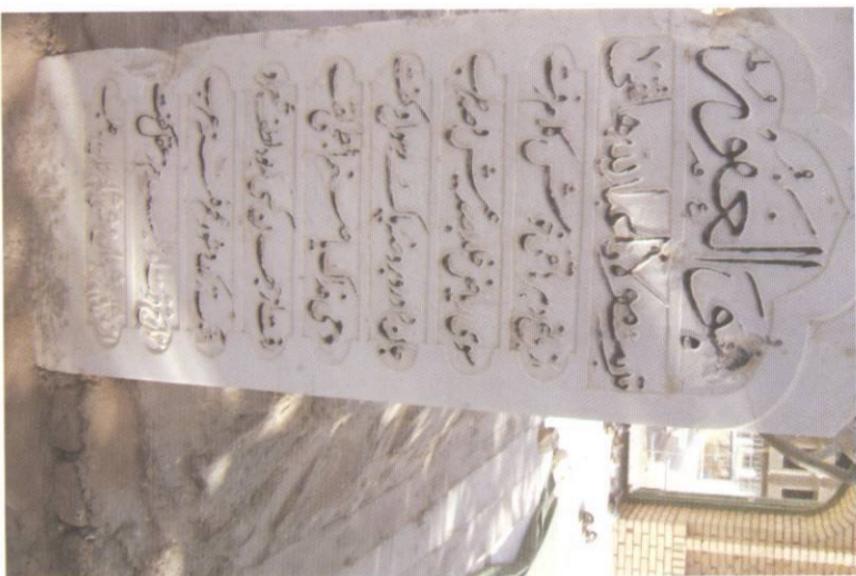
سنگ مزار عبداللہ ہاتفی، ہرات (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

مزار ملا حسین واعظ کاشفی صاحب تفسیر حسینی، ہرات (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)
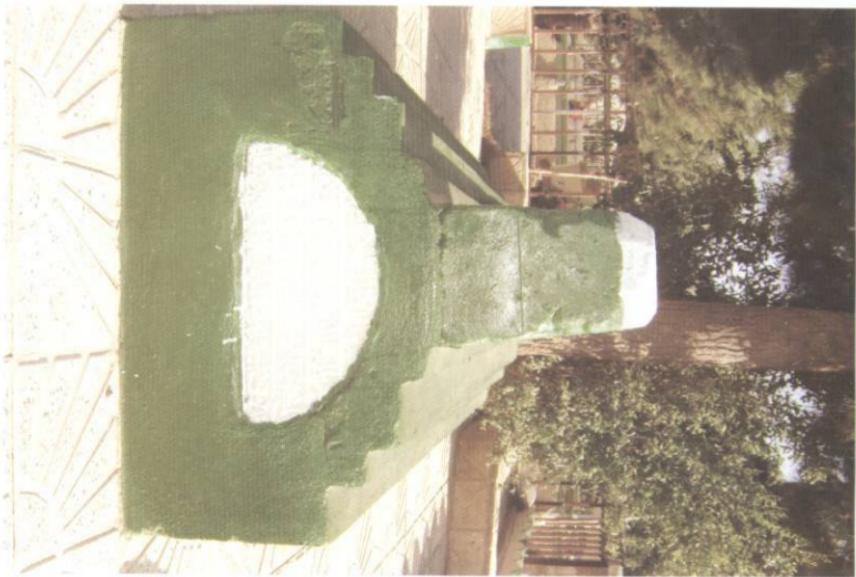
مزار علی بن حسین واعظ کاشفی صاحب رشحات، ہرات (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

سنگ مزار علی بن حسین واعظ کاشفی صاحب رشحات، ہرات (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)
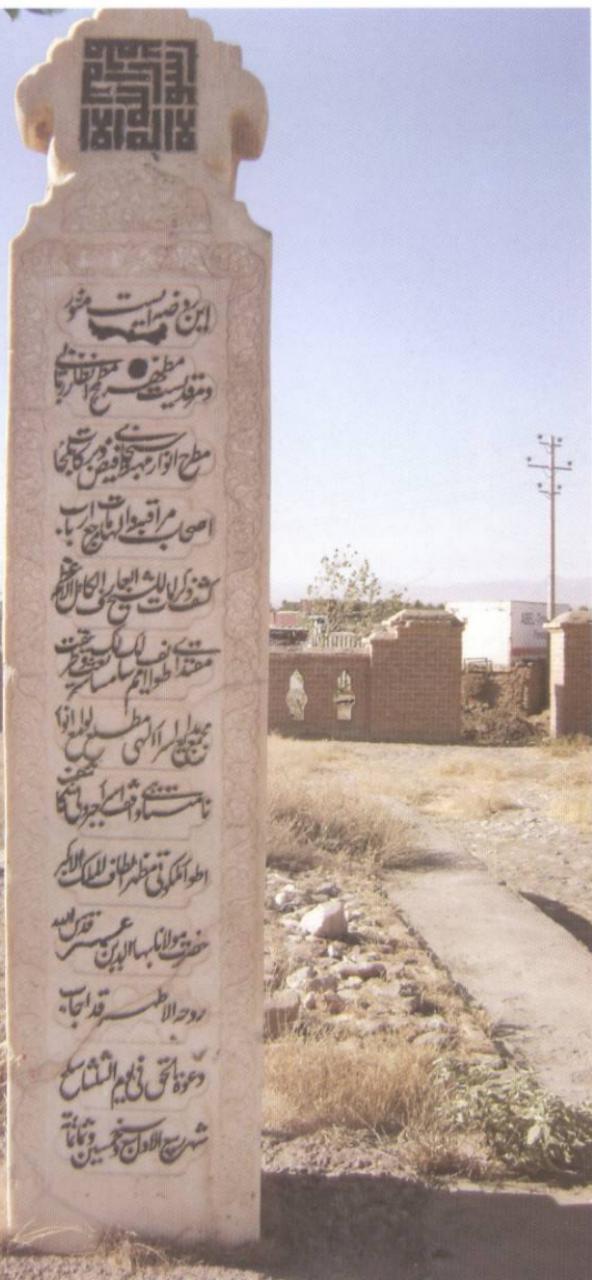
سنگ مزار شیخ بہاء الدین عمر جغارگی، ہرات (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

قبر سلطان حسین بایقرا، ہرات (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)
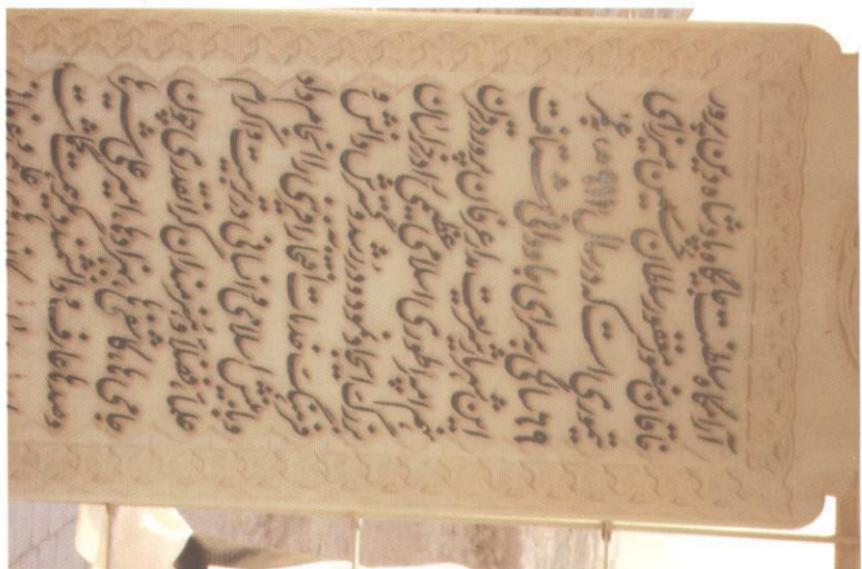
سنگ قبر سلطان حسین بایقرا، ہرات (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

قبرامیر علی شیر نوائی، ہرات (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

قبر کمال الدین بہزاد مصوّر، ہرات (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

ہرات شہر کا ایک طائرانہ منظر (عکاسی: عارف نوشاہی، ۲۰۱۰ء)

نفحات الانس (مخطوطہ گنج بخش، اسلام آباد، 9260) کے حاشیہ پر جامی کی خودنوشت تحریر

جامی کا خودنوشت خط بنام امیر علی شیر نوائی (مأخذ: مرقع نوائی، بیرونی اورینٹل انسٹی ٹیوٹ، تاشقند)

عہدِ جامی میں تیموری سلطنت کا نقشہ

تاشکند
سمرقند
مرو
نیشاپور
سبزوار
ہرات
دامغان
تبریز
قزوین
ورامین
ہمدان
بغداد
کربلا
حلب
دمشق
مدینہ
مکہ
میل
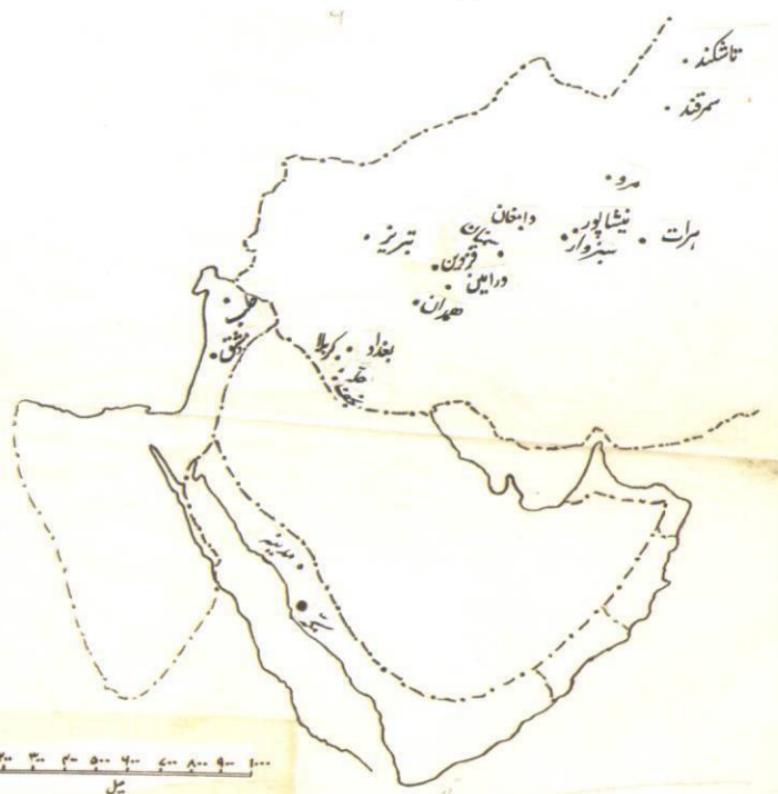
نقشہ، وہ شہر جن کا جامی نے سفر کیا۔

علی اصغر حکمت (۱۸۹۳-۱۹۸۰ء) مصنفِ کتاب ''جامی''
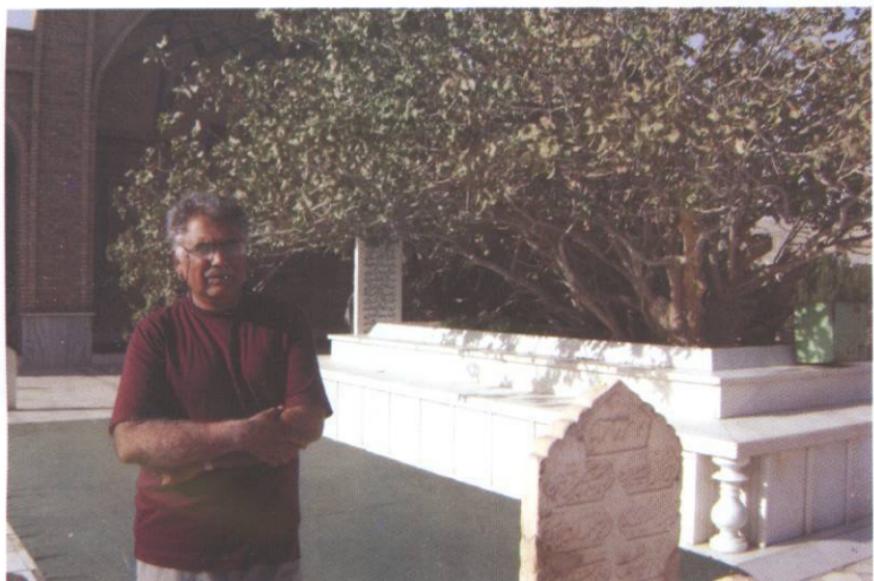
عارف نوشاہی (مترجم کتاب ''جامی'')، مزار جامی، ہرات پر، جولائی ۲۰۱۰ء

JAMI

A Comprehensive Research On The
Life And Works Of The Great Persian Poet

ABDUL RAHMAN JAMI

(1414-1492)

BY

ALI ASGHAR HEKMAT

Translation, Notes and a Supplement by

ARIF NAUSHAHI